

مکتبہ اسلامیہ

مجموعہ

سیر الرسول  
صلی اللہ علیہ وسلم

حصہ دوم

ترجمہ

شیخ محمد احمد براتی

ترجمہ

مولانا ڈاکٹر محمد سعید الدین عثمانی

نئی دہلی، ہندوستان

صدر، مجلس اعلیٰ تعلیم، لاہور، پاکستان

دارالتألیف جامعہ علوم اسلامیہ

لاہور، پاکستان

# مجموعہ سیرت الرسول ﷺ

حصہ دوم (آخری)

عربی تصنیف: زیر نگرانی

شیخ محمد احمد برانق

ترجمہ

مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار

پیشکش: طوبی ریسرچ لائبریری

[toobaa-elibrary.blogspot.com](http://toobaa-elibrary.blogspot.com)

toobaa-elibrary.blogspot.com

toobaa-elibrary.blogspot.com

toobaa-elibrary.blogspot.com

toobaa-elibrary.blogspot.com

# فہرست (جلد دوم)

صفحہ نمبر	مضامین	نمبر
۴۵۸	غزوہ احزاب	۱۵
۴۹۲	ادب و پاکدامنی	۱۸
۵۲۹	صلح حدیبیہ	۱۹
۵۶۲	غزوہ خیبر	۲۰
۵۹۲	عمرۃ القضاء	۲۱
۶۲۹	فتح مکہ	۲۲
۶۶۴	غزوہ حنین	۲۳
۶۹۶	غزوہ تبوک	۲۴
۷۲۸	کمال و تکمیل	۲۵
۷۶۰	کمال انسانیت	۲۶
۷۹۹	رحلت نبوی	۲۷



# غزوة اعراب

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قَتَلُوا  
فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا بَلْ أَحْيَا  
عِنْدَ رَبِّهِمْ يَنْزِلُ قُوْنٌ  
فِي رَحْمَتِنَ مَا أَتَاهُمْ اللَّهُ  
مِنْ فَضْلِهِ وَلَيْتَبَشِّرُوْنَ  
بِالَّذِيْنَ لَهُمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ  
مِنْ خَلْفِهِمْ أَوْ يُخْرَجُوْنَ  
وَلَا هُمْ يُخْزَوْنَ ۝

اور آپ نہ کہیں مردہ ان لوگوں کو  
جو اللہ کی راہ میں مارے گئے ہیں بلکہ  
وہ زندہ ہیں اپنے رب کے پاس  
کھاتے پیتے خوشی کرتے ہیں اس پر جو  
دیا ان کو اللہ نے اپنے فضل سے اور  
خوش ہوتے ہیں ان کی طرف سے جو  
ابھی تک ان کے پاس نہیں پہنچے ان  
کے پیچھے اس نے کڑی پر ڈھے  
اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے

اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں سے بلائی درست و سچا وعدہ  
فرمایا اور اللہ کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کا جو پیغام اپنے  
مسلمان پیغمبرین کو پہنچایا وہ بالکل سچا ہے۔  
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے مومن پیرو کار جنگوں اور جہاد  
میں اپنی جان و دھن کی قطعاً قربان کرتے تھے، نہ اس کے بارے میں بخل سے

کام لیتے تھے۔ اس لئے کہ اگر وہ دشمن پر فتیاب ہو گئے تو انہیں نصرت خداوندی  
اور اللہ کی رضا حاصل ہو گئی اور اگر وہ مارے گئے تو شہادت کا درجہ پاکلاسن  
جنت کی بشارت کے مستحق بن گئے جس کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی  
ذہائی کیا تھا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو جنگ احد  
میں جو شہادت ہوئی تھی اس سے اگرچہ یہود کو خوشی اور مشرکین کو مسرور  
اور منافقین کو ہنسنے اور شامت کا موقع ملا لیکن اس سے صحابہ کے نفوس میں  
بزدلی یا صنعت قطعاً پیدا نہ ہوا بلکہ جنگ احد کی صبح کو ہی وہ نبی کریم صلی اللہ  
علیہ وسلم کی آواز پر لبیک کہہ کر قریش کے کفار کے مقابلے لئے تیار ہو گئے  
تھے تاکہ اگر وہ لوگ لوٹ کر مدینہ منورہ پر دوبارہ حملہ کرنا چاہیں تو ان کو روک  
دیا جائے اور ان کے دانت کھٹے کر دئے جائیں۔

اور ہوا بھی یہی کہ قریش نے مدینہ منورہ پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا تاکہ  
مدینہ منورہ کو آسانی سے فتح کر سکیں۔ اس لئے کہ وہ یہ سمجھ رہے تھے کہ مسلمانوں کی  
قوت کمزور پڑ چکی ہے اور ان کی معنوی طاقت ضعیف ہو چکی ہے لیکن جب  
انہیں یہ معلوم ہوا کہ مسلمان ان سے جنگ کرنے کے لئے اکٹھے ہو رہے ہیں تو وہ  
دوبارہ حملہ کرنے کی ہمت نہ کر سکے بلکہ انہوں نے فتیاب اور صحیح سالم مکہ مکرمہ  
واپس لوٹنے کو اس پر ترجیح دی کہ وہیں ہاکام و شکست خوردہ ہو کر لوٹیں۔

جنگ احد کے بعد کچھ دن ایسے گزرے جن میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور عرب کے مختلف قبائل کے درمیان کئی معرکے ہوئے اور بہت سی چیزیں ہوئیں جن میں سے بعض میں مسلمان فتحیاب ہوئے تھے اور مال غنیمت حاصل کر چکے تھے اور بعض میں کچھ مسلمان حضرات شہید ہوئے ان واقعات میں سب سے اہم واقعہ بنو نضیر کے مدینے سے جلا وطنی کا تھا۔ ہوا یوں کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بنو نضیر کی خیانت اور قدر اور آپ کو اچانک قتل کرنے کی سازش کا علم ہوا تو آپ نے انہیں جلا وطن کرنے کا حکم دے دیا۔ اس جلا وطنی کی وجہ سے ان یہودیوں کے دل حسد و کینہ سے بھر گئے اور وہ آپ کے خلاف فکروا کرنے لگے اور یہ کوشش کرنے لگے کہ آپ کے خلاف لڑنے کے لئے اہل عرب کو اکٹھا کر دیا جائے۔

غزوہ احد کے موقع پر قریش نے مسلمانوں کو اسی سال تمام بدر پر لڑنے کی جو دعوت دی تھی قریش اس پر عمل نہ کر سکے۔ چنانچہ انہوں نے ایسے دو گروہیں شروع کیا جو مسلمانوں کی وحدت کو ختم کر سکیں اور ان کو ڈرا دھمکا سکیں۔

اور ان کے سامنے یہ کام بھی کر دیا کہ قریش کا لشکر بہت بڑا ہے ان کے افراد ساز و سامان جنگ کا مقدار بہت زیادہ ہے لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ان باتوں کا کوئی اثر نہ ہوا آپ ڈرے اور نہ اپنے ارادے سے باز رہے اور آپ نے اس بات پر اصرار کیا کہ آپ مقررہ وقت پر جنگ و قتال کے لئے

مقررہ نکلیں گے خواہ آپ کو تنہا کیوں نہ لنگن پڑے۔ چنانچہ آپ کے صحابہ کرام آپ کے ساتھ تکیا پڑے ان کے ساتھ تجارت کا وہ ساز و سامان بھی تھا جو بدر کے جنگ میں فروخت کرنا تھا جہاں ہر سال ایک بازار لگتا تھا۔ بدر پہنچ کر حضرت اہل قریش کے آنے کا انتظار کرتے رہے۔ قریش کا جو بڑا مسلمانوں کے لشکر سے ٹکرانے کے لئے تکیا پڑے لیکن نہ تو وہ ایسا سرکاری رکھ سکے اور نہ ہی اپنی ہمت و عزم کو قابو میں رکھ سکے اور لشکر کے سردار ابوسفیان نے دو دن کی مسافت طے کرنے کے بعد اپنے لشکر میں یہ اعلان کیا: اے قریش کی جماعت! تمہارے فائدہ و نفع کا سال وہ سال ہے جو سرسبز و شاداب ہو لیکن یہ سال تو قحط سال کا ہے۔ اس لئے میں تو واپس جا رہا ہوں تم بھی واپس لوٹ چلو۔

اور اس طرح سے لشکر قریش اٹے پاؤں واپس ہو گیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے لشکر سمیت وہاں آٹھ دن تک قریش کی آمد کے منتظر رہے اور جب وہ لوگ نہ آئے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کو کہہ کر مدینہ منورہ واپس ہو گئے اور اس عرصہ میں بدر کے بازار میں مسلمانوں نے خوب تجارت کی اور نفع بھی کیا، واپسی پر مسلمانوں کے لشکر کی زبانوں پر اللہ کے انعامات اور قریش کی بزدلی اور مسلمانوں کا امن و آسنا کرنے سے کتراتے اور اٹے پاؤں بھاگنے کا تذکرہ تھا۔

یہودیوں نے جواب دیا: تمہارا دین ان کے دین سے بہتر ہے اور تم ان سے زیادہ حق کے قریب ہو۔

یہودیوں نے اس طرح بھڑکاکر اور ریاکاری کر کے قریش کے سرداروں کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے خلاف مرتے دم تک جنگ کرنے کا معاہدہ کر لیا اور اس دن کے لئے آپس میں ایک وقت مقرر کر لیا اور یہودیوں نے قریش کے ساتھ معاہدہ پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ دوسرے ان عرب قبیلوں کو بھی اپنے ساتھ ملانے کی کوشش کرتے رہے اور جن یہود اور مشرکین کو اپنے ساتھ ملا سکے انہیں اپنے ساتھ ملا لیا۔ چنانچہ یہ یہودی قبیلہ غطفان کے پاس گئے اور انہیں یہ لاپنج دلایا کہ اگر وہ لوگ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ جنگ کرنے کے لئے ان کے ساتھ ہو گئے تو انہیں خیبر کے بھونوں کی ایک سال کی آمدنی دے دی جائے گی۔

اسی طرح یہ یہودی دیگر قبائل کے پاس بھی گئے جن میں سے یوسلیم، بنو اسد، بنو خزاعہ، بنو نضیح اور بنو مریجہ ہیں ان کو جنگ پر ابھارا اور لاپنج و طمع دلائی اور اس طرح سے جزیرہ عرب کے یہود اور مشرکین نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ کرنے کے لئے ایک بیٹھ فائدہ پر جمع ہو گئے اور اس طرح سے تاریک و سیاہ دل اور مرم و گندی ذہنیتیں حق سے جنگ کرنے اور ایمان کا مقابلہ کرنے کے لئے متحد ہو گئیں۔ اور ایک عظیم الشان لشکر جس کی کھجوروں کی تعداد

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لے آئے اور پھر سے دعوت اسلام کے پھیلنے کی طرف اپنی توجہ مرکوز کر دی حتیٰ کہ آپ کی جہاد اور متابیلوں کا میدان حجاز سے شام کے اطراف تک پھیل گیا۔

اس واقعہ کے بعد قریش نے پھر بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ کرنے کا ارادہ نہ کیا یہاں تک کہ وہ بنو نضیح جن کو آپ نے مدینہ منورہ سے نکال دیا تھا ان کے سردار قریش کے پاس آئے جن میں جی بن اخطب اور سلام بن ابی الحنفین وغیرہ کئی سردار تھے جنہوں نے قریش کو اپنے ساتھ حاکم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ کرنے کی کہہ کر دعوت دی کہ ہم اس وقت تک تمہارے ساتھ ہیں جب تک محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بیعت کنی اور استیصال نہیں ہو ماتا اور ہم اس بات پر آپ لوگوں سے معاہدہ کرنے کے لئے آئے ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف یہ بات سن کر قریش کے سینکڑوں لوگ پھر سے بھڑک اٹھے اور انہوں نے ان کی دعوت پر حجاز و فوجی آمادہ کیا کہنے لگے کہ: آپ لوگوں کو ہم خوشحال آمادہ کیا ہے اور ان سب سے زیادہ وہ مہمبہ ہے جو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے خلاف ہماری مدد کرے۔ پھر قریش نے ان سے پوچھا: اسے یہودی کی جماعت کی پہلی کتاب والے ہوا علم تمہارے پاس ہے ہمارے اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے درمیان ایک اختلاف ہے اس لئے آپ لوگ بتائیں کہ کیا ہمارا دین بہتر ہے یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا دین؟

بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مشورہ اور اس کے مطابق مدینہ منورہ کے شمالی جانب میں مشرقی قلعوں سے مغربی قلعوں تک خندقیں کھودنا شروع ہو گئیں۔ بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کام کو اپنے صحابہ میں تقسیم کر دیا تھا اور ہر جماعت کو ایک حصہ کا ذمہ دار بنادیا تھا اور بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بذات خود مسلمانوں کے ساتھ کام میں علما حصہ لیتے رہے تاکہ ان کی ہمت بڑھ جائے اور وہ اور مفت سے کام کر سکیں۔

مسلمانوں نے نہایت محنت سے کام شروع کر دیا اور خندق کھودنے لگے اور اس کی مٹی جبل سلع (ایک پہاڑ کا نام ہے) کی جانب منتقل کرتے اور وہاں سے پتھر اپنی ٹوکروں میں بھر کر لے آتے اور خندق کے کنارے پر ان کو لگادیتے تاکہ بوقت ضرورت دشمن کے خلاف ان کو استعمال کر سکیں۔ ابھی چند دن بھی دنگ نہ رہے تھے کہ مدینہ کی حفاظت کے لئے اس کے ان اطراف میں جو عزیز مفروضے ان میں خندق کھود کر تیار ہو چکی تھی حتیٰ کہ اس کے کناروں کو مضبوط بھی کر دیا گیا۔

بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق مسلمانوں کا لشکر نکل کھڑا ہوا اور جہاں پڑاؤ ڈالنے کا آپ نے حکم دیا تھا اس جانب رواز ہو گیا اور یہ وہ حصہ تھا جو جبل سلع اور خندق سے تقریباً دو فرسخ کے فاصلہ پر واقع تھا، مہاجرین کے ساتھ مدینہ منورہ کے چند فوجیوں کے بھی نکلے جو اپنے والدین

دس ہزار ایسے افراد پر مشتمل تھے جو اسلحہ سے لیس تھے یہ سب کے سب بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ کرنے کے لئے چل پڑے۔

بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو حیب اس عظیم لشکر کی اطلاع ملی جس میں بہت سے قبائل اور جبرو عرب کے اطراف کے لوگ یکجا تھے جو کہ مدینہ کا رخ کر چکے تھے تو سوچنے کی بات یہ تھی کہ جو صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھی اس جیسے لشکر کا مقابلہ کس طرح کریں گے اور اس کے لئے کیا تدابیر اختیار کریں گے چنانچہ بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کو مشورہ دے کر لے کر سب نے متفقہ فیصلہ کیا کہ مدینہ کو نہیں چھوڑنا چاہیے بلکہ یہیں رہ کر دشمن سے مقابلہ کرنا چاہیے۔

حضرت سلمان فارسی نے یہ مشورہ دیا کہ مدینہ منورہ کے اندر دشمن کو دھوکہ دی جائے تاکہ مدینہ منورہ دشمن کے حملے سے محفوظ رہے۔ یہ تدبیر فارس کے کسری اختیار کیا کرتے تھے۔ بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ تدبیر پسند آئی اور آپ نے اس پر فوری عمل کرنے کا حکم دے دیا۔

مسلمانوں نے بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس حکم کو نافذ کرنے میں نہایت جتنی دکھلائی اور بڑا بہت نشاط کا مظاہرہ کیا۔ چنانچہ کہ لائیں بھاؤڑ کھاریاں اور ڈکریاں اٹھا کر گئیں جن کی اکثریت مسلمانوں نے اپنے ملکیت و صحابہ دین بنو قریظہ والوں سے عاریتہ لی تھی۔

اور بھائیوں کے ساتھ مل کر جنگ کرنا چاہتے تھے تاکہ اپنے دین و وطن سے  
مداخلت کر سکیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں میدان کارزار میں  
طلب کیا اور جس کی عمر پندرہ سال سے زائد تھی۔ اس کو اجازت دے دی  
لیکن جس کی عمر اس سے کم تھی اسے واپس کر دیا۔

ابھی زیادہ وقت نہ گذرا تھا کہ مشرکین کے لشکر کا اگلا حصہ مدینہ منورہ  
کے قریب پہنچ گیا۔ ابوسفیان کو یہ خیال تھا کہ وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو  
احد پہاڑ کے پاس پائے گا لیکن اس کو جب آپ وطن میں ملے تو وہ اپنے  
لشکر کو لے کر مدینہ منورہ کی طرف چل دیا اور مدینہ کے قریب ہڑاؤ ٹل  
دیا اور غطفان والوں اور ان کے ساتھی ہجرت والوں نے جبل اودہ  
کے پاس ہڑاؤ ڈالا۔

مشرکین کے لشکر کے جاسوس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان  
کے لشکر کے بارے میں معلومات جمع کرنے کے لئے مکہ پرے لیکن اچانک  
انہوں نے خلاف توقع ایک چیمپو بھی۔۔۔ ایسی چیز جو ان کے خواب  
و خیال میں بھی نہ آ سکتی تھی اور یہ خندق تھی جس نے مدینہ منورہ کا احاطہ کیا  
ہوا تھا۔ وہ سب چھوٹے گھس خندق کو اس لئے بنایا گیا کہ وہ مدینہ منورہ اور  
مشرکین کے اس لشکر کے درمیان مائل ہو جائے جو ان کو نیست و نابود کرنے  
کے لئے جمع کیا گیا تھا؟ یہ جاسوس لشکر والوں کے پاس نہایت مفوسس

جملے کر گئے اور مشرکین پر بھی ہلکی ہلکی اور دھمکنی کے لہجے سے فرامیسی تدریس  
کر جسے اہل عرب اختیار نہیں کر سکتے۔  
اسلامان مجاہدین کو دشمن نے لشکر کے پیچھے کی اطلاع ملی۔ چنانچہ وہ  
اپنے لشکر کے ہڑاؤ کی جگہ اگلا حصہ اور جبل سلج کے کنارہ پر نبی کریم صلی اللہ  
علیہ وسلم کے لئے سب سے زبردست جنگ کا جو خیمہ لگایا گیا تھا آپ اس میں قریش کے  
کے اور اپنے اقربا تین ہزار نفوس پر مشتمل لشکر کے کئی حصے کر دیے اور  
خندق جماعتیں بنا دیں۔ کسی جماعت کا کام یہ تھا کہ وہ خندق کی گہرائی کرے  
اور کسی کا کام یہ تھا کہ وہ حصوں پر نظر کرے اور باقی لشکر والے اپنی کمانوں  
کو تمام کر خندق کا رخ کر کے بیٹھ گئے۔

قریش نے خندق کو اچھلا گھنٹا چلا لیکن نہ بھلا ٹنگ سکے اور اسی اثناء  
میں مسلمانوں نے ان پر تیرہ ہون کی بارشیں برسا دیں جس کی وجہ سے وہ واپس  
ہونے پر مجبور ہو گئے اور اس طرح سے شام تک وہ لوں شکر ایک دوسرے  
پر تیرہ ہونے دے رہے اور پھر رک گئے۔ دوسرے دن قریش کے آدمیوں نے دوبارہ  
خندق کو اچھلا گھنٹا چلا لیکن پھر وہی حشر ہوا جو پہلے ہوا تھا اور وہ اس کو پھانک  
نہ سکے۔ اور نہایت غصہ اور عیش کے عالم میں وہ واپس ہو گئے اور انہیں یہ  
یقین ہو گیا کہ اس فلسفہ میں ان کی تمام فہمیں نایاب گئیں جائیں گی۔ ہواؤں کے  
تیز چلنے اور سخت سردی نے ان کے غصہ اور تھلاہٹ کو اور بڑھایا۔ سردی

اشقی شدیدی تھی کہ انسان کو ہلاک کر دے اور رگوں میں خون جم جائے۔

شکر والوں نے اپنے آپ کو علامت کرتا اور یہ پوچھنا شروع کر دیا کہ ہم محمد  
صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ کریں گے؟ جی ہاں، اخطاب کو یہ ڈر ہوا کہ لوگ اپنے آپ  
کو کھت کر کے کوئی فیصلہ نہ کر سکیں اور اس نے یہ اندازہ لگا لیا کہ اگر صورت حال کا  
کسی ایسی تدبیر سے تدبیر کر نہیں کیا گیا جس سے لشکر والے ثابت رہیں تو اس کا  
نتیجہ یہ ہوگا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف اہل عرب کو جنگ کے لئے جمع  
کرنا بے سود و رائیگاں چلا جائے گا۔ اس کی خاطر جی بن اخطاب البسفیان کے  
پاس آیا اور اس سے کہا:

میری قوم قرظہ والے تمہارے ساتھ ہیں اور وہ نہایت طاقتور ہیں  
یہ سن کر البسفیان نے کہا کہ پھر تو تم ان کے پاس جاؤ اور ان کو یہ شرط دو کہ  
وہ اس عہد کو توڑ ڈالیں جو ان کے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان ہے۔  
چنانچہ جی بنو قرظہ کے قلعوں کی جانب گیا تاکہ ان سے کوئی تدبیر سے اس  
عہد کو توڑ دے جو ان کے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان ہے۔  
بنو قرظہ کے اس سردار نے جس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ  
معاہدہ کیا تھا اس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے آنے کو تا ڈالیا اور قلعہ کا دروازہ بند کر  
دیا اور اس سے قلعے سے انکار کر دیا اور وہ سمجھ گیا کہ جس کی غرض سے آیا ہے جس  
نے قلعہ کے پیچھے سے اسی سے آواز دی اور قسم دی کہ وہ اس کے لئے دروازہ

کھول دے اور اس سے کہا: تم نے قلعہ کا دروازہ اس لئے بند کر لیا ہے تاکہ میں  
تمہارے ساتھ تمہارے کھانے میں شریک نہ ہو سکوں۔

یہ سن کر کعب کو غصہ ہو گیا اور اس نے جی کے لئے دروازہ کھول دیا تو  
جی نے کہا: اے کعب تمہیں کیا ہو گیا ہے میں تو تمہارے پاس زماہ کی عزت  
لے کر آیا ہوں۔ اے انکار کر لیا ہوں جو عظیم الشان ہے، میں تمہارے پاس قریش  
و غطفان کا لشکر ان کے تمام سرداروں اور قائدین سمیت لایا ہوں اور ان  
سب کے سب نے مجھ سے یہ عہد اور وعدہ کیا ہے کہ وہ یہاں سے اس وقت  
نکل نہیں سکیں گے جب تک محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کے ساتھیوں کی  
بیعت مکنی نہ کر دیں۔

کعب نے کہا: تم تو میرے پاس ساری عمر کی ذلت و رسوائی لے کر آئے  
ہو اس لئے کہ میں تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے معاہدہ کر چکا ہوں اور میں ان  
کے ساتھ کئے ہوئے عہد کو ہرگز نہیں توڑ سکتا اس لئے کہ میں نے انہیں بچاؤ  
و وعدہ پورا کرنے والا ہی پایا ہے۔ جی یہ سن کر بھی مایوس نہیں ہوا اور کعب  
کو اپنا بیہوش ہونا یاد دلانا اور یہ بتلنے لگا کہ یہودی کی ذلت و رسوائی اور  
سیادت و عزت ان کے ہاتھ میں ہے اور ان کا کام صرف اتنا ہے کہ وہ محمد  
صلی اللہ علیہ وسلم سے کئے ہوئے عہد کو توڑ ڈالیں اور ان یہودیوں سے  
شکر دوں کہ درمیان راستہ آزاد آجھو ٹھریں چنانچہ بنو قرظہ والے سیلاب کی مانند

ان لشکروالوں سے جا ملیں گے اور اس طرح سے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کے ساتھیوں کا ذرا سی دیر میں کام تمام کر دیں گے اور اس طرح سے جزیرہ عرب یہودیوں کے دین کے لئے خالی ہو جائے گا۔

کعب کے دل پر اس بات کا اثر ہوا اور یہ بات اس کے دل میں اترنے لگی لیکن کعب ابھی عہد توڑنے کے سلسلہ میں متروک رہے اس خوف سے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ قریش و غطفان والے شکست کھا کر واپس ہو جائیں اور انہیں (یعنی بنو قریظہ) تنہا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے مقابل چھوڑ جائیں۔ اور پھر ان کا مشر بھی وہی ہو جو مشر بنو قریظہ بنو نضیر کا ہوا۔ لیکن کعب کے تمام شکوک و شبہات ذرا سی دیر میں دور ہو گئے اور عیسیٰ کے اس وعدہ کے بعد کہ اگر کافروں کے لشکر شکست کھا گئے تو عیسیٰ بھی کعب کے ساتھ ان کے ساتھ ان کے قلعہ میں رہے گا اور اس تمام دولت و سرکار ان کے ساتھ مل کر برداشت کرے گا جو ان لشکروں کی شکست کی صورت میں اٹھانا پڑے گی۔ عیسیٰ کو یہ پختہ یقین تھا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو شکست دینا اس کے ہاتھ میں ہے اور ان کو شکست دینے میں صرف اتنا وقت لگے گا جتنی دیر ہیں بنو قریظہ تیار ہو رہے۔

بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو بنو قریظہ کے عہد توڑنے اور کافروں کے لشکر کے ساتھ مل جانے کی اطلاع ملی جن کا ان

حضرات پر بہت شدید اثر ہوا۔ اس لئے کہ بنو قریظہ کے ان کافروں کے ساتھ ملنے سے مسلمانوں کو اپنے لشکر اور اپنے گھر کے لئے شدید خطرہ محسوس ہونے لگا تھا اور یہ بات بھی صحیحی کہ بنو قریظہ کے ان کے ساتھ ملنے اور عہد توڑنے سے مسلمانوں کے قلعہ کا راستہ بند ہونے اور دشمنوں کے ساتھ ان کے مل جانے سے دشمنوں کو سب ایذا تک پہنچنے کے لئے آسان راستہ مل جانے کا خطرہ تھا۔ بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحیح صورت حال معلوم کرنے اور اس خبر کی تصدیق کے لئے اپنے آدمی بھیجے اور وہ یہ خبر لے کر واپس آئے کہ اطلاع بالکل صحیح اور درست ہے اس لئے کہ انہوں نے یہودیوں میں نقل و حرکت اور قلعہ کے اندر تیاری کرنے کو واضح طور سے دیکھ لیا تھا۔ چنانچہ بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خورج کے سردار حضرت سعد بن حبادہ اور اس کے سردار حضرت سعد بن معاذ (جو کہ قریظہ کے ملیں تھے) کو بنو قریظہ کے سردار کعب کے پاس اس اطلاع کی تصدیق کے لئے بھیجا اور ان سے کہا کہ اگر بات واقعی درست ہو تو چپکے سے آکر مجھے خبر دے دیں تاکہ مسلمانوں کو اس سے دیکھ نہ ہو اور اگر جھوٹ ہو تو حکم کھا سب کے سامنے بتلا دیں۔

بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ دونوں قاصد جب واپس گئے تو بنو قریظہ کو بہت خطرناک حالت میں پایا اور خیانت اور قدر کے آثار سامنے کھلے ہوئے محسوس کر لئے اور ان کے سردار کعب سے بڑی بری باتیں سنیں

بجاس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی بھی کی اور کہا: کہ اللہ کے رسول کون ہیں؟ ہمارے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان نہ کوئی معاہدہ ہے نہ عہد و پیمان۔ بات اتنی بڑھ گئی کہ قریب تھا کہ دونوں فریق ایک دوسرے سے لڑ پڑیں مگر یہ کہ حضرت سعد بن معاذ نے اپنے ساتھی کو یہ کہہ کر واپس پلٹنے پر آمادہ کر لیا، ہمارے اور ان کے درمیان معاملہ اس سے زیادہ بڑھ چکا ہے۔ (مزید کسی بحث مباحثہ کی ضرورت نہیں ہے)

دونوں قاصد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس غمیرے کر آئے اور آپ سے چپکے سے بات چیت کر لی لیکن یہ خبر جلد ہی لٹنے والے مسلمانوں میں شہور ہو گئی بلکہ تمام اہل مدینہ منہ پھیل گئی اور سب پر گھبراہٹ طاری ہو گئی اور وہ یہ سمجھنے لگے کہ اب جبکہ قرینہ والے بھی کافروں کے لشکر سے مل گئے ہیں تو اب خندقوں سے کچھ فائدہ نہ ہو گا اس لئے کہ قرینہ والوں نے اپنے راعے اور قلعے دشمنوں کے لئے کھول دئے ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فی الحال یہ خبر نہ پہنچنے لگے جس کے ذریعہ سے مسلمانوں پر سے ان مختلف کاموں کی جماعتوں کے دباؤ کو کم کیا جاسکے۔ چنانچہ آپ نے ایک قاصد غطفان والوں کے پاس بھیجا اور پیغام دیا کہ اگر وہ جنگ کا ارادہ ترک کر کے پلے جانیں اور کافروں کی ان جماعتوں کا ساتھ چھوڑ دیں تو انہیں مدینہ منورہ کے پھروں کا ایک تہائی دے دیا جائے گا۔

غطفان والوں کا میلان اس مشورہ کی حیثیت ہو گیا اور انہوں نے ابوسنیان سے مخفی طور پر اپنے قاصد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس یہ معاہدہ کرنے کے لئے بھیجے کہ انہیں تہائی کے بدلے پھروں کا نصف دیا جائے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد بن معاذ اور حضرت سعد بن عبادہ کے پاس مشورہ کے لئے آدمی بھیجا تو انہوں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ حکم دیا ہے یا آپ نے یہ تدبیر ہماری خاطر فرمائی ہے؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میں یہ تمہاری وجہ سے کر رہا ہوں تاکہ عرب قبائل جو تم سے جنگ کرنے کے لئے اکٹھا ہو گئے ہیں ان کا بوجھ تم سے کچھ کم کر دیا جائے۔ حضرت سعد نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے آپ کے ذریعہ ہمیں عزت بخشی ہے اس لئے اب ان لوگوں کے لئے ہمارے پاس صرف تلوار ہی ہے۔

غطفان کے پیغام پر یونہی واپس لوٹ گئے اور ان کے اور حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان کوئی بات طے نہ ہو سکی۔

غطفان سے تعلق رکھنے والے ایک صاحب نعیم بن مسعود اندر ہی اندر دل سے تو اسلام لے آئے تھے لیکن انہوں نے اپنے قبیلہ والوں کے سامنے اپنے اسلام لانے کا اظہار نہیں کیا تھا۔ یہ نعیم اپنی قوم اور ابوسنیان سے چھپ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنے اسلام



کا اظہار کیا اور اپنے آپ کو پیش کر کے عرض کیا:

اے اللہ کے رسول! میرے اسلام لانے کا کسی کو بھی علم نہیں ہے اس لئے آپ مجھے جی بات کا حکم دینا چاہیں دے دیں تو جی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اے نیر تم ایک اکیلے آدمی ہو اس لئے ہم سے جتنا دور رہ سکتے ہو رہو اور جہاں کہتے رہو وہیں کوئی ملامت نہیں کی جائے گی۔ چنانچہ نعیم دہاں سے چلے گئے اور کسی ایسی تدبیر حیلہ کی سرچ میں پڑ گئے جس کے ذریعہ سے ان مختلف لشکروں کو دھوکہ دے سکیں اور ان میں مچوٹ ڈال دیں۔

کافروں کے لشکروں میں نشاط پیدا ہو چکا تھا اور قرینک والوں کے ساتھ معاہدہ کے بعد ان کے سامنے ان خندقوں کی کوئی حیثیت نہیں رہی تھی جو ان کے اور مسلمانوں کے درمیان عامل تھیں اور اب ان کے سامنے راستہ صاف اور آسان تھا بلکہ خود لشکروں نے اپنے تین تین حصے بنائے تھے اور خندق کا تمام اطراف سے محاصرہ کر لیا تھا لیکن اس کے ذریعہ سے مسلمانوں کو غروب کیا جاسکے اور ان کے لئے تمام راہیں مسدود کر دی جائیں اور ان کے شہسوار صبح وشام مسلمانوں پر بڑبڑا رہتے اور تیر پھینکتے رہتے تھے اور اس دن کے انتظار میں رہتے تھے کہ ان دن وہ اپنے حلیف اور مصیبت سے نجات

دینے والا قبیلہ بنو قریظہ والوں کے ساتھ مل کر مسلمانوں پر غصہ کن حملہ کر دیں۔ اس صورت حال سے مسلمان بے چین ہو گئے اور انہوں نے نہایت جنگ دلی اور گھٹن کی حالت میں دولت گذاری اس لئے کہ انہیں یہودی خندقوں سے زیادہ خوف تھا جو درخند کی جانب سے آنے والے دشمن سے تھا۔ جی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لڑنے والوں کی ایک جماعت کو حکم دیا کہ وہ رات کو مدینہ منورہ کے راستوں اور ٹیلوں میں صبح تک گشت کرتے رہیں تاکہ ایسا نہ ہو کہ یہودی خداری اور خیانت کریں اور ان بچوں اور عورتوں کو نقصان پہنچائیں جو اپنے گھروں اور علاقوں میں اکیلے اور تنہا ہیں۔ یہودی خداری کرنے کے بعد مسلمانوں کے حالات جاننے کی جستجو میں لگے رہتے تھے تاکہ اپنے حملہ کرنے کے لئے راستہ کو منتخب کر سکیں۔ چنانچہ اس مقصد کے لئے یہودیوں کی ایک جماعت نکلی لیکن مسلمان ان کے مذموم مقصد کو سمجھ گئے اور ان سے جنگ کر کے انہیں بھگا دیا۔

مسلمانوں کے شاعر حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے قلعہ کے پاس سے ایک یہودی گذرا اور قلعہ کے ارد گرد چکر لگانے لگا۔ حضرت حسان کے ساتھ عورتوں اور بچوں کی ایک جماعت تھی جن میں جی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی چچی حضرت صفیہ بنت عبدالمطلب رضی اللہ عنہا بھی تھیں۔ انہوں نے جب اس یہودی کو دیکھا تو گھبرا کر حضرت حسان سے کہا:

اے حسان تم دیکھ رہے ہو یہ یہودی قلعہ کے ارد گرد چکر لگا رہا ہے۔  
اور مجھے یہ غم ہے کہ یہ یہودیوں سے ہماری بھڑی کر دے گا اور رسول اللہ  
صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھی یہاں نہیں ہیں اس لئے تم نیچے اتر کلاس  
کو قتل کر ڈالو۔

حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے عبدالمطلب کی بیٹی اللہ  
آپ کی مغفرت کرے، بخدا آپ کو تو معلوم ہی ہے کہ میں اس لائن کا آدمی  
نہیں ہوں۔ حضرت صفیہ کے پاس اور کوئی چارہ کار نہ تھا اس لئے انہوں  
نے خود لوہے کا ایک ستون اٹھایا اور قلعہ سے نیچے اتریں اور اس سے اس  
یہودی کو مار مار کر قتل کر ڈالا۔ پھر جب وہ واپس لوٹیں تو انہوں نے حضرت  
حسان سے کہا: اے حسان جاؤ اور جا کر اس کا سازو سامان اٹھا لو میں خود  
اس لئے نہ لے سکی کہ وہ مرد تھا اور میں ایک عورت ہوں۔ حضرت حسان  
نے کہا: اے عبدالمطلب کی بیٹی مجھے ان کے سازو سامان کی کوئی ضرورت  
نہیں ہے۔

اور اس طرح سے اہل مدینہ یہود کی ہمداری، خیانت اور نفاق کی  
وجہ سے خوف و ڈور کی حالت ہی میں رہے اور اسی وجہ سے بعض جنگ  
کرنے والے مجاہدوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے گھر واپس لوٹنے  
کی اجازت مانگی تاکہ وہاں موجود اپنی عورتوں و بچوں کی حفاظت کر سکیں۔

دوسری طرف منافقین مسلمانوں کو زانیہ اور پھینکتے رہے اور ان کے  
ارادوں کو پھت کرنے اور ان کے دلوں و دماغوں میں خوف و ڈور بٹھانے کی  
کوشش کرتے رہے اور یہ کہنے لگے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تو ہم سے یہ کہا  
کرتے تھے کہ ہمیں کسری اور بیکار کے خزانے میں لگے سکیں آج ہماری حالت  
یہ ہے کہ ہم کھانا صابن کے لئے نکلتے ہوئے بھی اپنی جان جانے کا خوف  
کرتے ہیں۔

کافروں و مشرکین کی جماعتیں کئی دن تک بنو قریظہ کے منظر  
رہیں تاکہ وہ ان کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم، تک پہنچنے کا راستہ کھول دیں  
اور اس عرصہ میں ان کے اور مسلمانوں کے درمیان خندق کے پیچھے سے  
تیر اندازی اور نیزہ بازی ہوتی رہی اور ان کے شہسوار خندق کے کناروں پر  
نہایت تکبر و غرور اور ان کے ساتھ صبح و شام چکر لگاتے رہتے تھے اور ایک  
روز ان کی ایک جماعت نے خندق میں ایک تنگ سی جگہ پانی جہاں پہرہ  
و نگارانی بھی زیادہ سخت نہ تھی، چنانچہ وہ کھرو عزر مہارست گھوڑوں سمیت  
پھلانگ گئے اور خندق اور جبل سلع کے درمیان دوڑنے لگے لیکن فوراً ہی  
حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ مسلمانوں کی ایک جماعت کے ہمراہ  
ان کے مقابلہ پر آگئے اور سرحد کے اس مقام پر ان کو گھیر لیا جہاں سے  
پھلانگ کر وہ لوگ آئے تھے۔

ایک دوسرے کے مقابل آنے والوں میں مکرم بن ابی جہل، صرار بن الخطاب اور عمرو بن عبدود بھی تھا جو میدان کلازاد کے وسط میں مقابلہ کا چیلنج دینے کے لئے پہنچ گیا تھا۔ چنانچہ اس کے مقابلہ کے لئے حضرت علی آگے بڑھے تو عمرو نے ان کو معمولی اور کمزور سمجھتے ہوئے کہا: جیتی تم ایسا کیوں کر رہے ہو میں جہنم قتل کرنا پسند نہیں کرتا ہوں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اسے جواب دیا: لیکن میں تو تمہارے قتل کرنے کا خواہشمند ہوں۔ یہ سن کر عمرو وحییت اور حیرت میں آگیا اور غصہ میں تنوار لے کر حضرت علی پر حملہ کرنے چھٹا، حضرت علی بھی اس پر حملہ آور ہوئے اور ایک دوسرے پر وار کرتے رہے اور تھوڑی سی دیر میں عمرو حضرت علی کی عوار کے دار سے زین پر تڑپنے لگا۔ مسلمانوں نے فوجہ تکبیر بلند کیا اور کھرباواز بلند پڑھا اور عمرو کے دوسرے شرک ساتھی بڑا دم دبا کر بھاگ گئے اور جہاں سے آئے تھے وہیں واپس ہو گئے۔

خندق میں کرنے کی یہ خبر مشرکوں میں پھیل گئی تو بہت سے اور مشرکین نے بھی خندق کو عبور کرنے اور مسلمانوں سے مقابلہ کرنے کی ٹھانی۔ چنانچہ سورج غروب ہونے اور تاریکی پھیلنے کے بعد ایک اور جماعت آئی اس جماعت کے ہر فرد دستہ میں نو فیل بن عبد اللہ بن مغیرہ تھا۔ اس نے خندق کو عبور کرنے کے لئے اپنے گھوڑے کو ایڑھ لگائی وہ بھی خندق

بھلا گئے بھی نہیں پایا تھا کہ گر گیا اور فیل کی گردن ٹوٹ گئی۔ یہ منظر دیکھ کر اس کے ساتھی وحشت زدہ ہو گئے اور وہ اس پر لے۔ ابرہہ نے مسلمانوں سے اس کی لاشیں دیت یعنی سوا فیلوں کے بدلے واپس مانگی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ہمیں اس کی دیت کی ضرورت نہیں ہے قرآن میں لے لے جاسکتے ہو اس لئے کہ یہ گندی لاش ہے جس کی دیت بھی گندی ہے۔

چنانچہ مشرکین نے اپنے مقتول کی لاش لے لی اور واپس ہو گئے لیکن وہ اس کے بعد بھی خندق عبور کرنے کے ارادے سے باز نہیں آئے بلکہ دن رات اس کو بھلا گئے کی تدبیر میں لگے رہے اور منظم جماعتوں کی شکل میں خندق کے ارد گرد دھرتے رہے اور جب ایک جماعت آرام کرنے چلی جاتی تھی تو دوسری اس کی جگہ آ جاتی تھی۔

اور اس طرح سے مسلمانوں پر کئی سیاہ و تاریک ایسی راتیں گزریں جن میں عورتیں اپنے گھروں پر آرام سے نہ لیٹ سکیں اور نہ بچے آنکھیں جھپکا کر سو سکے۔ ایسی صورت میں بھلا ان مردوں کا کیا حال ہو گا جو حملہ کو روکنے کے لئے اور حصار کو مضبوط کرنے کے لئے موت کی آنکھوں میں آنکھیں کاڑے کھڑے تھے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس نازک گھڑی میں جس میں یہودیوں اور

مشرکوں نے مسلمانوں کا ماصرو کیا ہوا تھا اپنے قلب دروج کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ تھے اور دشمنوں کی غلاف مسلمانوں کی نصرت و مدد کے طلبگار تھے اور ماصرو کے تنگ ہونے پر خدا سے صبر اور اسلام کی فتح کے لئے نصرت کے سائل تھے۔

اس فیصلہ کن گھڑی میں جس میں موت نے اس مدینہ منورہ کو ہر طرف سے گھرا ہوا تھا جہاں مسلمانوں نے پناہ حاصل کی تھی اور دشمن مسلمانوں پر فیصلہ کن حملہ کرنے کے لئے ان کی ذرا سی غفلت کا منظر تھا اور خندق کے کسی ذرا سے گزرا اور غیر محفوظ کنا سے کی تلاش میں تھا کہ اسے پھلانگ کر مسلمانوں پر حملہ آور ہو سکے۔ اس نازک و فیصلہ کن گھڑی میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان سرحدوں میں سے ایک سرحد کی بذات خود بندش نفس کوئی نہ تھے تھے اور اس کی حفاظت کے لئے لمان تانے کھڑے تھے اور ان کی ضرورت کے لئے اگر ذرہ دیر کے لئے بھی کہیں جانا ہوتا تو اپنی جنگی اور کوششیں کر جاتے تھے اور پھر جلد ہی دوبارہ اس جگہ واپس آ جاتے اور اس کی حفاظت شروع کر دیتے تاکہ آپ کے ان صحابہ کرام صلی اللہ علیہ وسلم کی دلچسپی اور ہمت بلند رہے جو آپ کی اتباع میں مدینہ منورہ کی حفاظت کر رہے تھے اور اپنی زبردست نگرانی اور بے مثال شجاعت و وحدت کی وجہ سے دشمن کو حملہ آور ہونے کا قطعاً کوئی موقع نہ دے رہے تھے۔

یہ ایک ایسی گھڑی تھی جس میں محاذوں کے مختلف ہونے کی وجہ سے ان کی طاقت تقسیم ہو گئی تھی۔ ایک نماز تو اس دشمن کا تھا جو عظیم الشان لشکر کو لے کر خندق کی جانب سے مدد آور ہو گیا تھا اور ایک نماز اس خدا دار دشمن کا تھا جو انہیں پیچھے سے نیزے مارنے اور ان پر حملہ کرنے کی کوشش میں تھا اور وہ کائنات جو قرآن حکیم کے یہودی تھے۔

میسے سے شام ہو جاتی اور مسلمان اپنے اپنے محاذ و مقام پر تعب و تکان اور بھوک پیاس کے باوجود ویسے ہی ثابت قدم رہتے اور کوئی شخص بھی نہ اپنی جگہ سے ہٹا نہ اپنی جگہ کو خالی چھوڑتا، اس لئے کہ مشرکین کے لشکر خندق کے کنارے کھڑے ہو کر اپنے شہسواروں کے لئے راستہ بنانے کے لئے مستقل تیر اندازی کرتے رہتے تھے۔

اس نیزہ بازی اور تیر اندازی کی وجہ سے کئی مشرک مارے گئے اور کئی مسلمان شہید ہوئے اور دونوں جماعتوں کے بہت سے آدمی زخمی بھی ہوئے جن میں حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ بھی تھے جن کے بازو میں ایک تیر لگا جس سے ایک رگ کٹ گئی اور اس سے خون بہنے لگا تو انہوں نے آسمان کی طرف منہ کر کے گرو گڑا کر دعا مانگی کہ :

اے اللہ اگر فرشتے جنگ کا کچھ حصہ ابھی باقی ہے تو مجھے بھی اس وقت تک کے لئے زندہ رکھ، اس لئے کہ مجھے بھی قوم ہے جہاد کا اس قوم سے جہاد

کرنے کی نسبت زیادہ محبوب نہیں جس قوم نے آپ کے رسول کو ایذا پہنچائی اس کی تکذیب کی اور انہیں اپنے شہر سے نکال دیا اور اسے اللہ اگر آپ نے ہماری اور ان کی جنگ بند کرا دی ہے تو مجھے شہادت نصیب فرما اور مجھے اس وقت تک دنیا سے نہ اٹھا جب تک بنو قریظہ کو سزا نہ مل جائے اور اسے دیکھ کر میری آنکھیں ٹھنڈی نہ ہو جائیں۔

اے حضرت سعد اللہ تعالیٰ آپ کو خوش رکھے اور اسے توفیق کے نثار غافل یہودیوں سے لے کر ہلاکت اور تم پر خدا کی مہربانی اس لئے کہ اگر ان یہودیوں کی جانب سے خیانت اور غارتگری نہ ہوتی تو کافروں کی جماعت کی کمر مضبوط نہ ہوتی اور نہ وہ مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے اس ہمدردی سے ثابت قدم رہتے اور نہ ان کے گرد محاصرہ کو تنگ کرتے اور نہ ان کے وقت کے انتظار میں اپنی پوری قوت صرف نہ کرتے۔

ابھی مسلمان اس پیش آمدہ پریشانی میں گرفتار تھے ابھی اور انھیں در ماندہ اور کلیجہ منہ کو آہی رہا تھا اور منافقین اپنی ناراضگی اور ناپسندیدگی کے اظہار سے باز نہیں آ رہے تھے اور یہ کہہ رہے تھے کہ ہمیں اللہ اور اس کے رسول نے دھوکہ دیا ہے ابھی یہ جو یہی رہا تھا کہ اچانک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حجرہ مبارک پر خوشی و سرور اور خوشخبری کے آثار ظاہر ہونے لگے اور آپ کی آنکھوں میں قریبی فتح پر اطمینان کے آثار نظر آنے لگے اس صورتحال

میں آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے لئے اس بات کی دعوت محکم کر دہ آپ کی خوشی کو دیکھ کر خوشخبری حاصل کر لیں اور وہ لوگ اس بات کو سمجھ گئے تھے کہ اس کے پیچھے اللہ کی نشان دہیوں میں سے کسی نشان کی کاٹھ ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت نعیم بن مسعود رضی اللہ عنہ کو یہ اختیار دے دیا تھا کہ وہ یہودیوں کی کثرت پرست کرنے کے لئے جو صورت مناسب لگیں اسے اختیار کر لیں۔ چنانچہ حضرت نعیم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے رخصت ہو کر کسی ایسی شکل کے بارے میں سوچنے لگے جسے اختیار کیا جائے اور ان کو اس غرض کے لئے اس سے اچھی کوئی اور ترکیب سمجھ میں نہ آئی کہ مسلمانوں سے لڑنے والے دونوں فریقوں کے درمیان پھوٹ ڈال کر جنگ کرا دی جائے۔

چنانچہ حضرت نعیم فوراً بنو قریظہ کے یہودیوں کے پاس گئے۔ بنو قریظہ والے ان کو بخوبی جانتے تھے اور ان کے ساتھ اٹھتے بیٹھتے رہتے تھے، لہذا انہوں نے نہایت پر تپاک طریقہ سے ان کا استقبال کیا اور ان کو خوش آمدید کہا: جب یہ ان کے سرداروں اور بڑے حضرات کے ساتھ کچھ دیر بیٹھ چکے تو انہوں نے اپنی مقصد کی بات شروع کر دی اور کہا: اے بنو قریظہ والو! ہمیں معلوم ہے کہ مجھے تم سے کتنا تعلق ہے اور ہم دونوں ایک دوسرے سے کتنی محبت کرتے ہیں، انہوں نے جواب دیا کہ: آپ نے ہاں تک کہہا اور ہمیں آپ پر کسی قسم کا شک و شبہ نہیں ہے۔

انہوں نے کہا، تم لوگوں نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے جنگ کرنے کے لئے قریش اور غطفان والوں سے معاہدہ کیا ہے اور اگر تم ان پر فتیاب ہو گئے تو تم اور وہ دونوں ایک دوسرے کے شریک ہو گے اور اگر تم آگ شکت کھا گئے تو وہ تو اپنے گھروں کو واپس ہو جائیں گے اور تمہارے اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے درمیان جنگ کا کھلا میدان چھوڑ جائیں گے اور تمہیں یہ معلوم ہی ہے کہ تمہارے مکانات ان کے شہر میں ہیں، تمہارے اموال ان کی دسترس میں ہیں، لہذا ایسی صورت میں تمہارا شہر بنو قریظہ اور بنو نضیر سے زیادہ بدتر ہو گا۔

بنو قریظہ کے سرداروں نے ان سے پوچھا اے ابن مسود پھر یہ کیا کرنا چاہیے؟ تو انہوں نے کہا میرا خیال یہ ہے کہ تم ان لوگوں کے ساتھ جنگ میں اس وقت تک شریک نہ ہو جب تک کہ لازمی کے طور پر ان کے کچھ معزز آدمیوں کو تم اپنے پاس بطور رہن ہر ذرہ کو جو اس بات کی ضمانت ہو کہ وہ لوگ اس وقت تک جنگ کرتے رہیں گے جب تک محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ختم نہ کر ڈالیں، بنو قریظہ نے کہا، اے نعیم آپ کے رائے بہت عمدہ ہے اور ہم اسی پر عمل کریں گے۔

بنو قریظہ کو حضرت نعیم نے یہ وصیت کی کہ وہ اس بات کو بالکل مخفی رکھیں اور ان سے یہ وعدہ لے کہ حضرت نعیم بنو قریظہ کے پاس سے رخصت

ہو کر اوسفیان اور دیگر اہل قریش کے پاس گئے اور ان سے کہا، اے قریش کی جماعت! تمہیں معلوم ہے کہ مجھے تم سے کتنی محبت ہے اور مجھے ایک اطلاع ملی تھی اسی لئے میں نے ضروری سمجھا کہ تم تک وہ خبر پہنچا دوں تاکہ تم لوگ بروشا ہو جاؤ۔ انہوں نے بوجھا، وہ کیا بات ہے؟

انہوں نے کہا، مجھے یہ اطلاع ملی کہ بنو قریظہ نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ گئے ہوئے وعدہ کو جو توڑا ہے اس پر وہ شدید نادم ہیں اور انہوں نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو یہ پیغام بھیجا ہے کہ وہ ان سے اس شرط پر راضی ہو جائیں کہ وہ ان کے پاس اس کے عوض قریش اور غطفان کے معزین میں سے کچھ آدمی بھیج دیں تاکہ انہیں قتل کر دیا جائے۔ اس لئے یہ بات یاد رکھنا کہ اگر بنو قریظہ والے تم سے یہ مطالبہ کریں کہ تم اپنے کچھ آدمی ان کے پاس بطور رہن رکھو اور تواریس ہرگز نہ کرنا اور اپنا کوئی آدمی ان کے پاس بطور رہن نہ رکھنا، قریش نے ان کو بہت شکریہ ادا کیا اور یہاں سے حضرت نعیم غطفان والوں کے پاس گئے اور جو بات قریش سے کہی تھی وہی بات ان کو بھی بتلا دی۔

حضرت نعیم کی اس بات کا قریش اور غطفان پر بہت گہرا اثر پڑا اور بنو قریظہ کی طرف سے جو اطلاع ملی تھی ان کے بارے میں ان کے کرتا و حرکت مشہور کرنے کے لئے جمع ہو گئے اور کافی دیر مشورہ اور بحث و مباحثہ کے بعد

یسے پایا کہ بنو قریظہ کے پاس پیغام بھیجا جائے اور ان سے مطالبہ کیا جائے کہ وہ لوگ حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) سے جنگ کرنے کے لئے فوری طور سے ان کے ساتھ آ کر مل جائیں اس لئے کہ اب ہم لوگ اس جگہ اس سے زیادہ ٹھہرنے کی طاقت نہیں رکھتے ہیں۔

اس پیغام کو پہنچانے کے لئے ان لوگوں نے دونوں قبیلوں کے کچھ آدمیوں کے ایک وفد کو منتخب کیا۔ وفد ان سے جا کر ملا تو انہوں نے کہا: کل قریظہ کا دن ہے اور اس دن ہم جنگ نہیں کر سکتے اس لئے کوئی اور دن متعین کر لو لیکن شرط یہ ہوگی کہ ہم تمہارے ساتھ مل کر اس وقت تک جنگ نہیں کریں گے جب تک تم لوگ اپنے کچھ آدمی ہمارے پاس بطور رہن دے رکھ دو تاکہ ہمیں یہ اطمینان رہے کہ اگر جنگ میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا پلہ بھاری رد و قوت ہوگا ہمیں چھوڑ کر نہیں بھاگ گئے۔

یہ بات سن کر قریش اور غطفان دونوں کی ہلاکتیں ہو گئیں کہ انہیں نے بالکل ٹھیک کہا تھا اور یہ کہ بنو قریظہ وائے یہاں بنا کر لڑنے سے کندہ کھی کر رہے ہیں جس کا مقصد یہ ہے کہ انہیں کچھ آدمی بطور رہن دے دئے جائیں جن کو وہ لوگ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو راضی و خوش کرنے کے لئے پیش کرنا چاہتے ہیں اس بات سے کافروں کی ان جماعتوں کی جنت اور پست ہو گئی اور عزم کمزور پڑ گئے۔

یہ دن بھی اور وفوں کی طرح گذر گیا۔ رات کو نہایت شدید آندھی آئی اور اس کے ساتھ نہایت زوردار موسلا دھار بارش شروع ہو گئی اور پھر اور تیز آندھی بھی آئی اور بارشیں کی تیزی میں بھی اضافہ ہو گیا۔ چنانچہ مشرک اپنے غیموں اور چنہاں گاہوں کی طرف دوڑے تاکہ آندھی کی شدت اور تیزی سے اپنے آپ کو بچا سکیں لیکن آندھی نے ان کے ساتھ کوئی نرمی نہ برتی اور وہ اور تیز رہی ہوئی رہی اور اس کی آواز اور غوغاںک ہوتی رہی اور اس کے ساتھ سحر اور ریت اور کنکر بھی اڑتے رہے یہاں تک کہ ان کے غیموں کی بلیں اکھڑ گئیں، رسیاں ٹوٹ گئیں اور ٹنڈیاں پلٹ گئیں اور سلاز و سامان بکھر گیا اور ریت کے آنکھوں میں بھر جانے کی وجہ سے وہ ایک دوسرے کو دھتوں کے سس سے تلاش کرنے لگے اور آندھی اور ہواؤں کی آواز کے ساتھ ساتھ ان کی آواز میں بھی بلند ہونے لگیں:

پنج نعلے کی کوشش کرو، چھٹا لا حاصل کرنے کی کوشش کرو، اور ابوسفیان کی آواز سنائی دی جو کہہ رہا تھا: اسے قریش کی جماعت بھدا تم لوگ ایسی جگہ پر نہیں ہر جہاں ٹھہرا چکے، اونٹ اور چرو پانے ہلاک ہو گئے اور بنو قریظہ نے ہم سے وعدہ تلافی کی اور ان کی جانب سے ہمیں ناپسندیدہ خبر ملی اور اب آندھی سے ہمارا جو نقصان ہوا ہے وہ تمہارے سامنے ہے ہی اس لئے اب تم لوگ کوچ کر چلو میں جا رہا ہوں، اور یہ کہہ کر ابوسفیان

جلدی سے اپنی اونٹنی پر سوار ہو گیا اور اس کی قوم نے بھی اس کی پیروی کی اور کوچ کر گئے۔

مہینہ کا وہ دن طلوع ہوا جو دن کافروں کے لشکروں اور بتوریلہ کے درمیان مسلمانوں پر حملہ کرنے کے اور مدینہ منورہ پر چڑھائی کے لئے طے ہونے والا تھا، لیکن ان کافروں کے پڑاؤ کی جگہ خالی اور دیران پڑی تھی اور ہواؤں اور آندھی نے ان کے تمام آثار و نشانات مٹا ڈالے تھے، اور قریش کے پیچھے پیچھے غطفان قاعے بھی جا چکے تھے، اور اللہ تعالیٰ نے کافروں کے غیظ و غضب اور مکر و تدبیر کو واپس انہیں کی طرف لوٹا دیا اور انہیں کچھ بھی حاصل نہ ہو سکا اور اسی طرح سے اللہ تعالیٰ نے منہجین کو جنگ سے بچا لیا اور بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اپنے گھروں کو یہ فرما کر واپس ہونے کی اجازت دے دی کہ: اس سال کے بعد قریش تم سے جنگ کرنے کی ہمت نہ کر سکیں گے بلکہ اب تم ان سے جنگ کرو گے۔

دوسرے دن مدینہ منورہ میں بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اعلان کرنے والے نے یہ اعلان کیا: جو شخص سن رہا ہو اور اطاعت کرنے والا ہو تو اس کو ہاں بیٹے کر وہ عصر بتوریلہ پہنچ کر پڑے۔

مسلمان باوجود تحفے مانگے ہونے کے خوشی خوشی بتوریلہ کی

جانب روانہ ہو گئے، اس لئے کہ خوشی نے ان کے ہر قبضہ کو ختم کر دیا تھا اور سرور نے ان میں نشاط پیدا کر دیا تھا اور اب ان کے لئے یہ وقت قریب آ گیا تھا کہ وہ بتوریلہ کو وہ شکست دے دیں جو بتوریلہ ان مسلمانوں کو کافروں کی ہمت کے ساتھ مل کر پہنچا چاہتے تھے۔

ہمراہ اپنے غلبہ میں بند ہو گئے اور یہود کے محاصرہ پر کئی دن گذر گئے اور اس محاصرہ کی شدت سے وہ جاکت کے قریب پہنچ گئے تو انہوں نے باہمی مشورہ کیا کہ اب کیا کرنا چاہیے تو ان کے سربراہ کعب بن اسد نے انہیں یہ مشورہ دیا کہ وہ اسلام قبول کر کے ان کی پیروی اور اتباع کر لیں تاکہ جان بچی جائے اور مال بھی، لیکن انہوں نے اس رائے کو نہ مانا اور یہ کہا کہ: ہم توراہ سے کبھی جدا نہیں ہو سکتے اور نہ اس کے بدلے کسی اور کتاب کو اختیار کریں گے۔

تو ان کے سربراہ نے انہیں یہ مشورہ دیا کہ وہ اپنی عورتوں اور بچوں کو قتل کر ڈالیں اور پھر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کے ساتھیوں سے جنگ کے لئے تحواریں لے کر نکل پڑیں، پھر اگر وہ مر گئے تو ان کے پیچھے کوئی بھی نہ ہو گا اور اگر زندہ رہے تو اور عورتوں سے شادی کر لیں گے اور بچے پیدا کر لیں گے، لیکن یہود کو یہ رائے بھی پسند نہ آئی اور انہوں نے اس پر تنقید کرتے ہوئے کہا: کیا ان مساکین اور بے قصوروں کو تم قتل کر ڈالیں



ان کے مرنے کے بعد ہماری زندگی کا کیا فائدہ، کافی مشورہ اور غور و خوض کے بعد انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس یہ پیغام بھیجا کہ انہیں بنو قینقاع اور بنو نضیر کی طرح شام کے مقام اذرعات کی جانب جانے کی اجازت دے دی جائے۔

لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی اس رائے کو رد کر دیا اور یہ فیصلہ فرمایا کہ ان کے بارے میں ان کے معاہدین و معلقہ میں سے اوس کا ایک آدمی فیصلہ کرے جس کے فیصلہ کو وہ پسند کرتے ہوں، پڑوسی اور شائستہ اعمال سے انہوں نے اس فیصلہ کے لئے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کا انتخاب کیا۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے یہ فیصلہ کیا کہ مردوں کو قتل کر دیا جائے اور عورتوں اور بچوں کو قیدی بنالیا جائے اور ان کی جائیداد اور اموال کو تقسیم کر دیا جائے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت سعد کے اس فیصلہ کو سنا تو فرمایا: اے سعد تم نے وہی فیصلہ لیا جو خدا کا فیصلہ تھا۔ مدینہ منورہ کے بازار میں خندقوں کو دودی گھیس اور دھواں جماعت کی شکل میں پہنچا دیا اور ان کی گردن اڑا کر ان کو خندقوں میں ڈال دیا گیا۔ ان خندقوں کی پہلی جماعت میں نبی بنی اخطب بھی تھا۔ اس فیصلہ کے کچھ دن بعد حضرت سعد کا اس زخم کی وجہ سے انتقال ہو گیا جو

انہیں تیر کی وجہ سے لگا تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کی متناظری کر دی تھی اور ان بنو قریظہ کے سلسلہ میں اللہ تعالیٰ نے ان کی آنکھیں بند کر دیں تھیں جن کی خدا کی وجہ سے مسلمانوں کی ہلاکت قریب آ پہنچی تھی اگر بالفرض خدا کی نصرت و مہربانی مدد اور خدا کی فرج سے مسلمانوں کی امداد نہ ہوتی تو مسلمان ہلاک ہو جاتے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی نصرت و مدد کو اس طرح بیان فرمایا ہے۔

لَا يَأْتِيَنَّ الَّذِينَ آمَنُوا أَذْكُورًا  
نِعْمَةً اللَّهُ عَلَيْكُمْ إِذْ جَاءَكُمْ  
مُجْنُودًا فَارْسَلْنَا عَلَيْهِمْ  
رِيحًا وَجُنُودًا لَمْ تَرَوْهَا  
وَكَانَ اللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ  
بَصِيرًا ۝۱۱

(الاحزاب - ۹)



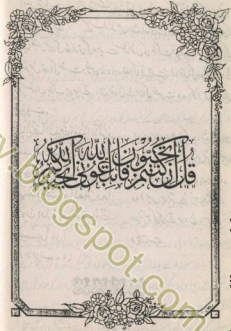
## ادب و پاک دینی

۴۹۲

۱۷

وَيَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرَبُوا مَالَ الْوَسْطَىٰ  
 قَدْ خُفِيَ عَلَيْكُمُ الْفَسَادُ  
 أَنْ يَبْذُلَ دَوْلَتُهُ إِلَىٰ طَعَامِ  
 غَيْرِ الْفَاطِمِيِّينَ إِنَّمَا هُوَ ذَلِكُنْ إِذَا  
 دُعِيتُمْ فَأَدْخُلُوا إِنَّمَا هُوَ  
 طَعْمُكُمْ فَانْتَشِرُوا وَلَا  
 مُتَأَنِّسِينَ لِحَدِيثٍ إِنَّ  
 ذَلِكُمْ كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ  
 فَيَسْتَعْجِلُ مِنْكُمْ وَاللَّهُ لَا  
 يَسْعَىٰ مِنَ الْحَقِّ وَلَا إِذْ سَأَلْتُمُوهُ  
 مَسَافِقًا إِنَّا وَنُوحُونَ مِنْ ذُرِّي  
 جِبَابٍ ذَلِكُمْ أَطْهَرُ لِقَوْلِكُمْ  
 ذَلِكُمْ مِثْرٌ ۝ (الحزاب - ۵۳)

اسے ایمان والوں کو مالا مال نہ کرنا  
 میں مولا جو تم کو حکم ہر کھانے کے واسطے  
 ذرا دیکھنے والے اس کے پکے نہ  
 لیکن جب تم کو بلا یا بلے تب جاؤ  
 پھر جب کھا چکو تو خود بخود چلے جاؤ اور  
 جی لگا کر آپ میں باتیں کرنے نہ بیٹھو  
 تمہاری اس بات سے نبی کو تکلیف پہنچتی  
 ہے اور وہ تم سے شرم کرتا ہے اور اللہ  
 شرم نہیں کرتا طیب بات بتانے میں  
 اور جب مانگے جاؤ یہیوں سے کچھ چڑھنا  
 کہ تو مانگ لو روکے پیچھے سے اس میں غش  
 سہرا ہے تمہارے دلوں کے لئے  
 مجھ اور ان کے دلوں کے لئے بھی۔



toobaa-elibrary.blogspot.com

toobaa-elibrary.blogspot.com

کھانا کھا کر بعض حضرات تو واپس چلے گئے اور بعض حضرات وہیں بیٹھے قہقہہ لگاتے  
میں مشغول رہے اور باتیں کرتے رہے اور کافی دیر تک باتوں میں مشغول رہے  
یہاں تک کہ ان کے مجلس کے طرف سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تھک گئے  
اور اس بات کا انتظار کرتے تھے کہ وہ باتیں ختم کر کے گھر سے چلے جائیں لیکن  
وہ بیٹھے باتیں کرتے ہی رہے اور انہوں نے نہ کھڑے ہونے کا ارادہ کیا اور  
نہ واپس جانے کا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے اٹھ کر اپنی لبض ازواج مطہرات  
کے یہاں تشریف لے گئے اور ان سے خیر خیریت معلوم کی اور پھر واپس تشریف  
لائے تو دیکھا کہ بعض مدعوین اب تک بیٹھے ہوئے ہیں۔ یہ دیکھ کر نبی کریم صلی اللہ  
علیہ وسلم کو سخت تکلیف ہوئی اور دل کو دکھ ہوا لیکن آپ کی نرم مزاجی اور  
شدت حیا نے آپ کو پھر بھی اپنے مہمانوں سے کسی بات کا اظہار نہ کرنے  
دیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ازواج مطہرات کے کمرؤں کی طرف  
تشریف لے گئے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف فرما ہو گئے  
یہ دیکھ کر ان حضرات نے محسوس کر لیا کہ وہ مجلس طویل کر کے نبی کریم صلی اللہ  
علیہ وسلم کی طبیعت پر بوجھ کا سبب بنے ہیں۔ چنانچہ وہ فوراً وہاں سے  
اٹھ کر چلے گئے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ

ان آیات کریمہ کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو یہ حکم دیا کہ وہ  
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر بلادعت نہ جائیں یا یہ کہ اگر ان کو کھانے کے  
لئے اجازت دی جائے تو پھر جب وہ اس سے خارج ہو جائیں جس کے لئے  
انہیں بلا یا گیا ہے اور ان کو واپسی کی اجازت ہو جائے تو ان کو اپنے مقام  
کی طرف واپس ہو جانا چاہیئے۔

اور اس طرح سے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو  
اس پریشانی سے بچا لیا جو آپ کو اس وقت پیش آیا کرتی تھی جب مسلمانوں  
کو کھانے کی دعوت دی جائے یا کسی شکل مسائل کے حل کے لئے یا کسی چیز  
ضرورت کے موقع پر آپ کے گھر آتے اور زیادہ دیر بیٹھے رہتے اور اللہ تعالیٰ  
نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ آیات کریمہ ایسے وقت میں نازل فرمائی  
تھیں جب آپ سخت تنگ ہو چکے تھے اور آپ کی شدت حیا اس بات  
سے مانع تھی کہ آپ مسلمانوں کے سامنے اس چیز کا اظہار کریں جس سے آپ کو  
تکلیف پہنچتی تھی، یا یہ کہ اپنے پاس گھر جانے والے مسلمانوں سے مراد وہ  
بات کہہ دیں جو آپ کے دل سے تھی۔

بات دراصل یہ تھی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کی جماعتوں  
کو کسی بنا پر دعوت دی تھی چنانچہ گھر پر مدعو حضرات کھانا  
کھانے کے لئے آتے رہے اور اس طرح سب اس کھانے میں شریک ہوئے

نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس تنگ ہونے کو محسوس کر لیا تھا اس لئے جب یہ حضرات چلے گئے تو حضرت انسؓ فوراً حضرت عائشہؓ کے گھر گئے تاکہ لوگوں کے چلے جانے کا اطلاع آپ کو دے دیں، تو کیا دیکھا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم گھر کے دروازے سے مندرجہ بالا آیات تلاوت کرتے ہوئے قریش لاسے ہیں جو آپ پر اللہ تعالیٰ نے اس وقت نازل فرمائی تھیں۔

حضرت انسؓ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی آمد کی خبر بتلائی چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ماتحتیاً رکھا کہ حضرت انسؓ اور گھروالوں کے گھر کے درمیان کا پردہ گرا دیا اور اس طرح سے حجاب کی ابتداء اور مشروعیت ہوئی اور عورتیں مردوں سے پردہ کرنے لگیں۔

ان آیات اور ان کے علاوہ دیگر آیات کے دراجع اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمائی تھیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کی عورتوں پر پردہ فرض کر دیا گیا اور تمام عورتوں پر یہ فرض کر دیا کہ وہ اپنی زینت و محاسن کو اپنے شوہروں اور عزیزوں کے کسی اور کے سامنے ظاہر نہ کریں اور ان کی عزت و کرامت کی حفاظت اور دلوں کی پاکیزگی کی بقا و حفاظت کے لئے انہیں یہ حکم دیا گیا کہ وہ بن سدرہ کرا اس طرح سے ماہرہ نکلیں جس طرح پہلے جاہلیت کے دور میں نکلا کرتی تھیں۔

اور اس پردہ کے ذریعہ جو اللہ تعالیٰ نے مرد و عورت کے درمیان فرض کیا مسلمانوں کی اجتماعی و معاشرتی زندگی میں بہت سی نئی سستیاں جاری کر دی گئیں اور اس پردہ کے ذریعہ مسلمان مرد و عورت کے درمیان احترام کی ایک خاص قسم پیدا کر دی گئی اور ان کے درمیان معاملات میں خاص قسم کی شرط و شرط دیکھ کر ہی نہیں۔

اس حکم کے بعد اب مسلمان نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر یا تو آپ کی اجازت سے جاتے یا مدعو ہوتے تو جاتے اور جب اس کام سے ناراض ہو جاتے جس کے لئے گئے تھے تو فوراً وہاں سے رخصت ہو جاتے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مکان کو قفسہ گزرتی اور بات چیت کی جگہ نہ بناتے۔ اور اس موقع پر جب کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں پر کامل نفوس کی بارسش کی ہوئی تھی اور اس مرحلہ پر جب کہ مسلمانوں کو اپنے دشمن کفار قریش پر فتح حاصل ہوئی تھی اور ان کو بتوڑیلہ کے ان یہودیوں سے نجات مل گئی تھی جنہوں نے ان کے ساتھ خداری کی تھی۔ اس موقع پر مسلمانوں نے راحت و اطمینان کا سانس لیا اور اپنی نفوس میں اطمینان و سکون کو محسوس کیا اور اس کا واضح اثر ان کی زندگی پر ظاہر ہونے لگا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بتوڑیلہ کے احوال میں سے فقراء و مساکین اور مسافروں کے لئے نفوس پر پانچواں حصہ نکال کر باقی حصہ مسلمانوں پر تقسیم

کر دیا تھا اور اسی طرح ان کی عورتوں اور بیٹوں کو بھی غلام و باندی کے طور پر  
تقسیم فرمایا تھا اور قیدیوں کی ایک جماعت کو بند بچھ کر ان کے بدلے میں  
گھوڑے اور چھتیا خرید لئے اور اس طرح سے مسلمانوں کی طاقت و قوت میں  
اضافہ ہوا اور وہ اور زیادہ محفوظ ہو گئے اور اس طرح سے مسلمانوں کو سکون  
نصیب ہوا اور اللہ کی نعمتوں کی وجہ سے ان کے لغوس کو راحت ملی۔

بنو قریظہ کے قیدیوں میں سے ریحانہ نامی باندی نبی کریم صلی اللہ علیہ  
وسلم کے حصے میں آئی تو آپ نے اسے اسلام قبول کرنے کی دعوت دی اور اس  
سے کہا کہ اگر وہ اسلام لے آئے تو آپ اسے آزاد کر کے اس سے نکاح  
کر لیں گے اور اس طرح سے وہ بھانے باندی بننے کے ام المومنین کا درجہ  
حاصل کرنے لگی لیکن اس نے اس بات کے قبول کرنے سے انکار کر دیا اور  
یہودی رہنے پر اصرار کیا اور اس طرح سے اس نے آزادی حاصل کر کے  
نکاح میں آئے سے یہ کہہ کر اعراض کر دی کہ آپ مجھے اپنی ملک میں رکھیں یہ میرے  
لئے اور آپ کے لئے دونوں کے لئے عہدہ انسان ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اس کی مرضی پر چھوڑ دیا اگرچہ آپ  
کو دل ہی دل میں اس پر غصہ ہی تھا اور اس کی بات سے آپ کو سخت دکھ  
ہو رہا تھا مگر وہ دن بعد ریحانہ اسلام لے آئی جس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ  
وسلم کو بہت خوشی ہوئی۔

اس عرصہ اور مدت میں جس میں مسلمان حبشہ منصفہ میں امن کے  
سایہ میں زندگی گزار رہے تھے اور راحت و سکون ان کو حاصل تھا، اس  
موقعہ پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس ملک میں مشغول تھے کہ ایسے اسباب  
انتیار کئے جائیں جن سے مسلمانوں کا یہ امن باقی رہے اور یہ راحت ان کو  
مستقل حاصل رہے اور اسلام اور مسلمانوں کے مستقبل کے لئے جن چیزوں  
کی ضرورت تھی آپ ان کی تلاش میں تھے اور دعوت اسلام کے پھیلنے  
اور زیادہ سے زیادہ تعداد میں مشرکین کو ایمان کی دعوت دینے اور راہ راست  
کرانے کے لئے جو راستہ اختیار کرنا چاہیے آپ اس کی جستجو میں تھے۔

اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کو بھی نہیں بھلایا تھا کہ  
ان قبیلہ والوں سے ہوشیار رہنا چاہیے جن کے ساتھ معاہدہ نہیں کیا گیا  
تھا یا جن کے ساتھ معاہدہ نامہ نہیں لکھا گیا تھا اور آپ ان قبیلوں کی طرف سے  
بھی غافل نہ تھے جو ہمدانی کرچکے تھے یا جن سے خیانت کی بو آتی تھی، چنانچہ اس  
مقصد کے لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے قاصدوں اور جاسوسوں کو  
ادھر ادھر بھیجا کرتے تھے تاکہ وہ جن قدر بھی خبریں حاصل کر سکیں وہ آپ کے  
پہنچنے آئیں تاکہ ان کی مدد سے آپ مناسب تدابیر اختیار کر لیں اور ان خبروں  
کی روشنی میں جو تدبیر اور جو راستہ اختیار کرنا چاہیے اسے عملی جامہ  
پہنا سکیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جس طریقہ کو اختیار کرتے تھے وہ یہ تھا کہ جس قبیلہ کے بارے میں آپ کو یہ معلوم ہوتا کہ وہ آپ اور مسلمانوں پر حملہ کرنے کی تیاری کر رہے ہیں تو اس سے پہلے کہ وہ حملہ کرے آپ خود اس پر حملہ آور ہو جاتے اور اس طرح جن کو آپ نے امان دیا ہوتا یا اس کے ساتھ نرم برتاؤ کیا ہوا ہوتا اور اس کے بارے میں معلوم ہوتا کہ وہ خیانت کر رہے ہیں یا غداری کر رہے ہیں اس پر بھی آپ فوری حملہ کر دیا کرتے تھے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی نہ بھلا سکے جنہیں آپ نے بعض قبیلے والوں کے پاس قرآن کریم سکھانے اور دین اسلام کی تعلیم دینے اور اسے بچانے کے لئے بھیجا تھا لیکن انہوں نے خدا کی اور ان حضرات کو شہید کر ڈالا۔ اسی لئے جب آپ کو قریش پر فوج حاصل ہو گئی اور آپ نے بنو قریظہ کو غم کر ڈالا جس پہلو پر آپ نے سب سے پہلے سوجنا شروع کیا وہ یہ تھا کہ بنو لیثان کے غلام جہاد کے لئے لیثان چاہتے تھے کہ ان سے ان حضرات کے خون کا بدلہ لے سکیں جنہیں کریم الرحمن کو شہید کر دئے گئے تھے۔ یعنی حضرت عیسیٰ بن عدی اور ان کے دو ساتھی جو اپنی دنا داری کی وجہ سے قربان ہو گئے اور بنو نضیر نے دین کی وجہ سے جام شہادت نوش کیا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مہاجرین کے ساتھ بنو لیثان سے جنگ کے لئے گئے لیکن آپ نے اپنے اس ارادے کو کھل کھلا کر نہیں فرمایا بلکہ دشمن

پر اچانک بے خبری کی حالت میں حملہ کر گئے اس لئے جب اس کے کو آپ جنوب کی جانب واقع بنو لیثان کی آبادی کا مکہ کے قریبی راستے سے قصد کرتے اس کے بھانے آپ مدینہ منورہ سے شمال کی جانب رخ کر کے شام کی طرف روانہ ہوئے اور جب آپ نے یقینی طور سے یہ محسوس کر لیا کہ وہاں کوئی ایسا جاسوس نہیں ہے جو آپ کو دشمن کے کھنسنے اور منزل مقصود پر مطلع ہو سکے تو آپ جنوب کی جانب سے کوئٹہ کی طرف توجہ ہو گئے اور مدینہ منورہ سے دور ہو گئے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تیزی سے چلے یہاں تک کہ آپ غزا مقام بنو لیثان کی آبادی تک پہنچ گئے لیکن آپ نے دیکھا کہ ان کے مکانات پر لگے ہیں ان میں کسی قسم کی نقل و حرکت نہیں، نہ وہاں لوگ ہیں اور نہ کوئی قابل ذکر ساز و سامان اور آپ نے یہ محسوس کر لیا کہ بنو لیثان والوں نے آپ کے آنے کو اس وقت محسوس کر لیا تھا جب آپ ان کے شہر کی طرف اتر رہے تھے اور ان کے جاسوسوں نے آپ کو ان کی طرف آمادہ کچھ کر ان کو اس کی اطلاع کر دی اور وہ لوگ چٹانوں کے درمیان گھاٹیوں میں اپنے سامان سمیت چلے گئے اور اپنی جان بچانے کے لئے پہاڑ کی چوٹیوں کا رخ کر لیا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لشکر کے ساتھ مکہ کے قریب عسفان مقام پر کچھ دنوں کے لئے پڑاؤ ڈالا لیکن جب قریش کا کوئی فرد بھی میدان میں نہیں آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ واپس ہو گئے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ واپسی پر ابھی چند راتیں ہی گزری تھیں کہ مدینہ کے بعض اطراف پر غطفان کے کچھ آدمیوں نے حملہ کر دیا جن کی سربراہی عبیدہ بن حصن کر رہا تھا۔ ان لیٹروں نے اپنے سامنے انٹوں کو چرتے ہوئے دیکھا جن کی رکھوالی ایک مرد اور اس کی بیوی کر رہی تھی، ان لیٹروں نے اس شخص کو قتل کر ڈالا اور اس کی بیوی اور اونٹ اپنے ساتھ لے گئے اور جلدی سے واپس لوٹ گئے اور یہ سمجھے کہ انہیں یہ مال مل گیا ہے اور انہیں کسی نے دیکھا نہیں ہے لیکن یہ محض ان کی غلط فہمی تھی اس لئے کہ اس جگہ کے قریب سے ہی حضرت سلمہ بن عمرو بن الاکوع اسمی کان اور تیر لٹکائے جنگل جانے کے ارادہ سے گذر رہے تھے ان کے پیچھے ان کا غلام ٹھوڑے بار تھا حضرت سلمہ کی نگاہ ان لیٹروں پر پڑ گئی اور انہوں نے دیکھا کہ یہ لوگ عورت کو پیچھے بٹھانے ہوئے اور اونٹوں کو لے کر بھاگے چلے جا رہے ہیں تو انہوں نے بلند آواز سے مدد کے لئے کبکھڑا کر دیا۔ حملہ ہو گیا ہے بھاؤ مدد کرو۔

اور پھر وہ خود ان لیٹروں کو پکڑنے کے لئے ان کے پیچھے دوڑ پڑے اور فراسی دیر میں ان تک پہنچ گئے اور کہاں تاں کہ تیر مارنے گئے۔ حضرت سلمہ کی یہ آواز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچ گئی اور آپ نے مدینہ مدینہ میں خطرہ کا اعلان کر دیا۔ چنانچہ مدینہ منورہ کے شہسوار فوراً ایک دوسرے سے سبقت لے جاتے ہوئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچ گئے۔ آپ نے انہیں

ان لیٹروں کے تعاقب کا حکم دے دیا اور خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کا لشکر لے کر نکل کھڑے ہوئے اور لیٹروں نے خسروادوں سے جاملے جنہوں نے لیٹروں سے پکڑا اونٹ جھڑا لے کر جن میں سے ایک اذنی پر وہ مسلمان عورت بھی سوار تھی جسے یہ لیٹر سے اخراج کر کے لے جا رہے تھے لیکن لیٹرے جان بچا کر ہماگ پہنچے میں کامیاب ہو گئے اور جا کر اپنی قوم غطفان میں چھپ گئے لیکن پھر وہی اس سے پہلے پہلے مسلمان ان میں سے بعض کو قتل کر کے لے گئے۔

حضرت سلمہ بن الاکوع نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا، اے اللہ کے رسول اگر آپ اجازت دیں تو میں سو آدمیوں کو لے کر ان لوگوں پر حملہ کر ڈالوں لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اس بات کی اجازت نہیں دی اس لئے کہ آپ کو معلوم تھا کہ اب جب کہ یہ لیٹرے اپنی قوم غطفان والوں تک پہنچ گئے ہیں تو اب اس حملہ سے کچھ حاصل نہ ہو گا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مدینہ منورہ واپس لوٹ آئے اور اونٹوں کو چرانے والی وہ عورت جو لیٹروں سے خلاصی پائی تھی وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کرنے لگی، اے اللہ کے رسول میں نے یہ نذر مانا تھی کہ اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے

اس اونٹنی کے ساتھ بھات دے دی تو میں اس کو ذبح کر دوں گی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سکھائے اور فرمایا: تم تو اسے بہت بُرا بدلہ دے رہی ہو۔ اللہ نے کہیں اس پر سوار کیا اور اسی کے ذریعہ کہیں بھات دلائی اور تم پھر بھی اس کو ذبح کر دو گی یا درگھو اللہ کی نافرمانی کی نذر درست نہیں ہوئی اور اس طرح ایسی چیز کی نذر بھی جس کی تم مالک نہ ہو۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اطلاع ملی کہ خزاعہ کی ایک شاخ بنو المصطلق عرب کی مختلف جماعتوں کو آپ سے جنگ کرنے کے لئے اکٹھا کر رہے ہیں اور ان جماعتوں کا سردار بنو المصطلق کا سردار الحارث بن ابی مزارعہ ہے۔ یہ سنتے ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان بنو المصطلق والوں سے ان کے گھروں میں رخصت کے لئے نکلنے میں تاخیر نہ کی اور مسلمانوں کی ایک بڑی جماعت کے ساتھ آپ نکل پڑے چرکہ بنو المصطلق کی آبادی مدینہ منورہ سے کوفہ کی زیادہ دور نہ تھی اس لئے عبداللہ بن ابی بکر بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس غزوہ میں نکل پڑا اور اس کے ساتھ منافقوں کی ایک جماعت بھی ساتھ ہوئی جن کا مقصد اس آسان سے مالِ غنیمت کو حاصل کرنا تھا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی غزوہ میں تشریف لے جاتے تو آپ کی عادت یہ تھی کہ اپنی ازواجِ مطہرات کے درمیان قرعہ اندازی کرتے اور ان میں سے جس کا ہم نکل آتا اس کو اپنے ساتھ سفر میں لے جاتے تھے۔

حسبِ عادت اس مرتبہ بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرعہ اندازی کی اور قرعہ نال حضرت عائشہ کے نام کا نکلا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی فوج نے بنو المصطلق کی فوج پر اچانک چڑھ کر عالم میں اس سے پہلے حکم دیا کہ وہ اپنی تیاری مکمل کریں اور ساز و سامان تیار کریں جو کہ کانتیجہ بنو عرب کی جماعتیں بنو المصطلق سے تیز تر ہو کر ادھر ادھر بھاگ نکلیں اور انہوں نے بنو المصطلق والوں کو مسلمانوں کے لئے ایک آسان راستہ دکھانا دیا مسلمانوں اور بنو المصطلق والوں کا آمنا سامنا بنو المصطلق کے ایک چشمہ کے پاس ہوا جس کا نام مرسیع تھا، دونوں جماعتوں کے باہمی جنگ کوئی زیادہ دیر نہ چل سکی اور جلد ہی بنو المصطلق شکست کھا گئے اور ان کے اونٹ اور حیوانات اور بچے اور عورتیں مسلمانوں کے لئے مالِ غنیمت بن گئیں۔ اللہ تعالیٰ کے اس انعام سے مسلمان بہت خوش ہوئے اور مرسیع چشمہ کے پاس امام کو نے نمازِ سیراب ہونے کے لئے ٹھہر گئے، چشمہ پر آنے والوں میں حضرت عمر بن الخطاب کا ایک ملازم بھی تھا جو ان کا گھوڑا بان تھا اور اس کو جہیہ بن مسعود کہا جاتا تھا، چشمہ پر جہیہ کا خزانہ رچے کے آدمیوں میں سے ایک آدمی سے جھگڑا ہو گیا اور آپس میں لڑائی ہونے لگی۔ خنزرجی نے آواز لگائی: اے انصار کی جماعت اور جہیہ نے آواز لگائی: اے ہبہا جرین کی جماعت:



انصار و مہاجرین دونوں کے کچھ حضرات ان جھگڑا کرنے والوں کے پاس پہنچ گئے اور ان کا جھگڑا ختم کر دیا۔ یہ خبر عبداللہ بن ابی کعب علی بن ابی ہریرہؓ کو مدنا فغول کی ایک جماعت کے ساتھ پہنچا ہوا تھا۔ وہ سخت غلامن ہو گیا اور کہنے لگا۔ یہ مہاجرین ہمارے شہر میں بہت بڑھ گئے ہیں اور ہماری اور ان کی مثال بالکل وہی ہے جو چیلے کہ گئے ہیں کہ اپنے گئے کو موتا کر دہ تم کو بھی کھا جائے گا۔ مجھ اگر ہم مدینہ واپس لوٹ گئے تو ہم میں سے جو زیادہ معزز ہو گا وہ فلیطوں کو وطن سے نکال دے گا اور پھر اس نے اپنی قوم کے ان افراد سے جو اس کے پاس بیٹھے تھے یہ کہا۔

یہ مصیبت تم نے خود ہی اپنے رسول لی ہے۔ ان لوگوں کو اپنے شہر میں لا کر رکھو اور ان میں اپنا مال تقسیم کر دیا۔ بعد ازاں ان کو دوبارہ دیکھو جو تمہارے پاس تھا تو یہ تمہیں چھوڑ کر کہیں اور چلے جائے۔ عبداللہ بن ابی کعب نے بات حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے کہی جو اس وقت کوثر را کے تھے سن لی جو کہ زید بن ارقم کے مؤمن اور یکے مسلمان تھے اس لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گئے اور عبداللہ بن ابی ہریرہؓ نے جو فتنہ پھیلانا چاہتا تھا اور مسلمانوں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف جو فتنہ و فساد اور شر اس کے دل میں تھا اس کی اطلاع آپ کو دے دی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ مبارک پر نہایت شدید غصے کے

تھا نظر ہر مومن نے لیکن آپ نے حضرت زید سے کہا: اسے روکے ہو سکتے ہو تم سے سننے میں غلطی ہوئی ہو۔

انہوں نے عرض کیا: نہیں اے اللہ کے نبی ایسا نہیں ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہو سکتے ہو تم سمجھ نہ سکو۔ انہوں نے عرض کیا: بات وہی ہے جو میں سن چکا ہوں اے اللہ کے رسول!

اس بات چیت کے دوران حضرت عمر رضی اللہ عنہ وہیں موجود تھے اور جب انہوں نے عبداللہ بن ابی کعب اس خیانت کے بارے میں سنا تو ان کو بہت سخت غصہ آیا اور انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ہم میں سے کسی شخص کو اس کے قتل کرنے کا حکم دے دیجئے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر سے فرمایا:

اے عمر یہ تو بتاؤ کہ اگر لوگوں میں یہ بات مشہور ہو جائے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ساتھیوں کو قتل کر دیتے ہیں تو پھر کیا ہوگا؟ اس نے ایسا نہ کرو بلکہ لوگوں میں کوہج کا اعلان کر دو۔

مسلمانوں کے لشکر میں واپسی کے لئے تیار ہونے کی منادی ایک ایسے وقت کرادی گئی جب سخت گرمی اور دھوپ میں تیزی تھی اور عام طور سے اس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو چ نہیں فرمایا کرتے تھے اس لئے

ایسے وقت کو چننے کے اعلان سے صحابہ و بہشت زدہ اور متحیر ہو گئے لیکن جلد ہی ان میں عبداللہ بن ابی کی بات اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس پر مطلع ہونے اور اس سے تلاطم ہونے کی بات مشہور ہو گئی۔

چنانچہ خنزرج کے سردار حضرت سعد بن عبادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے اور عرض کیا، اے اللہ کے رسول آپ نے ایسے وقت میں کو چننے کا حکم دیا ہے جس میں آپ کو چننے کا حکم نہیں دیا کرتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کیا تمہیں اپنے ساتھی عبداللہ بن ابی کی بات کا علم نہیں ہوا؟ وہ کہتا ہے کہ اگر وہ مدینہ واپس پہنچ گیا تو باعزت لوگ ذیلیوں کو لوٹوں سے نکال دیں گے۔

حضرت سعد نے فرمایا: اے اللہ کے رسول اگر آپ جانتے تو اسے نکال دیں اس لئے کہ وہی ذلیل ترین ہے اور آپ معزز ترین ہوتے ہیں، اور حضرت عبادہ بن صامت عبداللہ بن ابی کے پاس گئے اور اس سے کہا، اے عبداللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جا کر معافی مانگ لو۔

عبداللہ بن ابی نے ان کی بات سن کر اعراض کیا اور گردن پھیر لی تو حضرت عبادہ نے فرمایا: خدا کی قسم تمہارے اس اعراف اور منہ پھیرنے پر قرآن کریم کی آیت نازل ہوگی جو تلاوت کی جاتی رہے گی۔

لیکن اس سب کے بعد عبداللہ بن ابی بزدل ہو گیا اور حرجات اس

کی طرف سے نقل کی گئی تھی اس کا انکار کرنے لگا بلکہ اس سے انکے بڑھ کر خدا کی قسم کھانے لگا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جو اس کی بات پہنچائی گئی ہے اس نے وہ بات کہی ہی نہیں ہے، لوگ حضرت زید بن ارقم کے پاس اکٹھے ہو گئے اور بعض ان کا مواخذہ کرنے لگے اور اس بات پر ان کو کلامت کرنے لگے کہ انہوں نے عبداللہ بن ابی کی بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک کیوں پہنچائی، اور بعض حضرات ان کی تکذیب کرنے لگے اور ان کی سنی ہوئی بات کو علانیہ پر محمول کرنے لگے، لیکن حضرت زید اپنی صداقت پر مصر رہے اور اس سے یہ کہتے رہے کہ انہوں نے بالکل سچ و درست بات پہنچائی ہے حتیٰ کہ انہوں نے یہاں تک فرما دیا کہ:

مجھے تو یہ توقع ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر اس بارے میں آیت نازل فرمائیں گے جس سے آپ لوگوں کو میرے سچے ہونے کا علم ہو جائے گا۔

مسلمان بنو المصطلق کے مکانات سے کو چن کر گئے اور ان کے ساتھ قیدی اور مال غنیمت بھی تھا، یہ حضرات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق یثرب سے مدینہ منورہ کی جانب روانہ تھے اور راستہ میں سونے یا ضرورت کے علاوہ کسی جگہ نہ ٹھہر رہے تھے۔

ایک روز حضرت زید بن ارقم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ہی

پہلے رہے تھے کہ اچانک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دست مبارک دراز کیا اور مزامنہ حضرت زید کا کان پکڑ کر کھینچ کر فرمایا: اے زید تمہارے کان نے بالکل صحیح سنا تھا اور اللہ تعالیٰ نے تمہاری بات کی تصدیق کر دی ہے۔

پھر اپنے ارد گرد والوں کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا: یہ وہ شخص ہیں جن کے مجمع سننے کی اللہ نے تصدیق کر دی ہے! اور وہ اس طرح کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایسی آیات کریمہ نازل فرمادی ہیں جن سے عبد اللہ بن ابی کی غداری اور خیانت اور بد باطنی ثابت ہو گئی ہے اور حضرت زید بن ارقم کی سچائی اور اخلاص واضح ہو گیا ہے۔

تمام مسلمانوں کو عبد اللہ بن ابی کے جھوٹ کا اندازہ ہو گیا اور انہوں نے یہ یقین کر لیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے جب اس شخص کے لغات پر مطلع کر دیا ہے اور یہ واضح کر دیا کہ وہ مسلمانوں میں غرضی اور اختلاف پیدا کرنے کے لئے اندر اندر کس طرح سے کوشاں ہے تو آپ ﷺ لازمی طور سے اسے قتل کرادیں گے۔

اس واقعہ کے بعد بہت سے مسلمانوں نے عبد اللہ بن ابی کا مقاطعہ و بائیکاٹ کر دیا اور اس سے بات کرنا بند کر دی اور بعض حضرات اس کو اس کی اس حرکت پر سخت و سست اور بڑا بھلا کہنے لگے، لیکن عبد اللہ بن ابی نہایت شرمندگی اور رسوائی کی حالت میں صرف یہ کہتا: آئندہ ایسا ہرگز نہیں کروں گا۔

مسلمانوں کا مخالف تیزی سے مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہوا تھا۔ قافلہ کے افراد تھکے ماندہ تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دور اندیشی اور ایک مصلحت کی خاطر ایسا کیا تھا اور وہ یہ کہ قافلہ والے عبد اللہ بن ابی کی بات کی طرف توجہ نہ کر سکتے اور اس کے فتنے سے غافل رہیں یہاں تک کہ ان کے سفر کی آخری اور سب سے زیادہ خطرناک اور سخت پہلی رات آگئی۔ اس رات آرام کے لئے ٹھہرنے کا حکم ملنے ہی قافلہ والوں نے جیسے ہی اپنی کمزور زمین پر ٹٹکاٹی قوراہی گہری نیند نہ آنے پر قبضہ کر لیا اور وہ سو گئے یہاں تک کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے منادی نے کوپچ کرنے کا اعلان کر دیا۔

اس وقت ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا مسلمانوں کے لشکر سے نکل کر ضرورت و قضاء حاجت کے لئے گئی ہوئی تھیں ان کے گلے میں ان کا پسندیدہ ایک ہار پڑا ہوا تھا جو سفید و سیاہ موتیوں کا بنا ہوا تھا۔ جب وہ قافلہ میں واپس آئیں اور لوگ کوپچ کے لئے تیار کر رہے تھے تو انہیں ڈر گئے کہ احساس ہوا تلاش کیا لیکن وہ نہ ملا تو انہیں یہ خیال ہوا کہ جس جگہ وہ قضاء حاجت کے لئے گئیں تھیں ہار وہاں ڈگر لگیا ہو لہذا واپس جا کر تلاش کیا اور وہ ہار مل گیا۔

لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جب اس جگہ واپس پہنچیں جہاں لشکر نے پڑاؤ ڈالا ہوا تھا تو وہاں لشکر کا نام و نشان نہ تھا اس لئے کہ لوگوں نے

جلدی سے کبادے کئے اور اس جگہ سے فوراً ہی رخصت ہو گئے حضرت عائشہ  
اس جگہ حیران و پریشان کھڑی تھیں! کچھ لمحہ میں نہیں آ رہی تھیں کہ کیا کریں۔ اس  
لئے کہ تمام قوم ان کو قنوق صحراء میں قنقن تباہ چھوڑ کر رخصت ہو چکی تھی اور وہ  
لوگ یہ سمجھ رہے تھے کہ حضرت عائشہ اپنے ہودج میں اس اونٹ پر سوار ہیں  
جو ان کے قافلہ کے ساتھ ساتھ چل رہا ہے۔

اور واقعی ان حضرات نے یہی سمجھا بھی تھا اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ  
علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کے ہودج کے اٹھانے والے اور اونٹ ہٹکانے  
والے حضرات کی عادت یہ تھی کہ وہ ہودج کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے خیمہ  
کے سامنے لاکر رکھ دیا کرتے تھے۔ یہ اپنے خیمے سے نکل کر اس میں بیٹھ جاتی تھیں۔  
لوگ آتے اور ہودج کو اونٹ کے اوپر رکھ کر بانہ دو دیا کرتے تھے اور اونٹ کی  
تکلیل پکڑ کر منزل مقصود کی جانب لے جایا کرتے تھے۔

اور اس مرتبہ بھی ایسا ہی ہوا کہ لوگوں نے ہودج کو اٹھا کر اونٹ پر  
رکھ دیا چونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو بھلکی اور فوج تھیں اس لئے ان  
اٹھانے والوں کو یہ معلوم نہ ہو سکا کہ ام المومنین حضرت عائشہ اس میں نہیں  
ہیں اور پھر انہوں نے غمگینا اور سفر شروع کر دیا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فوراً صورت حال سمجھ لی اور یہ یقین کر لیا  
کہ لوگ جب انہیں ہودج میں اونٹ پر نہ پائیں گے تو ان کو تلاش کرتے ہوئے

اس جگہ واپس پہنچ جائیں گے۔ یہ خیال آتے ہی ان کو کچھ سکون ہوا اور انہوں  
نے چادر اور حلی اور لٹنے والوں کا انتظام کرنے کے لئے اسی جگہ لیٹ گئیں۔  
اتفاق یہ ہوا کہ لشکر سے بچے رہنے والوں میں سے حضرت صفوان بن  
معصل سلمی بھی تھے۔ وہ اپنے اونٹ پر سوار اس کو تیزی سے دوڑا کر اپنے ساتھیوں  
تک پہنچنے کے خواہش مند تھے کہ انہوں نے حضرت عائشہ کو صحرا کی ریت پر  
بیٹھ ہوئے دیکھا۔ حضرت صفوان نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو پردہ کے حکم  
سے پہنے دیکھا ہوا تھا انہیں دیکھتے ہی حضرت صفوان دہشت زدہ ہو گئے اور  
گھبراہٹ میں سولے اس کے اور کچھ نہ کہہ سکے کہ: انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اللہ  
آپ پر رحم کرے آپ کیسے پیچھے رہ گئیں اور پھر حضرت صفوان نے اپنے اونٹ  
کو حضرت عائشہ کے قریب کر دیا اور ان سے عرض کیا کہ آپ سوار ہو جائیے۔

اور پھر خود پیچھے ہٹ گئے۔ سخی کہ وہ سوار ہو گئیں۔ پھر حضرت صفوان  
آگے بڑھے اور اونٹ کی تکلیل پکڑ کر تیزی سے چلنے لگے تاکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ  
وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے قافلہ کے ساتھ مل سکیں لیکن نبی کریم صلی اللہ  
علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اتنی تیزی سے سفر کر رہے تھے کہ حضرت صفوان  
اپنے اونٹ کو لے کر ان تک نہ پہنچ سکے اور مسلمان مدینہ منورہ میں داخل  
ہو گئے اور ان کے پیچھے پیچھے حضرت صفوان اس اونٹ کی تکلیل پکڑے ہوئے  
داخل ہوئے جس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ ام المومنین حضرت

عائشہ رضی اللہ عنہا سوار تھیں۔

اہل مدینہ کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا تافذ سے بچکرنا معلوم ہوا اور حضرت عائشہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پیچھے رہ جانے کا سبب بتلادیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کے معاملات میں غور و فکر کرنے کے لئے یکسو ہو گئے اور بنو المصطلق میں جو مال وغیرہ حاصل ہوا تھا وہ مسلمانوں میں تقسیم فرماتے گئے۔

بنو المصطلق کے سردار عمارت کی بیٹی جویریہ ایک انصاری ثابت بنی قیس کے حصے میں آئیں جویریہ نے یہ چاہا کہ اپنے آپ کو قید سے چھڑالے اور ثابت بن قیس کو اپنی جان کے بدلے مال دے دے۔ حضرت ثابت نے مذہبی کی قسم کھائی کہ تم کو قید زیادہ بڑھادی۔ چنانچہ جویریہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر دوئی طلب بن کر رہ گئی۔

میں اپنی قوم کے سردار عمارت کی بیٹی بنیوں اور مکہ ایک پریشانی میں گرفتار ہو گئی ہوں جو آپ سے پرستیدہ نہیں ہے۔ میں ثابت بن قیس کے حصے میں آئی ہوں۔ میں نے ان کے مال کے بدلے اپنے کو آزاد کرانا چاہا تھا اس سلسلہ میں میں آپ کی درخواست گزار ہوں آپ میری مدد فرما دیجئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کیا میں تم کو اس سے اچھا اور بہتر مشورہ نہ دوں؟

انہوں نے پوچھا وہ کیا ہے؟

آپ نے فرمایا میں تمہاری طرف سے اس شرط پر مال ادا کر دیتا ہوں کہ تم مجھ سے شادی کر لو۔

انہوں نے کہا: اسے اللہ کے رسول یہ ٹھیک ہے۔

اور اس طرح سے جویریہ یہ مسلمان ہو گئیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بائوں کی صف سے انکار کیا تھا۔ المومنین (مومنوں کی ماؤں) کی صف میں شریک کر دیا۔

مومنوں کو جب یہ معلوم ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جویریہ سے نکاح کسے انہیں اتنا اعزاز بخشا ہے تو انہوں نے بنو المصطلق کے ان قیدیوں کو جو ان کے پاس تھے یہ کہہ کر آزاد کر دیا کہ یہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رشتہ دار ہیں۔

اور اس طرح سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت جویریہ سے نکاح کرنا ان کی قوم کے لئے بڑا فائدہ مند ثابت ہوا حتیٰ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرمایا کرتی تھیں: میں کسی ایسی عورت کو نہیں جانتی جو اپنی قوم کے لئے جویریہ سے زیادہ بابرکت اور فائدہ مند ثابت ہوئی ہو۔

مدینہ منورہ پہنچنے کے بعد مسلمان عبد اللہ بن ابی کے بارے میں نبی

کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ کا انتظار کرتے رہے اور ان کو اس بات کا تعزینا یقین سنا تھا کہ جب اللہ تعالیٰ نے اس کے بارے میں قرآن کریم کی آیات نازل فرمادی ہیں تو اب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس کے قتل کا حکم ضرور دیں گے۔ لیکن عبداللہ بن ابی کے صاحبزادے عبداللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس یہ کہتے ہوئے آیا:

اے اللہ کے رسول مجھے یہ خبر ملی ہے کہ آپ میرے والد کو قتل کرنا چاہتے ہیں اس لئے اگر آپ یہ کرنا ہی چاہتے ہیں تو آپ مجھے حکم دے دیجئے میں ان کا سر آپ کی خدمت میں پیش کر دوں گا۔ اس لئے کہ بخدا خراج کو معلوم ہے کہ ان میں مجھ سے زیادہ کوئی شخص اپنے والد کے ساتھ حسن سلوک کرنے والا نہیں ہے اور مجھے ڈر ہے کہ اگر آپ میرے علاوہ کسی اور کو ان کے قتل کا حکم دے دیں گے تاہم میں اپنے والد کے قاتل کا دیکھنا گوارہ نہ کر سکوں اور اس شخص کو مار دوں تو گویا میں ایک کافر کے بدلے میں مومن کو قتل کر دوں گا اور اس کی وجہ سے جہنم میں داخل ہو جاؤں گا۔

خوشخبری ہو تمہارے لئے اے عبد اللہ! تمہارے دل میں کیسی زبردست آگ بجھ کر رہی تھی اور آپ خود ہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ عرض کر رہے ہیں کہ اپنے والد کا سر ان کی خدمت میں پیش کر دوں؟  
آپ کے دل کی اس وقت کیا حالت ہو گی جب اس میں دو طرح کے

دلچسپ اور عوامل موجود ہوں، ایک عامل اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کا اور دوسرا عامل اپنے کے ساتھ حسن سلوک کا:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عبد اللہ بن ابی کے بیٹے عبداللہ کی طرف عنف و جلال اور شفقت کی نظر سے دیکھ کر فرمایا:

انہیں ہم اس کے ساتھ نرم معاملہ کریں گے اور وہ حبیب ملک ہمارے ساتھ رہے گا ہم اس کے ساتھ اچھا برتاؤ کریں گے۔

بحمان اللہ، اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ کا غفور و درگزر گزار زیادہ اور آپ کی نرمی کتنی بلند و بالا ہے۔

اور اس طرح سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن ابی کو معاف فرما دیا اور اس کی جان بچائی اور اس واقعہ کے بعد اس کی زندگی اس کے لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہدایا میں سے ایک ہیہ ہو گئی۔

اور اس طرح سے پھر جب کبھی عبد اللہ بن ابی سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف کوئی حرکت سرزد ہوتی تو اس کی قوم اس کو ملامت کرتی اور بُرا بھلا کہتی اور اس کو یاد دلاتی کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا اس پر کتنا بڑا احسان ہے حتیٰ کہ ایک دن خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر بن الخطاب سے فرمایا:

اے عمر تم بہتری کیا دانتے ہے، بخدا اگر میں عبد اللہ بن ابی کو اس روز

قتل کر ڈالنا جس دن تم نے مجھے اسے قتل کرنے کو کہا تھا تو اس کی وجہ سے بہت سے لوگ ہک جاتے اور اگر ابھی لوگوں کو میں آج اس کے قتل کرنے کا حکم دوں تو وہ خود اس کو قتل کر ڈالیں گے اور یہ بالکل صحیح بات تھی اس لئے کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم ابتدا ہی میں اس کے قتل کی اجازت دے دیتے تو اس کی وجہ سے اس کی قوم کے بہت سے لوگ ناراض ہو جاتے۔ لیکن آپ کے حسن معاملہ اور حسن تدبیر نے تمام لوگوں کو اس کے خلاف کر دیا اور سب اس سے ناراض ہو گئے اور اس سے نفرت کرنے لگے حتیٰ کہ اس کا بیٹا بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ سے اس بات کی اجازت مانگ رہا ہے کہ وہ خود اپنے ہاتھ سے اپنے باپ کو قتل کر دے اور اس وجہ سے حضرت عمر سوائے اس کے اور کچھ نہ کہہ سکے:

بھد! میں نے یقین کر لیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم میرے حکم سے زیادہ با برکت اور مفید تھا۔

ٹھیک اس وقت جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہ اندازہ لگا رہے تھے کہ آپ غزوہ بنو المصطلق کے تمام امور سے فارغ ہو گئے ہیں اور عبداللہ بن ابی قحطہ کی سرکوبی کر دی ہے مین اس وقت مدینہ منورہ کی فضاؤں میں کچھ افواجیں گوشہ نشین تھیں اور مجلسوں میں ایک بات پر کانامچوی ہو رہی تھی اور ادھر سے ادھر کچھ باتیں اور افواہیں گردش کر رہی تھیں جن کا محور

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا مسلمانوں کے لشکر سے پیچھے رہ جانا اور حضرت صفوان بن مصل کے ساتھ تنہا مدینہ منورہ واپس لوٹنا تھا، بعض چغلیوں نے تو ایک ہاتھ اور آگے بڑھ کر حضرت عائشہ اور حضرت صفوان کے بارے میں حکم کھلا غلط بات کہنا شروع کر دی، جن لوگوں نے ان دونوں کی طرف ملاحظہ غلط بات کی نسبت کی تھی اور اس میں آگے بڑھ کر مدعو کر حصہ لیا تھا ان میں سے ام المومنین حضرت زینب بنت جحش کی بہن حمنہ بنت جحش اور شاعر اسلام حسان بن ثابت اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ایک عزیز مسطح بن اثاثہ بھی تھے۔

عبداللہ بن ابی کو ان افواجوں میں اپنی شر بر نفس کا دل خوش کرنے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی بھروسہ اور کمینہ و حسد نکالنے کے لئے بہترین موقع مل گیا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرنے کا ایک بہترین ذریعہ اس کے ہاتھ آگیا تھا چنانچہ وہ ان باتوں کے ادھر ادھر پھیلانے اور شہور کرنے میں لگ گیا۔

جس وقت اہل مدینہ میں یہ باتیں گردش کر رہی تھیں اس وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مکان میں بیماری کی وجہ سے صاحب فراش تھیں اور ان کو کچھ پتہ نہ تھا کہ ان کے بارے میں کیا کیا غلط باتیں مشہور کی جا رہی ہیں۔ ان کے ساتھ ہی ان کی والدہ ام رومان ان کی دیکھ بھال میں مشغول تھیں اور ان کو خوب معلوم تھا کہ ان کی بیوی کے بارے

میں کیا غلط ہو چکا ہے لیکن یہ اپنی بیٹی سے ان باتوں میں سے کسی بات کا تذکرہ کرنے کی طاقت رکھتی تھیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ان باتوں کا کچھ نہ کچھ اثر ضرور ہوا اور آپ کو اس سے سخت صدمہ اور دکھ ہوا اور آپ اس شمش و قیج میں گرفتار ہو گئے کہ کیا اس بات پر کان دھریں اور اعتنا کریں جو حضرت عائشہ اور صفوان کے پاس سے اہل مدینہ کہہ رہے ہیں یا اس کے سبب حضرت عائشہ کے ایمان پاکسازی اور عفت و بندہ نفسی میں کیا آپ کو بخوبی علم تھا اور حضرت صفوان کے اخلاص و تقویٰ کی وجہ سے ان دونوں کو پاک باز اور بے عیب تصور کریں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نہایت بے چین اور مضطرب تھے اور آپ نے کسی ایک رات پر قائم رہ سکے اور نہ ایک حالت پر قائم رہ سکے اور حالت یہاں تک پہنچ گئی کہ جب آپ حضرت عائشہ کی بیماری پر کسی کے لئے تشریف لے جاتے تو ان سے اور ان کی والدہ سے ملنے کے اور کچھ نہ کہہ پاتے۔ کیا حال ہے؟ کیسی طبیعت ہے اور پھر اس سے زائد اور کوئی بات کہے بغیر وہاں سے واپس ہو جاتے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس برتاؤ سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پریشان اور حیرت زدہ ہو گئیں۔ اس لئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے

انہیں صحت کی حالت میں الفت و محبت اور شفقت و مہربانی کا عادی بنایا تھا اور اب جب کہ وہ بیمار ہو کر اور صاحبِ ذاتِ شریف تھیں تو انہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے زمانہ صحت سے زیادہ الفت و محبت کی امید تھی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ برتاؤ جس کا سبب حضرت عائشہ کو معلوم نہ تھا اس کا ان کے دل پر بہت اثر ہوا اور اس کی وجہ سے وہ سخت غمگین ہو گئیں اور ایک دن جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی عیادت کے لئے تشریف لائے اور انہوں نے یہ سمجھ کر کہ میری بیماری آپ پر شاق ہو رہی ہے آپ سے عرض کیا: اگر مجھے آپ اجازت دے دیں تو میں اپنی والدہ کے یہاں چلی جاؤں وہ میری تیمارداری کر لیں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا: کوئی حرج نہیں چلی جاؤ۔

حضرت عائشہ وہاں سے اپنے والد کے گھر منتقل ہو گئیں جہاں ان کی والدہ ان کی تیمارداری کرتی رہیں لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس خشک برتاؤ سے سخت مستعجب اور غمگین رہیں۔ بعض لوگوں کی باتوں سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر اتنا اثر ہوا تھا کہ ایک دن آپ مسجد میں تشریف لائے اور کھڑے ہو کر لوگوں سے فرمایا: اے لوگو! بعض لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ میرے اہل و عیال کے بارے میں باتیں کر کے مجھے تکلیف پہنچاتے ہیں اور غلط باتیں کرتے ہیں، بخدا میں نے انہیں اچھا اور



پاک باز ہی پایا اور یہ الزام ایک ایسے شخص پر لگاتے ہیں جس کو بھدا میں نے شریف اور نیک ہی پایا ہے اور وہ میرے گھروں میں سے کسی بھی گھر میں میرے غیر موجودگی میں کبھی داخل نہیں ہوا۔

یہ سن کر اوس کے سردار حضرت اسید بن حنیفہ کھڑے ہوئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا۔

اے اللہ کے رسول اگر یہ لوگ اوس سے تعلق رکھتے ہیں تو ہم ان کا بندوبست کر لیں گے اور اگر وہ لوگ ہمارے خزر جی بجائیوں میں سے ہیں تو ان کے بارے میں آپ ہمیں جو حکم دینا چاہیں دے دیں اس لئے کہ خدا کی قسم یہ لوگ اس قابل ہیں کہ ان کی گردنیں اڑا دی جائیں چونکہ حضرت عائشہ و صفوان کے بارے میں غلط باتیں کرنے والوں کی اکثریت کا تعلق خزر ج سے تھا اس لئے عبداللہ بن ابی نے اپنی قوم میں یہ بات پھیلانے اور مشہور کرنے میں بہت نشاط سے کام کیا تھا، اس لئے حضرت اسید بن حنیفہ کی یہ بات سن کر خزر ج والے غصہ میں کھڑے ہوئے اور فریب تھا کہ اوس و خزر ج میں سخت جنگ چھڑ جائے لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکمت و تدبیر سے اس کو رفع و دفع کر دیا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سوچا کہ اس معاملہ میں اپنے بعض فلعصین سے مشورہ کیا جائے۔ چنانچہ اپنے پاس علی بن ابی طالب اور اساتذہ

میں زید کو بلایا اور لوگوں کی مشہور کردہ باتوں کے بارے میں ان سے ان کی رائے پوچھی تو حضرت اسامہ نے حضرت عائشہ کی بہت تعریف کی اور عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول وہ آپ کی اہلیہ ہیں اور آپ نے انہیں اچھا ہی پایا ہے اور یہ بات جو لوگ اڑا رہے ہیں یہ بالکل غلط اور جھوٹ ہے۔

حضرت علی نے یہ فرمایا کہ اے اللہ کے رسول اور عورتیں بہت ہیں اور آپ ان کے کھانے دوسروں سے شادی کر سکتے ہیں۔ آپ باندی سے پوچھ لیجئے وہ کچھ بات بتا دے گی۔

چنانچہ حضرت عائشہ کی باندی بریرہ کو بلایا گیا اور ان سے پوچھا گیا تو انہوں نے حضرت عائشہ کی بہت تعریف کی۔ حضرت علی نے اسے دھکایا اور مارا اور اس سے کہا: اللہ کے رسول سے بالکل سچ کہو، لیکن وہ حضرت عائشہ کی تعریف کرنے میں تھک نہیں رہی تھی اور یہ کہہ رہی تھی کہ: بھدا مجھے تو ان کے بارے میں خیر اور اچھا ہی لگا ہی علم ہے اور میں حضرت عائشہ کو کسی بات پر ٹوکتی تھی تو صرفت تھی کہ میں آٹا گندھ دیا کرتی تھی اور ان سے کہا کرتی تھی کہ اس کی ٹکرانی کرنا اور دیکھ بھال رکھنا لیکن وہ سوچا یا کرتی تھی اور بکریاں آکر اسے کھایا کرتی تھیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اہلیہ ام المومنین حضرت زینب بنت جحش کے پاس معلومات کرنے تشریف لے گئے جن کی بہن حمزہ ان لوگوں میں

سے عین جنہوں نے اس مسئلہ پر باتیں کی تھیں۔ حضرت زینب نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: اے اللہ کے رسول، میں تو اپنی آنکھ اور کانوں کی حفاظت کرتی ہوں اور غلط بات سے بچاتی ہوں۔ میں نے حضرت عائشہ کو نیک و صالح بھی پایا ہے۔

یہ سن کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اب اس کے سوا اور کوئی چارہ کار نہیں تھا کہ آپ حضرت عائشہ کے پاس جا کر ان کو وہ باتیں بتلا دیں جو لوگوں نے ان کے سلسلہ میں مشہور کر رکھی تھیں اور پھر ان سے صحیح بات کے بارے میں معلوم کریں۔

اس وقت تک حضرت عائشہ کو بھی لوگوں کی ان باتوں کا علم ہو چکا تھا اور ان کو ان کی ایک عربی عزیز مرنے سے سب کچھ بتلا دیا تھا اور یہ باتیں سن کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی طبیعت پر بہت برا اثر پڑا تھا اور وہ شفا یاب ہو چکی تھیں لیکن یہ باتیں سن کر دوبارہ بیمار ہو گئیں اور نہایت کمزور ہو گئیں اور ان کی آنکھوں سے آنسوؤں کی ایسی دلی مہاری قطی چھوڑنے کا نام نہ لیتی تھی۔ چنانچہ وہ مستقل روتی رہتی تھی اور اب ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس درد دور سے اور الگ متعلق ہونے کے راز کا علم ہو چکا تھا اور ان کو یہ بات بہت شاق گذری تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے متعلق ایسی پرگانی پرکان کیوں دھرے اور آپ ان کے سلسلہ میں

شب و شبہ میں کیوں مبتلا ہوئے۔

حضرت عائشہ نے اپنی والدہ سے بھی اس بات کی شکایت کی کہ انہوں نے یہ بات ان سے چھپائے کیوں رکھی۔ چنانچہ اپنی والدہ سے فرمایا: اللہ تعالیٰ آپ کی مغفرت فرمائے، لوگوں کو جو باتیں بنانا تھیں وہ بناتے رہے اور آپ نے مجھ سے کسی بات کا تذکرہ نہیں کیا، قرآن کی والدہ نے فرمایا: میری پائی بیٹی دس محل سے کام لے کر اس لئے کہ بعد ازاں ایسا ہوتا ہے کہ اگر کسی شخص کے پاس خراب صورت بیوی ہو اور وہ شخص اس کو چاہتا بھی ہو اور اس عورت کو اور سونگھیں بھی ہوں تو وہ اس کے خلاف طرح طرح کی باتیں بناتی ہیں اور دوسرے لوگ بھی باتیں بناتے ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ کے پاس تشریف لائے حضرت عائشہ کے پاس ان کے والدین بھی بیٹھے تھے اور وہ دروہی عین اور ان کے برابر ایک انصاری عورت بھی بیٹھی ہوئی دروہی تھی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اے عائشہ! یہ ہے کہ جو بات تم کو لوگوں کی طرف سے پہنچی ہے وہ تو جو کچھ اب خدا سے ڈرو اور اگر بالفرض تم سے کوئی غلطی ہو گئی ہے جیسا کہ لوگ کہہ رہے ہیں تو اللہ سے توبہ کر لو، اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتے ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب یہ فرما چکے تو حضرت عائشہ کی بڑی و پاکیزہ اور غیر مجرم نفس کی قوت اور کرامت و عورت کے شعور کے جوش نے ان کی آنکھوں سے نوحہ شک کر دیئے اور وہ اپنے والدین کی طرف دیکھتی رہیں کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کیا جواب دیتے ہیں لیکن ان کے والدین بالکل خاموش رہے اور ایک لفظ بھی نہ بولے تو انہوں نے ان دونوں سے کہا، آپ دونوں جواب کیوں نہیں دیتے؟ ان کے والدین نے کہا: بخدا ہماری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا کہ ہم کیا کہیں۔

جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ دیکھا کہ ان کے والدین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایسی کوئی بات نہیں کر رہے ہیں جو انہیں آپ کی نظروں میں بڑی کر سکے تو ان کے آنسوؤں نے ان کا دم گھومتے دبا اور وہ دوبارہ رونے لگیں اور پھر فوراً ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے جواب میں ارشاد فرمایا:

خدا کی قسم آپ نے جو کچھ فرمایا ہے اس کی عافی میں ہرگز نہیں مانگوں گی اور نہ توبہ کروں گی اس لئے کہ خدا مجھے یہ معلوم ہے کہ اگر میں اس بات کا اعتراف کروں جو لوگ کہہ رہے ہیں حالانکہ خدا جانتا ہے کہ میں اس سے قطعاً بری ہوں۔ قرین اس بات کا اقرار کیوں کروں گی جو ہوئی نہیں ہے اور اگر میں اس بات کا انکار کروں جو لوگوں نے مشہور کر رکھی ہے تو آپ لوگ

میری تصدیق نہیں کریں گے۔

پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فراموشی و بے کرائی کے لئے خاموش ہوئیں اور پھر فرمایا: میں تو وہی بات کہوں گی جو حضرت پرست علیہ السلام کے والد نے فرمائی تھی:

«رَضِيتُ بِرَسُولِ اللَّهِ وَأَسْمَاءَ مِنْهُ» اب میری بہتر ہے اور اللہ ہی سے علی کا تصدیق کرتی ہوں۔ (پرست - ۱۸)

کرتے ہو۔

اس دردناک ابتلاء و امتحان میں اللہ تعالیٰ کی مدد و نصرت حضرت عائشہ کی قوت سے زیادہ ان کے قریب تھی اس لئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ابھی کچھ زیادہ وقت نہ گذرا تھا کہ آپ کی وہ کیفیت ہو گئی جو وحی نازل ہونے کے وقت ہوا کرتی تھی۔ حاضرین نے آپ کو چادر اٹھا دی اور سر طے کیج کر رکھا اور سب یہ سمجھ گئے کہ اللہ تعالیٰ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اس پریشانی اور بے چینی کو دور کرنے کے لئے آپ پر اپنی وحی نازل فرمائے گا۔ حضرت عائشہ نے یہ حالت دیکھی تو انہوں نے کسی قسم کے جزم و فزع اور گھبراہٹ کا اظہار نہیں کیا، لیکن ان کے والدین کی حالت یہ تھی کہ جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کیفیت ختم نہیں ہو گئی اس وقت تک یہ معلوم ہوتا تھا کہ شاید اس خوف و ڈر سے ان کی جان نہ نکل جائے کہ اللہ کی

جانب سے ایسی آیات نازل ہو جائیں جس سے لوگوں کی مشہور کی ہوئی غلط بات کی تصدیق ہوتی ہو۔

پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سید سے ہو کر تشریف فرما ہو گئے اور اپنی پیشانی سے پسینہ کے ان قطرات کو پونچھنے لگے جو آپ کے چہرہ مبارک پر بہہ رہے تھے اور آپ کا چہرہ روشن چمکدار اور ہشاش بشاش تھا۔ اور آپ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: اے عائشہ خوشخبری سن لو، اللہ تعالیٰ نے تمہاری بری ہونے کی وحی نازل فرمائی ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آہستہ سے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہاں سے رخصت ہو کر مسجد تشریف لائے اور لوگوں کے سامنے اللہ کے اس فضل و رحمت کو بیان کیا جو حضرت عائشہ کے شامل حال تھا اور ان کو وہ آیات کریمہ تلاوت کی کہ سنائیں جو اللہ تعالیٰ نے آپ پر اس سالہ کے بارے میں نازل فرمائی تھیں۔

پھر آپ نے حضرت سلمان بن ثابت، اسلم بن اثاثہ، حمزہ بنت جحش (یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف عنانہ طور سے غلط بات کی نسبت کی تھی) کو کوڑے لگانے کا حکم دیا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو جتنے کوڑے

مارنے کا حکم دیا تھا وہ کوڑے مارے گئے۔ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سلسلہ میں یہ حکم دیا:

وَرَأَى الَّذِينَ يَوْمُونَ الْخَيْرَاتِ  
ثُمَّ لَمْ يَأْتُوا بِأَرْبَعَةٍ  
شَهْرًا وَلَا يَجِدُوا فِيهِمْ  
شَيْئًا مِنْ جِلْدَةٍ وَلَا تَقْبُلُوا  
لَهُمْ شَهَادَةً أَبَدًا وَأُولَئِكَ  
هُمُ الْفَاسِقُونَ

(النور - ۴)

وَقَدْ

## صلح حدیبیہ

اور ان میں کیا بات ہے کہ عذاب نہ  
کے ان پر اللہ اور وہ تو روکتے ہیں  
مسجد حرام سے اور وہ اس کے اختیار  
وے نہیں اس کے اختیار والے تو وہی  
ہیں جو پرہیزگار ہیں لیکن ان میں اگر کوئی  
کو اس کی خبر نہیں۔

(الانفال - ۳۴)

اللہ تعالیٰ اپنے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات پر مطلع کرتے  
رہتے تھے کہ وہ ان مشرکین سے کس قدر ناراض ہیں جو نیک و صالح مسلمانوں  
کو مسجد حرام کی زیارت سے روکتے اور اس کا حج کرنے سے منع کرتے ہیں۔  
اور مسلمانوں کو اللہ کے راستہ سے روکنے کے لئے جو حکمتیں یہ لوگ اختیار  
کرتے ہیں اس کا بدلہ لینے کے لئے ان مشرکین کے لئے جو عذاب مقرر کر رکھا  
ہے اور سزا تیار کر رکھی ہے وہ بیان کرتے رہتے تھے۔  
مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ ہجرت کئے ہوئے مسلمانوں کو چھ سال ہر

خوشا چشم کو دید آں رونے زیبا  
خوشا دل کہ دار خیمال محمد

چکھتے اور اس عرصہ میں ان کے دل اس کعبہ کی زیارت کے مشتاق تھے۔  
جس سے انہیں دور کر دیا گیا تھا اور ان کی نفوس اس بیت اللہ کے  
پاس جانے کے لئے بے تاب تھیں جس کے پاس تمام قبائل عرب کو جانے کی  
اجازت تھی لیکن قریش نے اس کو مسلمانوں کے لئے حرام کر رکھا تھا اور اس  
کی زیارت سے مسلمانوں کو روک رکھا تھا۔

ایک روز صبح کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں یہ فرماتے ہوئے  
تشریف لائے۔

«لَقَدْ خَلَقْنَا الْمُشْجِدَ الْحَرَامَ  
إِنْ شَاءَ اللَّهُ الْعَزِيزُ» (الطہ: ۲۷)  
تم داخل ہو کر ہو گئے مسجد الحرام میں اگر  
اللہ نے چاہا حرام سے۔

یہ سن کر مسلمانوں کی خوشی و سرور کی کوئی انتہا نہ رہی۔ وہ اپنے خوش  
ہوئے جیسے بتایا نہیں جا سکتا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں نہایت  
خوش کن خبر سنائی تھی اور مسلمانوں نے یہ یقین کر لیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم  
کو عینہ میں کوئی سچا خواب دکھایا گیا ہے جس میں ان کے سامنے اس آرزو  
پورا ہونے کے دروازے کھول دیئے ہیں جس کے وہ ایک عرصہ سے متعین  
اور بے تاب تھے۔

مسلمانوں نے یہ سچ لیا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو مکہ میں داخل ہونے کی  
اجازت دے دی ہے اور اللہ تعالیٰ نے یہ ارادہ فرمایا ہے کہ مسلمان اس کے

بہت عتیق مسجد حرام کی زیارت کریں۔  
لیکن سوال یہ تھا کہ مسلمان مکہ میں کیسے داخل ہوں گے؟ اور  
بیت حرام کی زیارت کس طرح کریں گے جب کہ قریش ان کے شدید دشمن  
ہیں اور ان کو نقصان پہنچانے کے منتظر ہیں؟ کیا مسلمان قریش سے جنگ  
کریں گے اور قریش ان سے؟ یا یہ کہ قریش ان کے زیارت بیت اللہ جانے  
کے لئے راستہ کھول دیں گے؟

ذی قعدہ کے مہینے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مؤذن نے لوگوں  
میں حج کے لئے جانے کا اعلان کر دیا۔ چنانچہ مسلمان سفر کے لئے سامان تیار کرنے  
کے لئے مدینہ منورہ میں پھیل گئے اور اللہ کے بیت کی حکمرانی اور اعزاز میں ذبح  
کرنے کے لئے بکریوں کو جیج کرنے لگے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عرب قبائل میں اپنے ساتھ حج پر جانے کی  
مناوی کرادی۔ چنانچہ بعض قبیلہ والوں نے آپ کی منادی پر لبیک کہی اور بعض  
نے تاخیر کی اور بہت سے قبائل پیچھے رہ گئے اور یہ عذر کرنے لگے کہ: ہمیں اہل  
دعیال اور اموال نے مشغول کر دیا اور بھران میں کے بعض بیٹھ سے یہ کہنے  
لگے کہ: مسلمان تو دھوکہ میں پڑے ہوئے ہیں اب محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان  
کے ساتھی اپنے گھر والوں اور اہل دعیال کے پاس کبھی بھی واپس نہ آ سکیں گے۔  
مکہ کے سفر کے لئے مسلمانوں نے تیاری مکمل کر لی۔ چنانچہ یہ حضرات مدینہ

منورہ سے نکلے اور جو اہل عرب ان کے ساتھ جانا چاہتے تھے وہ ان کے ساتھ  
 ہوئے اور سب کے سب چل پڑے اور چودہ سو آدمیوں کا یہ قافلہ عمرہ کا احرام  
 باندھ کر چل پڑا، اگے لگے بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قصویٰ نامی اپنی اونٹنی پر  
 سوار تھے۔ آپ کے ساتھ آپ کی زوجہ مطہرہ ام المومنین حضرت ام سلمہ تھیں۔  
 قربانی کے لئے اپنے ساتھ ستر اونٹ اور کبیریاں لے جا رہے تھے ہتھیاروں  
 میں ان کے پاس موت نیام میں رکھی ہوئی تواریں تھیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مکہ کی جانب چل  
 پڑے اور چلتے چلتے ایک جگہ پڑاؤ ڈالا جس کا نام سرزمین عرفات تھا۔  
 وہاں خیمے لگا دے، جانور باندھ دئے اور کھانا پکانے کے لئے آگ جلائی۔

بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے عہد کی سنت سے مکہ  
 کی اطراف قریش کو ملی اور وہ اس صورت حال سے خیر و شر گئے کہ کیا محمد صلی اللہ  
 علیہ وسلم مکہ آئیں گے اور اس کے باوجود کہ ان کے اور مسلمانوں کے درمیان  
 جنگیں اور لڑائیاں ہو چکی ہیں۔ پھر بھی آپ مکہ مکرمہ میں داخل ہوں گے۔  
 قریش نے اپنے شہسواروں کا ایک لشکر تیار کیا جس کے امیر خالد بن  
 ولید اور عکرمہ بن ابی جہل تھے چنانچہ یہ دونوں اس لشکر کو لے کر ذی طوسی  
 نامی جگہ پر پہنچے اور مسلمانوں کا انتظار کرنے کے لئے وہاں چھپ گئے۔

مسلمانوں کو یہ معلوم نہ تھا کہ قریش نے ان کے استقبال کے لئے کیا کچھ

تیار کر رکھا ہے۔ ابھی مسلمان عرفات میں اپنے پرانوں ہی تھے کہ انہوں نے  
 ایک شہسوار کو اپنی طرف آتے ہوئے دیکھا اور وہ بنو خزاعہ کے بشر بن سنیاء  
 تھے۔ چونکہ مسلمانوں کو یہ معلوم تھا کہ بنو خزاعہ کی اکثریت ان کی طرف ہے اور  
 وہ لوگ ان سے کجی بات کر رہے تھے اور ان کی خیر خواہی اور بھلائی چاہیں گے۔  
 اس لئے انہوں نے بشر سے قریش کے بارے میں دریافت کیا۔ چنانچہ بشر  
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب آئے اور کہا:

قریش کو آپ کی روانگی کا علم ہو گیا تھا۔ اس لئے ان کی طبیعتوں  
 میں بے چینی پیدا ہوئی اور انہوں نے بہادری کا مظاہرہ کرنا چاہا اس لئے  
 انہوں نے جنگجو شہسواروں کی ایک طاقتور جماعت آپ لوگوں کی جانب  
 روانہ کر دی ہے اور وہ لوگ مکہ کے قریب ہی آپ لوگوں کا انتظار کر رہے ہیں  
 تاکہ اپنی کمین گاہوں سے آپ لوگوں پر اچانک بے خبری کی حالت میں  
 حملہ کر کے آپ لوگوں کو ختم کر دیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ہلاکت ہو قریش کے  
 لئے انہیں تو جنگوں نے ختم کر دیا۔ اگر یہ لوگ میرے اور دیگر تمام قبائل عرب  
 کے درمیان رکاوٹ ختم کر کے راستہ کھل چھوڑ دیتے تو ان کا کیا نقصان ہوتا  
 اس لئے کہ اگر وہ عرب ختم کر دیں تو ان کی خواہش و تمنا پوری ہو جاتی اور  
 اگر اللہ تعالیٰ مجھے ان پر غلبہ دے دیتا تو وہ کثرت سے اسلام میں داخل ہو

جاتے، بعد ازیں دین کو دے کر مجھے بھیجا گیا ہے میں اس کے لئے اس وقت تک جہاد کرتا رہوں گا جب تک کہ اللہ تعالیٰ اس کو غلبہ نہ دے۔

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی طرف یہ فرماتے ہوں تو جہاد فرمائی۔

اے میری قوم قریش تمہیں روکنے کے لئے نکلے ہیں۔ اس لئے اگر ہم اسی راستہ پر چلتے رہے تو ہمارے اور ان درمیان ٹکراؤ ہو جائے گا جو خوریزی کا سبب بنے گا اور یہ مجھے پسند نہیں ہے، یہ بتاؤ کہ تم میں سے کوئی شخص ایسا ہے جو ہمیں اس راستہ کے علاوہ کسی دوسرے راستہ سے لے جائے جس پر قریش ہمارے منتظر بیٹھے ہیں۔

صحرائی راستوں کے واقف قبیلہ اسلم کے ایک شخص آگے بڑھے اور عرض کیا اے اللہ کے رسول! یہ کام میں انجام دوں گا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ چہرہ قافلہ کے اگلے حصے میں چلے جاؤ اور ہم تمہارے پیچھے بیٹھے ہیں۔

چنانچہ ان صاحب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی کی تکمیل پڑی اور اسے لے کر پہاڑوں کی گھاٹیوں میں ایک ناموس اور غریب مرد راستہ پر پہنچے۔ لوگ آپ کے پیچھے پیچھے تھے، یہاں تک کہ وہ مسلمانوں کو ایک اچھے مرد بن کر پہلے گئے جو ہموار اور صاف ستھری حق اور حق پرانہیں دیکھا

طرف لے چلے اور ایک معروف راستہ پر چلتے رہے۔ اونٹنی کی جانب سے مکتے کے اطراف تک پہنچ گئے۔ وہیں پر مدبر مجھے تمام کے پاس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی بیٹھ گئی، لوگوں نے اسے اٹھانے اور چلانے کی بہت کوشش کی لیکن اس اونٹنی نے وہاں سے اٹھنے سے انکار کر دیا، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اسے کوئی قلعہ ہو گا، یہاں تک اس کو کھنے والی چیز نے اسے روک دیا ہے۔

مسلمانوں کو یہ خیال ہوا کہ اونٹنی تھک گئی ہے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سمجھ گئے کہ اس کا ٹھہرنا اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہے اور اللہ کی طرف سے اس میں کوئی مکت ہے۔ چنانچہ آپ نے لوگوں کو یہ فرماتے ہوئے وہیں اترنے کا حکم دیا، قریش آج کے دن مجھ سے جو بھی ایسا راستہ اختیار کرنے کو کہیں گے جس میں صلہ رحمت ہوتی ہو تو میں اس کو مان لوں گا۔

لوگوں نے سوال کیا، اے اللہ کے رسول یہاں تو کوئی چشمہ بھی نہیں ہے جس پر ہم نیم کر سکیں؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قریش سے ایک حیر نکال کر ان میں سے ایک صاحب کے حوالہ کیا وہ اس حیر کو لے کر چاروں طرف پھیلے ہوئے خشک کنوؤں میں سے ایک کنویں میں اترے اور اس میں اس کو گاڑ دیا۔ چنانچہ وہاں سے پانی اچھلنے لگا۔ پانی کو اُبتا دیکھ کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مطمئن ہو گئے اور وہیں پڑاؤ ڈال لیا اور خود بھی



سیراب ہونے لگے اور اپنے جانوروں کو بھی پانی پلانے لگے۔

مکہ کے کفار نہایت متشکر اور شہید پریشان ہو گئے اور انہوں نے اپنی تمام آرزوئیں اس امید پر قائم کی ہوئی تھیں کہ مسلمانوں کی تیاری اور جنگ کے لئے ہوشیار ہونے سے قبل ہی خالد بن ولید اپنے لشکر سمیت ان پر اچانک حملہ کر ڈالیں گے، خالد کفار مکہ کے پاس آئے اور انہیں بتلایا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) مدینہ کا مقام پر چھڑے ہوئے ہیں اور ساتھ ہی یہ بھی بتلادیا کہ ان کی تدبیر اور منصوبہ ناکام ہو چکا ہے اس لئے اب انہیں کیا کرنا چاہیئے؟!

وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم جنہیں کفار مکہ نے ان کے گھروں سے رات کو نکالا تھا اس وقت وہ ان کے پاس اس حالت میں آئے کہ انہیں صبح کا انتظار ان کے ساتھ ہیں اور ان کفار مکہ نے اگرچہ مسلمانوں کو جنگ احد میں وقتی شکست بھی دے دی تھی لیکن انہوں نے مسلمانوں کی شجاعت و بہادری اور دین و عقیدہ کی خاطر جفاکشی اور ثارت فدی کا تجربہ بھی کر لیا تھا۔ قریش کے سربراہ و سرکردہ لوگ دوبارہ اپنی مشورہ گاہ دارالندوہ میں جمع ہوئے اور وہ بہت غصہ اور سخت ڈر سے بولنے لگے۔

اگر مسلمان ان کے شہر اور ان کے گھروں میں داخل ہو گئے تو اس کی وجہ سے تمام عرب قبائل سے قریش کا عرب و بیہت ختم ہو جائے گی۔

اس لئے انہوں نے اور بہادری کا مظاہرہ کیا اور قسم اٹھائی کہ جب تک ان کے جہوں میں جان ہے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل نہیں ہوں گے۔

آرام کا تبادلہ ہوتا رہا، ہر شخص اپنے رہنے اور اس پر غور ہوتا رہا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) مکہ کے باہر ہوتے ہوئے ان کو ڈر ادھمکا رہے ہیں اور خود قریش میں ان کی پیروی اور اتباع کرنے والے موجود ہیں جو ان کے رسول محمدؐ پر ایمان لائے ہیں۔ اس لئے اگر بالفرض یہ لوگ بھی مسلمانوں سے مل گئے تو یہ قریش کی پشت میں ایک کاشٹ بن جائیں گے۔

ان میں سے ایک کہنے والے نے کہا: جیسا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کہتے ہیں کہ وہ ہمارے پاس جنگ کرنے کی نیت سے نہیں آئے ہیں تو ایسی صورت میں ہمارا فریضہ یہ ہے کہ ہم انہیں تدبیر اور بات چیت کے ذریعہ واپس کرنے کی کوشش کریں اور اگر وہ ہمارے خلاف کچھ کرنا چاہیں گے اور ہم پر جنگ مسلط کریں گے اور ہم سے لڑیں گے تو ہم جنگجو اور شہسوار ہیں اور جنگ احد کے آثار اب تک ان کے ذہنوں میں تھے۔

ابوسفیان نے کہا: اے عرب کے بھائی تمہاری کیا رائے ہے؟ اس شخص نے کہا: میری رائے یہ ہے کہ ہم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس بنو خزاعہ کے کچھ آدمی بھیج دیں جو ان سے مل کر ان کا مقصد معلوم کریں۔ ابوسفیان نے کہا: تم نے بنو خزاعہ کا انتخاب کیوں کیا ہے۔ ہمیں

ان کے مکر کرنے کا ڈر ہے اس لئے کہ وہ توان کے دوست اور مخلص ہیں۔  
اس شخص نے جواب دیا، آپ بنو خزاعہ سے غداری کا خوف  
نہ کھائیے اس لئے کہ مکہ میں ان کی جائیداد اور بیوی بچے اور بوڑھے اور  
عورتیں ہیں، بھلا جب ان کی ارواح اور جانیں ہمارے قبضے میں ہیں تو  
وہ ایسی صورت میں غداری کیسے کریں گے۔ قریش نے اس رائے کو پسند کیا اور  
اس سے اتفاق کیا اور اس غرض کے لئے ان کی نظر انتخاب بدیل بن  
ورقا ذراعی پر پڑی جو اس وفد کے سربراہ ہوں گے جو محمد صلی اللہ علیہ  
وسلم کے پاس ملانے گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدیل کا استقبال کیا، بدیل نے  
آپ کے سامنے اپنے آنے کا مقصد بیان کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ  
وسلم نے ان سے کہا۔

قریش کے پاس جا کر ان سے یہ کہہ دو، عثمان بیت اللہ کی زیارت  
کے لئے آئے ہیں اور وہ اس کے احترام کو ملحوظ رکھتے ہیں اس لئے اگر  
قریش اس بات پر صلیح کریں کہ ہمیں راستہ دے دیں گے اور وہاں تک  
جانے دیں گے تاکہ ہم نہ یہی شعائر کو ادا کریں اور پھر ہم طواف کر کے  
زیارت سے فارغ ہو کر وہاں سے چلے جائیں تو اس پر صلیح کر لیں۔  
وفد مکہ مکرمہ واپس چلا گیا اور قریش کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

کا پیغام پہنچا دیا، پیغام سن کر قریش میں از سر نو اختلاف پیدا ہو گیا۔  
ایک فریق کی رائے یہ تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے صلح کر لی جائے  
اور ان کو بیت المحرم آنے دیا جائے، دوسرا فریق اس کے خلاف تھا اور  
اس رائے کی مخالفت کر رہا تھا۔

ابوسفیان نے کہا، کیا تم اپنے دشمنوں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں  
کو اس بات کی اجازت دو گے کہ وہ تمہاری سرزمین کو اپنے پاؤں سے  
غزریں اس طرح سے تو تم اپنے سروں پر ہمیشہ کے لئے ذلت و رسوائی کو  
باندھ لو گے۔

لوگوں نے کہا پھر آپ کی کیا رائے ہے؟

ابوسفیان نے کہا، میرا خیال یہ ہے کہ تم ان کے پاس حبشیوں کے  
مردار علیس بن حلقہ کو بھیج دو اس لئے کہ وہ ایک ایسی قوم کا سردار ہے  
جو طاقت و وقت اور جنگ میں مشہور ہے اس لئے اگر حبش محمد صلی اللہ  
علیہ وسلم کو ہم سے روک سکے تو مسألہ حل ہو گیا اور اس کے ذریعہ ہم ان  
سے چھٹکارا حاصل کر لیں گے اور وہ ہمیں ان کے مشرے بچائے گا اور اگر  
محمد صلی اللہ علیہ وسلم انے اس کی بات نہ مانی اور اسے واپس کر دیا تو وہ  
حضرت میں آجائے گا اور ہمارے ساتھ مل کر اور ہماری صفوں میں شامل  
ہو کر ان سے جنگ کرے گا۔

علیس نے بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا رخ کیا۔ جب بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو آتے دیکھا تو اپنے صحابہ سے فرمایا: یہ دیکھو علیس آ رہا ہے اور اس کا ایک ایسی قوم سے تعلق ہے جو خدا کو مانتی ہے اور ہدی کی تعلیم و احترام کرتی ہے اس لئے قربانی کے جانوروں کو کھول دو تاکہ وہ دیکھ لے اور یہ سمجھ لے کہ ہم صلح و اشتی کی فضا میں صرف ہیبت اللہ کی زیارت کے لئے آئے ہیں۔

چنانچہ مسلمانوں نے اونٹوں اور بھیرڑوں دنبوں کو کھول دیا۔ علیس نے ان جانوروں کو دیکھا کہ ان کے گلے میں تھامے ہوئے ہیں جو اس بات کی علامت ہیں کہ یہ جانور اللہ کے راستہ میں قربانی کرنے کے لئے ہیں اور زیادہ وقت گزرنے کی وجہ سے ان تھاموں نے دلوں کے بال ختم کر دئے تھے یہ دیکھ کر علیس نہایت متاثر ہوا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملے بغیر ہی مکہ واپس ہو گیا اور جو کچھ دیکھا تھا وہ قریش کو بتلا دیا تو قریش نے اس نے اس سے کہا: تم تو دیہاتی ہو جو یہاں کیا پتہ ہے۔

یہ سن کر علیس سخت ناراض ہو گیا اور اس نے ان سے کہا: بخدا ہم نے تم سے اس لئے سہارہ نہیں کیا تھا؟ اور نہ اس پر صلح کی تھی؟ کیا جو اللہ کے گھر کی تعلیم کے واسطے آئے تم لوگ اس کو روک دو گے؟ یہ عجیب بات ہے کہ بیت اللہ کے حج کے لئے تمام عرب قبائل تو آئیں لیکن اس سے

عبدالغلبہ کے اس صاحبزادے کو روک دیا جانے چاہئے میں حسب و نسب و عزت و شرافت والے ہیں۔ سن لو کہ تم نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ہیبت اللہ آنے سے روکا تو تم لوگوں کے تمام مبشرہ والوں کو بیک آواز جمع کروں گا اور ان کے ساتھ مل کر تمہارے خلاف جنگ کروں گا۔

قریش علیس کے غصہ و ناراضگی سے خوف زدہ ہو گئے اور ان کو راضی کرنے کی کوشش کرنے لگے اور ان سے کہنے لگے: اے علیس تم ذرا صبر کر جاؤ تاکہ ہم اپنے لئے جو پسند کرتے ہیں اسے ملے کر لیں۔

قریش نے پھر یہ سوچا کہ اپنے آدمیوں میں سے کسی شخص کو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس بھیجنا چاہیے تاکہ وہ شخص ان کو مکہ میں داخل ہونے سے روک دے۔ چنانچہ انہوں نے اس کام کے لئے عروہ بن مسعود کو منتخب کیا۔ چنانچہ جب قریش کے سرکردہ لوگوں نے اس موضوع پر عروہ سے گفتگو کی تو انہوں نے یہ دیکھ کر کہ اس سے پہلے جو پیغمبر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس گئے تھے قریش نے انہیں کس طرح بے وقوف گردانا تھا یہ سوچ کر عروہ نے اس کام کے کرنے سے ہند خواہی کی لیکن وہ ان سے کہتے رہے اور ان کو مجبور کرتے رہے حتیٰ کہ انہوں نے بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سیزن کر مانا منظور کر لیا۔

عروہ بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے اور آپ سے عرض کیا۔

اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا آپ اپنے شہر اس ارادہ سے گئے ہیں کہ اس کو اپنے اہل و عیال اور متعلقین کے لئے ان لوگوں کے ساتھ مل کر فریضہ کر لیں جنہیں آپ نے مختلف قبائل عرب سے اکٹھا کیا ہے؟ یاد رکھیے کہ قریش آپ کے مقابلہ کے لئے نکل چکے ہیں اور آپ لوگوں سے جنگ کرنے کے لئے انہوں نے چیتوں کی کھال پہن رکھی ہے اور اللہ سے یہ عہد کیا ہے کہ آپ ان کے شہر میں زبردستی ہرگز داخل نہیں ہو سکتے اور میں تو یہ دیکھ رہا ہوں کہ یہ لوگ جنہیں آپ نے اکٹھا کیا ہے یہ آپ کو چھوڑ کر تتر بتر ادھر ادھر منتشر ہو جائیں گے۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عروہ کی بات کاٹ کر باوازا بلند فرمایا۔

تو ذیل و رسوا ہو جاؤ! بخدا ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر ہرگز نہ بھاگیں گے۔

عروہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بات کرتے ہوئے آپ کی لمحیہ مبارکہ کو ہاتھ لگا تا مابا تھا۔ حضرت معیرہ بن شعبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں کھڑے تھے جب بھی عروہ اپنا ہاتھ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی لمحیہ مبارکہ پر لگاتا چاہتا تو حضرت معیرہ اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ مار کر دھمکتے: اپنے ہاتھ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ مبارک

سے دور رکھو۔

عروہ نے یہ محسوس کر لیا اور یقین کر لیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھی مکہ مکرمہ صحت اس بیت اللہ کی زیارت کے لئے آئے ہیں جو تمام عرب کا محلہ ہے اور آپ کی آمد کا مقصد اس گھر کی تقظیم و تکرم ہے۔ یہ ذکر جنگ کرنا اور خون خرابہ کرنا۔

عروہ قریش کے پاس یہ سب کچھ دیکھ کر واپس آیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اُس کے ساتھی ان کے لئے کیسے جانثار اور شیدائی ہیں اور اس نے قریش کے سرکردہ لوگوں سے کہا:

اے قریش کی جماعت میں کسریٰ کی بادشاہت کے دور میں کسریٰ کی یہاں اور قیصر کے دور حکومت میں قیصر کے یہاں اور بنی ہاشمی کی بادشاہت میں بنی ہاشمی کے یہاں گیا ہوں ابخدا میں نے کسی بادشاہ کو کسی قوم میں ایسا معظلم نہیں دیکھا جیسا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے ساتھیوں میں ہیں، وہ وضو نہیں کرتے مگر یہ کہ ان کے جانثاران کے وضو کے پانی کو زمین پر گرنے سے پہلے اپنے ہاتھوں میں لے لیتے ہیں، ان کے جسم کا کوئی بال نہیں جھڑتا مگر یہ کہ وہ اسے اٹھا لیتے ہیں اور میں نے تو ایک ایسی قوم کو دیکھا ہے جو ان کو ہرگز کسی کے حوالہ نہیں کر سکتی اس لئے تم اپنی رائے پر غور و فکر کرو۔

یہ سن کر قریش حیرت میں پڑ گئے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے مقابلے کے لئے کس رائے کو اختیار کرنا چاہیے اس لئے کہ انہیں بخوبی معلوم ہو چکا تھا کہ آپ بیت اللہ کی زیارت کرنا چاہتے ہیں اور انہیں یہ بھی یقین تھا کہ آپ جنگ نہیں کرنا چاہتے۔ خصوصاً جب کہ یہ بات ان کے یہاں دلیل سے ثابت ہو چکی تھی اور اس کی دلیل یہ تھی کہ ان کے بے وقوفوں اور نا سمجھوں کی ایک جماعت مسلمانوں کے خیموں کی طرف بلی گئی اور ان پر پتھر اور غیر بوسانا شروع کر دیئے۔ مسلمانوں نے ان کو پکڑ لیا اور پھر نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ان کو معاف کر کے قریش کے پاس جانے دیا اس لئے کہ آپ خون خرابہ نہیں کرنا چاہتے۔ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس اس کے علاوہ اور کوئی چارہ کار نہ تھا کہ آپ اپنے ایک قاصد کو قریش کے پاس اپنے آنے کا مقصد بتانے کے لئے بھیج دیں اور ان سے اس بات کا مطالبہ کریں کہ وہ لوگ آپ کو آپ کا مقصد و ارادہ کو پورا کرنے دیں۔ اس مقصد کے لئے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی صاحبزادی کے شوہر حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ تشریف لے گئے۔ چنانچہ جب وہ مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تو ان کی اپنے ایک عزیز امان بن سعید سے ملاقات ہوئی اور انہوں نے حضرت عثمان کو قریش کی تکالیف سے بچانے کے لئے اپنی امان اور پناہ میں لے لیا تاکہ وہ پیغام رسائی کر سکیں۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اہل قریش سے اپنے آنے کا مقصد بیان کیا تو انہوں نے مسلمانوں کی بابت ہر ایک کہنے یا ان کے ارادے کے سامنے گردن جھکانے اور اسے مستثنیٰ سے انکار کر دیا اور حضرت عثمان سے کہا: اے عثمان اگر آپ بیت اللہ کا طواف کرنا چاہتے ہیں تو طواف کر دیجئے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے انہیں جواب دیا: میں تو اس وقت تک طواف نہیں کر سکتا جب تک رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) طواف نہ کریں۔

عبداللہ بن ابی بھی مسلمانوں کے لشکر کے ساتھ تھا۔ قریش نے اس کو پیغام بھیجا کہ: اگر تم بیت اللہ کا طواف کرنا چاہتے ہیں تو آجاؤ اور طواف کرو تو ان کے بیٹھے نے ان سے کہا:

میرے ابا! میں آپ کو خدا کا خوف یاد دلاتا ہوں آپ ہمیں ہر جگہ دلیل دکر یہ کیا آپ خود طواف کر لیں گے اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے طواف نہیں کیا ہو گا؟!

یہ سن کر عبداللہ بن ابی نے بھی قریش کی دعوت قبول کرنے سے انکار کر دیا اور قریش کا پیغام لانے والے سے کہا: میں اس وقت تک طواف نہیں کروں گا جب تک رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) طواف نہیں کر لیتے۔

عبداللہ بن ابی کی بات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی معلوم ہوئی اور آپ اس بات سے بہت خوش ہوئے۔

قریش کے سرداروں اور حضرت عثمان بن عفان کے درمیان طویل بات چیت و مذاکرات ہوتے رہے اور اس طرح حضرت عثمان کو سکھ میں کافی وقت تک رکنا پڑا حتیٰ کہ مسلمانوں میں یہ مشہور ہو گیا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا گیا ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب یہ اطلاع ملی تو آپ یہ سن کر سخت ناراض ہو گئے اور مزم اور حرام پہنے میں اس فداکاری کی خبر سن کر آپ اپنے صحابہ سے یہ کہے بغیر نہ سکے کہ: ہم اس وقت تک اس جگہ سے نہیں ہٹیں گے جب تک قریش سے مقابلہ نہ کریں۔

اور باوجود اس کے کہ آپ جنگ سے بچنا چاہتے تھے لیکن جب حضرت عثمان کو خضید کرنے کی اطلاع آپ کو ملی تو آپ نے جنگ کا عزم کر لیا اور تمام مسلمانوں نے یکے بعد دیگرے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ کے دست مبارک پر بیعت رضوان کی اور یہ عہد کیا کہ اس وقت تک لڑیں گے جب تک جہم میں جان ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت ایک رشت کے نیچے بیٹھے ہوئے تھے۔

مسلمان ابھی بیعت کر رہی رہے تھے کہ قریش نے یہ طے کیا اور اس

بات پر تیار ہو گئے کہ حضرت عثمان کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اسیل بن عمرو کو بھیجا جائے تاکہ وہ آپ سے یہ صلح کر لیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس سال واپس ہو جائیں اور آئندہ سال زیارت کے لئے آجائیں اور وہ یہ کہنے لگے: اس لئے کہ نجد اکہیل ایسا نہ ہو کہ عرب ہمارے بارے میں یہ کہنے لگیں کہ وہ (یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم) ہمارے شہر میں زبردستی طاقت کے بل بوتے پر داخل ہو گئے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ عن مسلمانوں کے پاس لوٹ آئے اور ان کے پیچھے پیچھے اسیل بن عمرو بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بات چیت کرنے آگیا اور اسیل نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا۔

میں آپ کے پاس ایک ایسا معاہدہ لایا ہوں جس میں آپ اور ہمارے دونوں کے لئے بھلائی اور سلامتی ہے اور ہماری اور آپ کی دونوں کی جانوں کی حفاظت ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ کیا شرطیں ہیں جو تمہاری قوم نے تمہیں بتلا کر بھیجی ہیں؟

اسیل نے کہا: اس سال آپ لوگ مکہ مکرمہ سے بغیر زیارت کئے واپس چلے جائیں اور آئندہ سال آپ لوگ آجائیں ہم تین دن کے لئے آپ لوگوں کے لئے بیت اللہ عالی کر دیں گے تاکہ آپ ان میں مناسک

اور شعار ادا کریں، لیکن آپ لوگوں کے ساتھ سوائے تموار کے اور کوئی ہتھیار نہ ہوگا اور تمواریں بھی نیاں ہوں گی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اور کیا بات ہے؟

سہیل نے کہا، آپ لوگ ہم سے یہ معاہدہ کر لیں کہ قریش کا شخص آپ کے پاس اپنے سر پرست و ذمہ دار کی اجازت کے بغیر مسلمان ہو کر آئے گا اسے آپ مکہ واپس بھیج دیں گے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنیوں میں سے جو شخص مکہ آئے گا قریش اس کو مسلمانوں کی طرف لوٹانے کے پابند نہ ہوں گے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کچھ دیر کے لئے خاموش رہے پھر آپ نے فرمایا: اور کیا شرائط ہیں؟

سہیل نے کہا، آپ لوگ ہم سے دو سال کے صلح کر لیں جن میں جنگ نہ ہوگی اور لوگ اس عرصہ میں امن و سکون سے رہ سکیں گے اور ایک دوسرے سے اپنے آپ کو دور رکھیں گے۔ یہ قریش کی شرطیں ہیں اس لئے آپ لوگ سوچ لیں مشورہ کریں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کی یہ شرطیں مان لیں۔ یہ دیکھ کر مسلمان حیرت زدہ ہو گئے اور نہایت تعجب میں پڑ گئے۔ پھر وہ جوش میں آئے اور غصہ سے بھر گئے اور آپس میں ایک دوسرے سے پوچھنے

تھے کہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قریش کی ان شرطوں کو کیوں قبول کر رہے ہیں؟ ہم جنگ کر سکتے ہیں اور اگر قریش ہمیں بات چیت اور نرمی سے بیت اللہ کی زیارت کرنے کی اجازت نہیں دیتے تو ہم اس کے لئے مکہ مکرمہ میں زبردستی اور طاقت کے بل بوتے پر بھی داخل ہو سکتے ہیں۔

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور ان سے کہا،

اے ابو بکر! کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول نہیں ہیں؟ حضرت ابو بکر نے فرمایا، کیوں نہیں؟

حضرت عمر نے فرمایا، کیا ہم مسلمان نہیں ہیں؟

حضرت ابو بکر نے فرمایا، کیوں نہیں؟ حضرت عمر نے فرمایا، کیا یہ لوگ

مشرک نہیں ہیں؟ حضرت ابو بکر نے فرمایا، کیوں نہیں؟ حضرت عمر نے فرمایا،

تو پھر ہم اپنے دین کو نیچا کیوں کریں اور دین کے معاملہ میں ایسی تکلیف دہ

شرط کو قبول کر کے ذلت کو کیوں قبول کریں؟

حضرت ابو بکر نے فرمایا، اے عمر! یہی جگہ اور مقام پر ہی رہو۔ اس لئے

کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں حضرت

عمر نے فرمایا: اور میں بھی اس بات کی شہادت دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے

رسول ہیں:

اور پھر وہاں سے روانہ ہو کر حضرت عمر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے بھی وہی گفتگو کی جو حضرت ابوبکر سے کی تھی، جسے سن کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عمر میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں اور یہ اللہ کا فیصلہ ہے اللہ تعالیٰ مجھے ہرگز مٹائے نہیں کہے گا۔

حضرت عمر یہاں سے نہایت منکسر اور بخند ہو کر واپس ہوئے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کو بلا یا تاکہ سہیل بن عمرو کے ساتھ جن شروط پر اتفاق و معاہدہ ہو اسے وہ لکھ لی جائیں۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی سے فرمایا: بسم اللہ الرحمن الرحیم۔

سہیل نے کہا: میں تو رحمن اور رحیم ہوں، میں آپ یوں نہیں بسم اللہ کہتا۔

تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لکھو یا بسم اللہ۔ جب حضرت علی وہ لکھ چکے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لکھو۔ یہ وہ شروط ہیں جن پر اللہ کے رسول محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے سہیل بن عمرو سے صلہ و معاہدہ کیا ہے۔

سہیل نے حضرت علی کا قلم پکڑ لیا اور کہا: ایسا کر پ اس لئے کہ اگر قریش آپ کو رسول مان لیتے تو آپ سے ہر جنگ نہ کرتے اس لئے آپ اور آپ کے والد کا نام گھامانا چاہتے۔

تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے علی یوں لکھو: یہ وہ شرطیں ہیں جن پر محمد بن عبد اللہ نے سہیل بن عمرو سے صلح کی ہے اور اس طرح سے جن شروط کے ساتھ سہیل بن عمرو سے معاہدہ ہوا تھا وہ معاہدہ نامہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کو املا کر دیا اور اس صلح میں قبیلہ خزاعہ والے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مل گئے تھے اور قبیلہ بنو مکردہ قریش کے ساتھ، ابہر حال معاہدہ نامہ لکھا گیا اس پر دستخط ہو گئے اور دونوں فریقوں کے کچھ آدمیوں نے بھی اس پر دستخط کر دیئے۔

ابھی معاہدہ پر دستخط کئے ہی گئے تھے کہ مسلمانوں کے پاس قریش کے ایک صاحب آئے اور اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کیا اور اپنے آپ کو مسلمانوں کے ساتھ ملانے کا مطالبہ کیا۔ ان صاحب کا نام ابوجندل بن سہیل بن عمرو تھا۔ سہیل نے جب اپنے بیٹے کو دیکھا اور اس کے آنے کی وجہ معلوم ہوئی تو اس نے اپنا ہاتھ اپنے بیٹے کے منہ پر رسید کر دیا اور پھر گلے سے پکڑ کر قریش کے جانب لے جاتے ہوئے حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) سے کہا: اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میرے اور آپ کے درمیان بات پکی ہو چکی ہے اور



اب آپ کو یہ حق نہیں ہے کہ اپنے پاس کسی ایسے شخص کو رکھیں جو قریش کے پاس سے آیا ہو۔

ابو جندل مسلمانوں سے فریاد رسی اور مدد طلب کرنے کے لئے چھینے لگے اور فرماتے گئے، اے مسلمانوں کی جماعت کیا مجھے مشرکوں کے پاس لوٹا دیا جائے گا تاکہ وہ مجھے میرے دین سے پھیر سکیں، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابو جندل سے اس کے سوا اور کچھ نہ کہہ سکے کہ:

اے ابو جندل صبر کرو اور احکم امید رکھو اس لئے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے اور ان مسلمانوں کے لئے جو کمزور و ضعیف ہیں آسانی اور مذاہب سے بچانے کا راستہ پیدا کرنے والا ہے۔ ہم نے قریش سے معاہدہ کر لیا ہے اور انہوں نے اللہ کے نام کے واسطے سے معاہدہ کیا ہے اس لئے اب ہم ان کے ساتھ قدر نہیں کر سکتے۔

اور اس طرح سے مسلمان باوجود سخت سختہ و پختہ ہونے پر بدست و غم کے ابو جندل کی امداد کے لئے استقامت و پختگی کے اور ابو جندل کو باوجود مسلمان ہونے کے قریش سے معاہدہ کی وجہ سے قریش کے پاس لوٹ کر جانا پڑا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان قربانی کے جواروں کو ذبح کر دیا اور پھر مدینہ منورہ واپس لوٹ آئے۔

مسلمان جب مدینہ منورہ سے چلے گئے اس وقت ان کی کیفیت اور حالت کچھ اور تھی اور اس وقت ان کی کیفیت اس سے بالکل مختلف تھی اس لئے کہ یہ حضرات مدینہ منورہ سے اس بیت اللہ اور کعبہ کے حج کی غرض سے چلے گئے تھے جس سے ان کو ایک طویل زمانہ سے محروم رکھا گیا تھا لیکن سبب وہ واضح ہوئے تو وہ اس معاہدہ نامہ کی وجہ سے نہایت غمگین اور خفا مند تھے جس کی وجہ سے بظاہر قریش کو بہت فائدہ ہوا تھا اور مسلمانوں کو بہت نقصان اٹھانا پڑا تھا، لیکن ان کے پاس اس معاہدہ کے قبول کرنے اور اس پر صلح کرنے کی کوئی وجہ اور سبب نہ تھا، جاتے وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں یہ خبر دی تھی کہ وہ محقریب بیت اللہ کی زیارت کریں گے لیکن اب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش سے ایک ایسا معاہدہ کر لیا تھا جو ان کے خیال میں مسلمانوں کے لئے تکلیف دہ تھا اور جس مقصد کے لئے یہ نکلے تھے یعنی بیت اللہ کی زیارت اس کے بغیر ان کو واپس آنا پڑا تھا۔ اس میں کیا راز تھا؟ اور اس میں کیا حکمت مخفی تھی؟ مسلمان اس کو نہ سمجھ سکے اور نہ اس کا ادراک کر سکے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چلنے لگے اور انہوں نے آپ سے اس سلسلہ میں دریافت کیا لیکن حضرت عمر نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس سلسلہ میں کوئی جواب نہ سنا حضرت

عمر نے پھر سوال کیا اور پھر سوال کیا لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بالکل خاموش رہے اور کوئی جواب نہ دیا۔

حضرت عمر بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے اس حالت میں واپس گئے کہ وہ بہت غلین تھے اور وہ یہ سمجھ رہے تھے کہ انہوں نے یہ پوچھ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا پہنچایا ہے اور قریش کی مشروط قبول کرنے کے سلسلہ میں بار بار مراجعت کر کے تکلیف پہنچائی ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور ساتھیوں کے ساتھ چلتے چلتے اللہ تعالیٰ سے اس بات پر حضرت طلب کر رہے تھے کہ ان سے اللہ کے رسول کے حق میں گستاخی ہو گئی ہے کہ ایک پکارنے والے نے آواز لگائی: اے عمر بن الخطاب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو بلا رہے ہیں، چنانچہ حضرت عمر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس بات سے ڈرتے ڈرتے گئے کہ کہیں ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ اپنے جی پر قرآن کریم کی آیات نازل نہ فرمادی ہوں۔ وہاں پہنچے تو کیا دیکھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خوش ہیں اور خوشی کے مارے چہرہ مبارک دمک رہے ہیں اور ان سے فرما رہے ہیں:

مجھ پر ایک ایسی سدرت نازل کی گئی ہے جو مجھے تمام دنیا سے زیادہ محبوب ہے اور پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو وہ طوالت کر کے سنائی۔

اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُبِينًا  
اَلَمْ نَجْعَلْ لَكَ اَللّٰهُ مُتَقَدِّمًا  
وَمِنْ ذُنُوبِكَ وَمَا تَأْتِيكَ وَكَذٰلِكَ  
نُعَمِّتُكَ عَلٰی بَنِي اَدْنٰى (الفتح: ۱۷)

ہم نے تم کو ایک روشن فتح عطا کر دی ہے یا آپ کے واسطے  
کیسے نہیں تھا کہ اللہ تم کو پہلے کرے آپ کو  
اللہ جو آئے ہو چکے آپ کے گناہ اور جو  
شیخے رہے اور پورا کئے آپ پر اپنا حق۔  
مسلمان اس سن کر بہت خوش ہوئے اور ان کی پریشانی دور ہو  
گئی اور انہوں نے یہ سمجھ لیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش سے جو صلح کی  
تھی اس صلح میں ان کے لئے فتح مبین ہے اگرچہ اس وقت اس کی حکمت و  
راز ان سے مخفی تھا۔

اور مسلمانوں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: اے اللہ  
کے رسول! ہمیں جو صد مرحا وہ اس بات پر تھا کہ آپ نے ہم سے وعدہ کیا  
تھا کہ ہم عنقریب بیت اللہ کی زیارت اور طواف کریں گے تو رسول اللہ  
صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کیا میں نے تم سے یہ کہا تھا کہ اسی سفر میں  
زیارت کرو گے؟ تو صحابہ نے عرض کیا: جی نہیں، تو آپ نے فرمایا: عنقریب  
تم اللہ کے حکم سے مقررہ دامن جاؤ گے اور اس کا طواف کرو گے۔

مسلمان مدینہ منورہ واپس لوٹ آئے اور ابھی انہیں دامن آئے  
ہوئے زیادہ وقت نہ گزرا تھا کہ مکہ سے ان کے پاس ایک صاحب مسلمان  
ہو کر آئے جن کا نام ابو بصیر تھا اور انہوں نے مسلمانوں کی پناہ میں آنا چاہا

رضعت ہو گئے راستہ میں ایک جگہ پڑا نور اللہ علیہ السلام نے ٹھہرے ہوئے تھے کہ  
ابو بصیر نے قریش کے قاصد عامر سے کہا کہ ذرا بچے اپنی تلوار تو دکھا دو۔ اس  
نے تلوار ان کو دے دی انہوں نے تلوار کے اس عامر کی مار ڈالا۔ اس کے  
دوسرے ساتھی نے جواب دیا تھا کہ ابو بصیر نے اس کے ساتھی کو قتل کر ڈالا ہے  
تو وہ میرے ساتھ کی طرف بھاگ نکلا اور وہ شخص مسجد نبوی میں داخل ہو گیا۔ پھر اس  
صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اسے آتے دیکھا تو فرمایا: اس شخص نے کوئی دہشت ناک  
مجھ پر بھی ہے۔ وہ شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا تو آپ نے اس  
سے پوچھا کیا ہو گیا تم کیوں پریشان ہو؟

اس شخص نے جواب دیا: آپ کے ساتھی نے میرے ساتھی کو قتل کر ڈالا  
ہے۔ میں اس سے جان چھڑا کر بھاگ نکلا۔ اگر میں بھاگ کر جان نہ بچاتا تو وہ  
مجھے بھی میرے ساتھی کی طرح قتل کر ڈالتا، یہ شخص ابھی اپنی گفتگو بھی مکمل نہ کر  
پایا تھا کہ ابو بصیر اس عامر کی تلوار گردن میں لٹکا لے ہوئے رسول اللہ  
صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس یہ کہتے ہوئے آئے:

اے اللہ کے رسول آپ کا معاہدہ پورا ہو گیا اور اللہ نے آپ کے  
عہد کو پورا کر دیا، آپ نے مجھے ان لوگوں کے حوالہ فرمایا تھا لیکن میں نے اپنے  
دین کو فتنہ و آزمائش سے اور اپنے آپ کو عذاب سے بچا لیا ہے۔

اور اس طرح سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو بصیر کو قریش کے

ان کے بچنے ان کے سر پرستوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس  
بنو عامر کے ایک شخص کے ہمراہ جس کے ساتھ اس کا آزار کردہ غلام بھی تھا ایک  
خط بھیجا جس میں تحریر تھا کہ باہمی متفقہ معاہدہ کے مطابق ابو بصیر کو مکہ واپس  
بھیج دیا جائے۔ چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو بصیر سے فرمایا:

اے ابو بصیر جیسا کہ تمہیں معلوم ہے ہم قریش والوں سے معاہدہ کر  
چکے ہیں اور ہمارے دین میں خدا کی اجازت نہیں دیتا ہے اس لئے تم اپنی  
قوم کے پاس چلے جاؤ۔ ابو بصیر نے کہا: اے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم)  
کیا آپ مجھے ان مشرکوں کے پاس واپس لوٹا دیں گے تاکہ وہ مجھے میرے دین  
سے ہٹا دیں حالانکہ اللہ نے مجھے ان کی قید سے بھاگنے کا موقع عطا فرمایا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا: اللہ تعالیٰ تمہارا سر لئے  
اور تمہارے ساتھ جو کدو مسلمان ہیں ان سب کے لئے راستہ پیدا فرما  
وے گا اس لئے تم ان دونوں آدمیوں کے ساتھ چلے جاؤ۔ ابو بصیر ان دونوں  
آدمیوں کے ساتھ چل دئے لیکن انہوں نے اپنے کی وجہ سے ان کا دم گھٹا جا  
رہا تھا اور مسلمانوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان مبارک  
سے ان کی ڈھارس نہ سانی کہ اسے ابو بصیر خوشخبری حاصل کرو اللہ تعالیٰ  
تمہارے لئے راستہ پیدا کرے گا۔

ابو بصیر قریش کے دونوں قاصدوں کے ساتھ مدینہ منورہ سے

قاصد کے ساتھ واپس بھیج کر قریش سے کئے ہوئے معاہدہ کو پورا کر دیا، اور ابوبصیر نے اپنے آپ کو اپنے منافقوں سے چھڑا لیا تھا اس لئے اب بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر قریش سے کئے ہوئے معاہدہ کے سلسلہ میں کوئی بات نہیں آتی تھی۔ ابوبصیر مدینہ سے کسی پناہ گاہ کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے، اس لئے کہ مکہ مکرمہ وہ خود واپس جانا نہیں چاہتے تھے اور قریش سے معاہدہ کی وجہ سے مدینہ منورہ میں رک نہیں سکتے تھے۔ ابوبصیر کو سمندر کے ساحل پر ایک ٹکڑا مل گیا چنانچہ وہ وہاں چلے گئے اور سمندر کی چھلیوں اور اپنے ساتھ موجود بکوروں پر گزارہ کرنے لگے۔

مکہ مکرمہ میں جو صعیبت و کمزور مسلمان تھے ان کو ابوبصیر کے اس انجام کار کا علم ہوا لیکن وہ بھیجی قریش کے مذاہب سے جان بچانے کے لئے بھاگنے سے ڈر کے بلکہ وہ اور جری ہو گئے اور وہاں سے جان بچا کر جہاں نکلے اور ساحل سمندر پر ابوبصیر کے ساتھ جا ملے۔

اس طرح بھاگ کر آنے والوں کی ایک ایسی مضبوط جماعت بن گئی جو قریش کے ان تجارتی قافلوں کو روکنے لگا جو مسلمانوں سے اس معاہدہ کے بعد بلا خوف و خطر مسافر و مامون طریقے سے اس متعارف راستہ کے ذریعہ سمندر کی کشتیاں میں سفر کیا کرتے تھے۔

اس صورت حال سے قریش تباہیت پریشان ہو گئے اس لئے کہ یہ

مسلمان جو ان کے قافلوں کو لوٹ لیا کرتے تھے اور ان کے مامون و پرسکون راستہ کو انہوں نے پر خطر بنادیا تھا، لوٹ کر کے ذریعہ اپنی ضروریات زندگی حاصل کر سکیں اور یہ اس لئے کہ ان کا ساز و سامان مکہ مکرمہ میں تھا اور یہ اس صورت حال پر اس لئے مجبور ہوئے تھے کہ قریش سے معاہدہ کی وجہ سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان کو مدینہ میں روک نہیں سکتے تھے۔

اور قریش نے یہ محسوس کر لیا کہ انہوں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے مجبور کرنا لگائی ہے اور اس کے ذریعہ ان پر اپنی حیثیت جتنا اور بڑائی کا اظہار کرنا چاہا ہے یہ ان کو فائدہ پہنچانے کے بجائے ان کے نقصان کا ذریعہ بنتی ہے اس لئے کہ قریش نہ تو ان لوگوں کو واپس لے جا سکے جو ان کا دین چھوڑ کر مسلمان ہو گئے تھے اور نہ وہ ان کو قید کر کے اپنے پاس محفوظ رکھ سکے اور نہ ہی وہ ان سے جنگ کرنے کی قدرت رکھتے تھے نہ اس کے لئے فارغ تھے۔ قریش نے بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو رشتہ کا واسطہ دے کر یہ دعوت کی کہ آپ ان مسلمانوں کو اپنے پاس بلا کر اپنے ساتھ ملا لیں تاکہ وہ لوگ ان کے تھکوں لوٹ ڈالنے وغیرہ سے چھٹکارہ پالیں۔

چنانچہ بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ سے بھاگ کر آنے والے ان مسلمانوں کو اپنے پاس بلا لیا اور اس طرح سے قریش اس شرط سے دستبردار ہو گئے جس سے صلح حدیبیہ کے موقع پر مسلمانوں کو تکلیف پہنچی تھی اور جو

ان کی نافرمانی کا سبب تھی اور اب مسلمان مکہ مکرمہ سے بلا کسی روک ٹوک کے مدینہ منورہ آئے گئے اور مسلمانوں کو اس سے بہت فائدہ پہنچا۔

لیکن مکرر کر کے وہ عورتیں جو اسلام قبول کر چکی تھیں اور وہاں سے مدینہ منورہ ہجرت کر کے آتی تھیں ان کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑا طریقہ اختیار کیا تھا۔

حضرت ام کلثوم بنت عقبہ مکہ مکرمہ میں اسلام قبول کر چکی تھیں اور خنیم کی جانب ایک گاؤں میں ان کے رشتہ دار رہا کرتے تھے جن سے ملنے یہ وقتاً فوقتاً جایا کرتی تھیں ایک مرتبہ انہوں نے اپنے گھروالوں سے یہ کہا کہ وہ ان عزیزوں سے ملاقات کے لئے جا رہی ہیں اور پھر مکہ سے مدین منورہ کے ارادہ سے نکل پڑیں تاکہ اپنی اور اپنے دین کی حفاظت اور عقیدہ کی بقا کے لئے مسلمانوں کی پناہ میں آجائیں اور ان کے زیر سایہ رہیں۔

راستہ میں ان کی ملاقات خراعت کے ایک شخص سے ہوئی جس کو انہوں نے اپنے مسلمان ہونے اور مدینہ منورہ جانے کی اطلاع دے دی۔ چنانچہ ان صاحب نے ان کے ساتھ مدینہ منورہ تک چلنے کا بیڑہ اٹھایا اور ان کو عافیت و سلامتی کے ساتھ مدینہ منورہ پہنچا دیا۔

حضرت ام کلثوم ام المؤمنین حضرت ام سلمہ کے پاس تشریف لے گئیں اور انہیں اپنے مسلمان بھرنے کی خبر دی اور یہ بتایا کہ انہیں ڈر ہے کہ کہیں

قریش سے کئے ہوئے معاہدہ کی بنیاد پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں مکہ واپس بھیج دیں۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ام کلثوم کے معاملہ کی خبر دی تو آپ نے انہیں اطمینان دلایا اور ان کے خوف و ڈر کو ختم کر دیا۔

حضرت م کلثوم کو توحش کرنے اور واپس لے جانے کا مطالبہ کرنے کے لئے ان کے دو بھائی حمادہ اور ولید مدینہ منورہ آئے مکیں بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں یہ فرما کر واپس کر دیا۔

معاهدہ کا اطلاق ہجرت کرنے والی مسلمان عورتوں پر نہیں ہوتا ہے  
اس لئے کہ عورت جب مسلمان ہو جائے تو وہ کسی کافر کے لئے حلال نہیں رہتی۔  
اس اقدام کے سلسلہ میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
کو مندرجہ ذیل آیات کے ذریعہ حکم دیا تھا۔ ارشاد ہے:

لے ایمان والے کو جب آپ انہیں قہار کے پاس اپنی  
وال عورتیں وطن چھوڑ کر تھیں کہ وہ جانچنا اور  
انہیں طلب مانتے ہیں ان کے ایمان کو پھر اگر ان  
کو وہ ایمان پر ہیں تو مت مہجروان کو کاڑھنا  
کی طرف نہ مہجروان میں ان کا فرق کو  
اور نہ وہ کاڑھنا میں ان عورتوں کو۔

## غزوہ خیبر

اے لوگو! اللہ تعالیٰ نے مجھے تمام لوگوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے

اس لئے میری اس طرح سے مخالفت نہ کرنا جس طرح حواریین نے حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کی مخالفت کی تھی۔

ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف لائے تو آپ اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم سے مندرجہ بالا جملہ فرما رہے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ نے پوچھا۔

اے اللہ کے رسول حواریین نے حضرت عیسیٰ بن مریم کی مخالفت کس طرح کی تھی؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں جواب دیا کہ: حضرت عیسیٰ نے

انہیں اس چیز کی دعوت دی تھی جن کی دعوت میں نے نہیں دی ہے۔ پھر

انہوں نے جس کو قرہی علاقہ میں بھیجا وہ راضی رہا اور ان کی بات مانتا رہا

اور جس کو دور بھیجا اس نے وہاں جانے کو ناپسند کیا اور پوچھ لیا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کو اپنے ارادہ سے باخبر کر دیا

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِ  
مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرٰهٖمَ،  
وَ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ  
کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرٰهٖمَ اِنَّکَ  
بِعِیْمَتٍ مُّجِیْدَةٍ

(ابوداؤد)

تھا اور انہیں یہ بتا دیا تھا کہ آپ ان میں سے بعض کو بعض اہم جہات کی طرف بھیجنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو عزم کیا تھا اور جس مقصد کے لئے بعض صحابہ کو بھیجنا چاہتے تھے وہ یہ تھا کہ آپ اپنے کچھ قاصدوں کو بڑی بڑی حکومتوں اور وہ ملک جو جزیرہ عرب کو گھیرے ہوئے ہیں ان کے سربراہوں کے پاس بھیجنا چاہتے تھے تاکہ وہ ان بادشاہوں کے پاس آپ کے خطوط لے جائیں جن کے ذریعہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو اپنی دعوت دین کے قبول کرنے اور اسلام میں داخل ہونے کی دعوت دینا چاہتے تھے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منہد جب بالاجمل اپنے صحابہ سے اس لئے فرمایا تھا تاکہ اس کام سے پیچھے نہ رہیں اور اس سلسلہ میں کسی بیعت یا گھبراہٹ میں گرفتار نہ ہو یا ان بادشاہوں کے پاس جانے میں کوئی خوف محسوس نہ کریں، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آپ کے حکم کو ملے جانے پر اپنی بخوشی و رضا آمادگی اور ان ممالک میں جانے پر اپنی مکمل تیاری کا اظہار کیا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ سے جو یہ وعدہ لیا تھا کہ وہ آپ کے حکم کی طاعت و نافرمانی نہیں کریں گے اس میں آپ بالکل حق پر تھے۔ اس لئے نہیں کہ آپ کے صحابہ میں ہمت نہیں تھی یا وہ دہل جانے میں

متروک ہو سکتے تھے۔ یہ بات ہرگز نہ تھی بلکہ بات دراصل یہ تھی کہ جو پروگرام آپ کے ذہن میں تھا وہ اتنا عظیم الشان تھا اور بڑا تھا کہ جس کو وہی شخص علی بابر پہتا سکتا اور نافذ کر سکتا تھا جو اس دین کی طرف دعوت دینے میں اعتماد اور مطمئن القلب اور قانع ہو اور اللہ تعالیٰ پر عظیم اعتماد و بحروسہ اور کامل و یکساں ایمان رکھتا ہو۔

اور اس عظیم کام کی ذمہ داری کو وہی اٹھا سکتا تھا جو اس کام کو دل سے چاہتا ہو اور اس کو پورا کرنے اور تکمیل تک پہنچانے کا اس میں داعی ہو، یہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش اور ارادہ تھا اور وہی آپ کے ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا جواب تھا جو آپ پر پورا اعتماد کرتے اور آپ کی پُر حکمت باتوں پر ایمان رکھتے تھے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان خطوط کے لکھنے کا حکم دیا جن کو بادشاہ کے پاس اسلام کی دعوت کے سلسلہ میں بھیجنا تھا، چنانچہ وہ خطوط لکھ دئے گئے اور یہ خطوط فارس کے کسری ابوزید (وہ حکومت جس نے اپنی طاقت و قوت سے دوسرے ممالک کو مغلوب کر رکھا تھا) اور روم کے قیصر برقل (جو کہ اپنی طاقت و قوت کے بل بوتے پر اہل فارس کے بہت سے علاقوں پر قبضہ کرنے اور ان کے زیر اثر علاقوں کو ان سے چھیننے پر قادر ہوا تھا) اور مصر کے بادشاہ مقوقس اور حیرہ کے بادشاہ الحارث الغسانی اور یمن

کے شاہ الحارث الحمیری و وزیر بادشاہوں اور مختلف علاقوں کے رؤساء کے نام تھے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حبشہ کے نجاشی کے پاس دو خط بھیجے تھے ایک میں اس سے مسلمان ہونے کا مطالبہ کیا تھا اور دوسرے خط میں اس سے ان مسلمانوں کے واپس بھیجنے کا مطالبہ کیا تھا جو ابتداء اسلام میں قریش کے ظلم سے تنگ آکر پنہ کی تلاش میں حبشہ کی جانب ہجرت کر گئے تھے اور اس خط میں یہ بھی تحریر تھا کہ وہ ام حبیبہ سے آپ کی شادی کے سلسلہ میں آپ کی طرف سے وکیل بن جائیں۔ حضرت ام حبیبہ کا نام رملہ بنت ابی سفیان بن حرب تھا جو اسلام لے آئی تھیں اور ان کے شوہر عبد اللہ بن حشیش بنی مسلمان ہو گئے تھے اور دیگر مہاجرین کے ساتھ حبشہ ہجرت کر گئے تھے پھر عبد اللہ حبشہ میں جا کر عیسائی ہو گئے تھے اور اسی حالت میں ان کا انتقال ہو گیا تھا لیکن ام حبیبہ مسلمان ہی رہی تھیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان خطوط پر مہر لگائی تھی جس پر محمد رسول اللہ لکھا ہوا تھا۔

جن قاصدین کو رسول اللہ صلی اللہ نے ان کے خطوط کے لئے جانے کے لئے منتخب کیا تھا وہ قاصدان خطوط کو لے کر ان ممالک کی طرف روانہ ہو گئے جہاں انہیں بھیجا گیا تھا اور پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہ سوچنے لگے کہ

پروگرام اور منصوبہ کی وجہ سے کیا چیز وجود میں آسکتی ہے اور اس میں چسپنا کا احتمال ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سے بادشاہوں کو اسلام کی دعوت دی تھی ان بادشاہوں میں بہت سے بادشاہ ایسے تھے جو وسیع اسیہ اور طویل دورانیہ تھے جیسے کہ حبشہ کے نجاشی اور ان میں ایسے بھی تھے جو قلم و سرکشی و سختی تھے جیسے کہ تھاکس کاکسری اور ان میں ایسے بھی بادشاہ تھے جو آپ کی دعوت پر عمل و ہوش اور غور و فکر سے کام لیتے اور ایسے بھی تھے جو اس کو غصہ اور ناپسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتے، ان میں سے ایسے بھی تھے جو آپ کی پیروی کرتے یا آپ کو اپنی حالت پر چھوڑ دیتے اور ایسے بھی تھے جو آپ سے جنگ کرنے کے لئے دوسروں کو اپنے ساتھ ملانے کی کوشش کرتے۔

صلح حدیبیہ کی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اہل مکہ کی طرف سے مامون ہو گئے تھے اور ان کی عداوت و دشمنی کے شر سے بچ گئے تھے اور اس طرح سے آپ نے اپنے آپ کو اس فتنہ و شر سے بچالیا تھا جن کا اہل مکہ سے اس صورت میں امکان تھا جب جزیرہ عرب کے جنوبی جانب کی وہ حکومتیں ان کے ساتھ مل جاتیں جن کی جانب آپ نے اسلام کی دعوت و پیغام بھیجا تھا یا یہ حکومتیں آپ کے خلاف کسی اور کو مل کر جنگ کی کوشش



کرتیں، لیکن اب بھی وہاں پر مجرّمہ فراعرب یہ ہیں آپ کے دشمن موجود تھے اور وہ خیبر کے وہ یہودی تھے جن کے ساتھ بنو قینقاع اور بنو نضیر کے بہت سے وہ یہودی مل گئے تھے جن کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ سے نکال دیا تھا۔ ان کے علاوہ مذک اور تیماد وغیرہ کے یہودی بھی تھے۔ یہ تمام اعداء اسلام یہودی کسی وقت بھی ان لوگوں کے بہترین مددگار و معاون بن سکتے تھے جو اسلام اور مسلمانوں کو ختم کرنے کے لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ کرنا چاہیں، اس لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے ان یہودیوں سے جنگ کرنے کا ارادہ کر لیا جو اس اختیار میں تھے کہ کسی مناسب موقع سے فائدہ اٹھا کر آپ کو نقصان پہنچائیں اور یہ وقت اپنی قوت و طاقت پر فخر کرتے تھے اور اپنے قلعوں کے محفوظ ہونے پر اعتماد کرتے ہوئے اپنے سینے تان کر یہ کہا کرتے تھے، کیا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم سے لڑائی اور جنگ کرنے کی طاقت رکھتے ہیں؟ مگر انہیں بیکار نہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان کر دیا کہ جو شخص صلح حدیبیہ میں موجود تھا وہ عزوہ خیبر کے لئے چلے اور جو لوگ صلح حدیبیہ میں شریک نہیں تھے وہ اگر چاہنا چاہیں تو چل سکتے ہیں ان کو اجرو ثواب تو ملے گا لیکن ان کو مال غنیمت میں سے کچھ نہیں ملے گا۔ اس قسم کے مجاہدین کی ایک بڑی جماعت نے آپ کی بات پر ایک ہی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمان مدینہ منورہ سے

ایک ہزار چھ سو جنگجوؤں اور ایک سو شہسواروں کے ساتھ خیبر کی جانب چل پڑے۔ ایک روز صبح سویرے خیبر کے یہودیوں کے کاشت کار اور باغیوں کے رکھوالے اپنے باغات اور کھیتوں کی جانب کدالیں اور کھیتی باڑی کا ساز و سامان لئے نکلے کہ اہل ان کی کھیتوں کے اس لشکر پر بڑی جوان کی جانب آڑٹھا اور ان کی اڑٹھ کو کھجے ہوئے تھا۔

یہودی کاشت کار گھر گئے اور ان پر دہشت طاری ہو گئی اور وہ اپنی قوم کو آواز دیتے ہوئے اپنے پاؤں واپس ہونے اور کہنے لگے، یہ دیکھو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) لشکر کو ساتھ لئے آ رہے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی چیخ و پکار اور اپنی قوم کو متنبہ کرنے والے نعرے سن لئے اور فرمایا: خیبر شاہ و برباد ہو گیا۔

یہودی کے سردار ذری طور پر اکٹھا ہوئے اور مسلمانوں کے حملہ سے بچاؤ اور ان سے مقابلہ کی تدابیر سوچنے لگے، ان کے سردار سلام بن مشکم نے انہیں شورو دیا اور اس کے مطابق انہوں نے اپنے اموال اور عورتوں اور بچوں کو اپنے قلعوں میں سے ایک قلعے میں داخل کر دیا اور ذخیرہ کی ہوئی چیزوں کو دوسرے قلعہ میں محفوظ کر دیا اور لڑنے والے اور وہ خود تیسرے قلعہ میں داخل ہو گئے۔

فلطاف والوں کا یہود کے ساتھ معاہدہ تھا اس لئے یہود نے ان کو پیغام بھیجا کہ وہ ان کی مدد کے لئے اپنے آدمی بھیجیں جو ان کو محمد (صلی اللہ

عمر و سلم سے نبوت دلائے میں مدد دیں لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان باتوں پر پہلے سے متنبہ تھے اس لئے آپ نے غطفان والوں کے پاس پیغام بھیجا کہ اگر وہ باہر کی مدد کریں اور یہود اور مسلمانوں کے درمیان رکاوٹ نہ بنیں تو مالی فقیہت میں سے ان کو بھی حصہ دیا جائے گا۔

اور اس طرح سے مسلمانوں نے خیبر کے یہودیوں کے قلعوں کا محاصرہ کر لیا اور ان کے اور ان کے باغات اور کھیتوں کے درمیان حائل ہو گئے۔ یہود نے اپنے دفاع میں سر و حرک بازی لگادی اور مسلمانوں کے محاصرہ پر صبر کر کے نہیں بیٹھے بلکہ پہلے روز سے ہی مسلمانوں کے ساتھ شدید جنگ کی وجہ سے مسلمانوں کے زخمیوں کی تعداد پچاس تک پہنچ گئی۔

لڑائی جاری رہی اور دن گذرتے رہے اور یہود اپنے قلعوں کی مدافعت میں نہایت بے جگری سے تیروں اور نیزوں سے جنگ کرتے رہے اور یہ لوگ کبھی تو مسلمانوں پر پتھر برساتے اور کبھی قلعوں سے اندر آئے سناٹے لڑنا شروع کر دیتے اور پھر اپنے بھائی کی نافرمانیوں میں گھس جاتے۔

اسی اثناء میں سلام بن مسلم کا انتقال ہو گیا اور اس کے بعد عمارت بن ابی زینب یہود کا قلعہ بن گیا اور عمارت مسلمانوں سے ٹاٹھ در ٹاٹھ جنگ کرنے کے لئے قلعہ سے باہر آ گیا لیکن مسلمانوں نے اسے اٹلے پاؤں واپس کر دیا اور وہ اور اس کے ساتھی از سر نو قلعہ بند ہونے پر مجبور ہو گئے۔

موجودہ صورت حال کے پیش نظر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے یہ ضروری تھا کہ آپ ایسا اقدام کریں جس سے جلد از جلد قلعوں کو فتح کیا جاسکے اس لئے کہ محاصرہ کی مدت طویل ہوتے سے جہاں قلعہ والوں کے لئے بھوک و پیاس سے ہلاک ہونے کا سامان تھا اسی طرح اس سے محاصرہ کرنے والوں کے لئے بھی مشکلات پیدا ہو سکتی تھیں اس لئے کہ مسلمان بھی بھوک اور پیاس کا نشانہ بن سکتے تھے۔

مقبول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کے جھنڈوں میں سے ایک جھنڈا حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو دے کر اس قلعہ کو فتح کرنے بھیجا جن میں لڑنے والے جمع تھے حضرت ابو بکر پورے دن لڑتے رہے اور پھر اپنے ساتھیوں کے پاس واپس آ گئے لیکن قلعہ فتح نہ ہو سکا۔

دوسرے دن رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کو بھیجا وہ بھی دن بھر لڑتے رہے اور اپنے ساتھیوں کے پاس واپس آ گئے لیکن قلعہ پھر بھی فتح نہ ہو سکا۔

تیسرے دن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی بن ابی طالب کو بلایا اور ان کو جھنڈا دے کر فرمایا:

اس جھنڈے کو لے لو اور جا کر لڑو حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ تمہیں فتح دے دے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ جھنڈا لے گئے اور جب قلعہ کے قریب پہنچے تو قلعہ

والے لڑنے کے لئے قلعہ سے باہر آگئے۔ یہ ان سے لڑتے رہے۔ ایک یہودی نے ان کے ایک ضرب لگائی تو ڈھال ان کے ہاتھ سے چوٹ گئی۔ حضرت علی نے قلعہ کے پاس پڑا ہوا ایک دروازہ کھولا اور اس کو ڈھال بنالیا اور لڑتے رہے اور وہ دروازہ ان کے ہاتھ میں رہا حتیٰ کہ اللہ نے قلعہ فتح کر دیا اور اس معرکہ میں حضرت علی نے قلعہ کے قائد حارث بن ابی زینب کو قتل کر دیا تھا۔ جس دروازہ کو حضرت علی نے ڈھال بنایا تھا اس کو مسلمانوں نے پل کے طور پر استعمال کر کے اس کے ذریعہ سے قلعہ کو عبور کر لیا اور قلعہ میں جو کچھ اسلحہ و سامان تھا سب پر غالب آگئے۔ یہودی جنگجوؤں سے اپنے دوسرے قلعہ میں منتقل ہو گئے۔

ایک جنگ کرنے والا جس کا نام مرحب تھا جو نہایت بہادر طاقت ور معاوہ ہمتیار سے پس ہو کر نکلا اور اس نے مسلمانوں کو مقابلہ کرنے اور لڑنے کی دعوت دی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ دیکھا تو اپنے صحابہ سے فرمایا، تم میں سے کون اس شخص سے لڑے گا؟

مسلمانوں کی صفوں میں سے محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ آگے بڑھے اور فرمایا: اے اللہ کے رسول میں اس کا مقابلہ کروں گا۔ بعد ازیں وہ شخص ہوں جو مصیبت زدہ اور غم سے بھرا ہوا ہے میں وہ شخص ہوں جس کا بھائی کل شہید ہو چکا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: اس کے مقابلہ کے لئے چلے جاؤ۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے محمد بن مسلمہ کے لئے یہ دعا کی: اے اللہ اس کے خلات کی ان کی مدد فرما۔

حضرت محمد بن مسلمہ کے بھائی پر یہودیوں نے پکی کا پاٹ گرا دیا تھا، وہ مکان کی وجہ سے دو دو کے قلعوں میں سے ایک قلعہ کے سایہ میں آرام کی خاطر بیٹھ گئے تھے۔ پکی کا پاٹ ان کے سر پر گرا تو رہے کا خود ان کے چہرے میں گس گیا اور چہرے کا گوشت اڑ گیا اور آنکھیں باہر آ گئی تھیں اور غمزدگی و دیر میں وہ شہید ہو گئے تھے۔

حضرت محمد بن مسلمہ مرحب سے دو دروازے کھلنے کے لئے جلدی سے آگے بڑھے اور اپنے بھائی کا بدلہ اور قصاص لینے کے جذبہ سے وہ مشرعاتی دونوں ایک دوسرے کے مد مقابل ایک ایسے مقام پر آئے کہ ان کے درمیان ایک چوٹا سا درخت حاصل تھا جس کی ٹہنیاں بلند تھیں جن کو دونوں جنگ کرنے والوں نے اپنے لئے زور بنایا ہوا تھا۔ یہ دونوں ان ٹہنیوں کے درمیان لڑتے رہے یہاں تک کہ اس کی تمام شاخیں ختم ہو گئیں۔ اور ان دونوں کے درمیان اس درخت کا صرف تنہ رہ گیا۔

مرحب حضرت محمد بن مسلمہ پر کاری دار کرنے اور ان کو قتل کرنے کے لئے تلوار سے ان پر چھوٹ پڑا۔ ابن مسلمہ نے اس وار سے بچنے کے لئے اپنی ڈھال

فری طور سے آگے کر دی اور تلوار ڈھال میں چھنسن گئی اور مرحب اپنے ہتھیار کو اس ڈھال سے ڈنگال سکا۔ چنانچہ اہل مسلم نے اس پر ہار کر کے اس کا کام تمام کر دیا۔

یہ منظر دیکھ کر یہود کے قلعہ میں سے مرحب کا ایک بھائی جس کا نام یاسر تھا وہ میدان میں آگیا اور لوگوں کو مقابلہ کرنے لگا۔ اس کا مقابلہ کرنے کے لئے مسلمانوں کی صفوں میں سے بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی چچی حضرت صفیہ بنت عبدالمطلب کے صاحبزادے حضرت زبیر بن عوام میدان میں کودے حضرت صفیہ ان عورتوں میں سے تھیں جو مسلمانوں کے شکر کے ساتھ تھیں۔ ان کو یہ ڈر ہوا کہ یاسر ان کے بیٹے کو قتل نہ کر ڈالے اس لئے وہ آگے بڑھیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! یہ ایسا مارا جلتے لگا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت اہتمام سے اس کے لہجہ میں ان سے فرمایا بلکہ انشاء اللہ تمہارا بیٹا اس کو قتل کر دے گا۔ اور یہی ہوا اور حضرت زبیر نے یاسر تائی اس یہودی کو قتل کر ڈالا اور وہ بھی اپنے بھائی مرحب کے ساتھ جہنم پہنچ گیا۔

اور اس طرح سے مسلمانوں اور یہودیوں کے درمیان نہایت سخت اور شدید جنگ ہوئی رہی اور یہود مسلمانوں کے لئے اپنا کوئی قلعہ بھی اس

وقت تک خالی نہیں کرتے تھے جب تک خوب اچھی طرح سے اس کا دفاع نہ کر لیں اور اپنی زمین کا ایک بالشت بھی اس وقت تک نہیں چھوڑتے تھے جب تک اس کی خاطر زبردست جنگ نہ کر لیں۔

اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ کئی سالوں کے طویل ہونے سے مسلمانوں کو سخت مشکلات پیش آئے تھیں اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھوک و پیاس اور کھانے پینے کے سامان کی قلت کی شکایت کی تو آپ نے انہیں گھوڑوں کا گوشت کھانے کی اجازت دے دی۔

ایک دن مسلمان یہودیوں کے گدھوں کے ایک ریڑھ پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہو گئے اور ان کو کچھ کر ڈب کیا گوشت بنایا اور دیگوں کو آگ پر چڑھا دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس سے گزرے تو وہ لوگ گدھوں کا گوشت پکا رہے تھے۔ آپ نے ان سے پوچھا کیا پکا رہے ہو؟ انہوں نے جواب دیا: گدھوں کا گوشت پکا رہے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اس کے کھانے سے روک دیا اور بانڈیاں اور دیگیں پٹنے کا حکم دیا اور فرمایا: شہری گدھوں کا گوشت تمہارے لئے حلال نہیں ہے۔

ایک دن مسلمانوں نے یہود کی دھنوں میں سے دو دنے پکڑ لئے اور اس دن دو دھنوں کا عھوڑا سا گوشت اس کثیر تعداد میں کھانے والوں کے مقابلہ میں باوجود قلیل دم ہونے کے مسلمانوں کے لئے نہایت خوشی اور

دعوت کا دن ہو گیا۔

اس عرصہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک حبشی شخص آیا جو یہود کے دشمنوں کے چرانے پر ملازم تھا اس کے ساتھ وہ دس بھائی تھے جنہیں وہ چرایا کرتا تھا۔ اس راعی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: اے اللہ کے رسول میرا دل اسلام کے لئے منتشر ہو گیا ہے اس لئے مجھ پر اسلام پیش کر دیجئے۔ چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر اسلام پیش کیا اور وہ مسلمان ہو گیا اور کلمہ شہادت پڑھا۔ پھر اس نے کہا:

اے اللہ کے رسول میں ان دشمنوں کے مالک کے یہاں ملازم تھا اور یہ دس بھائی میرے پاس امانت ہیں میں ان کا کیا کروں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ان کو ان کے راستہ پر لے جاؤ اور ان کا خدا نے چاہا تو یہ اپنے مالک کے پاس لوٹ جائیں گی۔

وہ شخص کھڑا ہوا اور دشمنوں کو ان کے راستہ پر لے گیا اور ان کو بڑا لگا اور سنگرزے ان کے مار کر لئے لگا۔

اپنے مالک کے پاس پہنچ کر اس نے کہا میں مسلمان ہونے کے بعد تمہارے ساتھ ہرگز نہیں جا سکتا۔ چنانچہ وہ دس بھائی چلے گئے اور یہود کے قلعوں میں سے ایک قلعہ میں داخل ہو گئے۔

دو چرواہا مسلمانوں کے ساتھ مل کر آگے آگے بڑھ کر قلعہ میں بند

یہودیوں سے جنگ کرنے لگا۔ ابھی کچھ زمانہ وقت گذرتا تھا کہ یہودیوں کی جانب سے ایک ہتھیار کے لگا اور وہ شہید ہو گیا۔ مسلمان اس کو اٹھا کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسے آپ کے پیچھے رکھ دیا اور کپڑے سے اس کو ڈھانک دیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: اے اللہ کے رسول اس شخص نے اللہ کے لئے ایک سجدہ بھی کیا تھا اور یہ مارا گیا ہے یہ مسلمانوں میں کیسے شمار ہوگا؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا: یہ شہیدوں میں داخل ہے اور جنت والوں میں سے ہے اور اس وقت اس کے پاس دو بڑی بڑی آنکھوں والی حوریں اس کے چہرے سے سٹی کو صاف کر رہی ہیں اور یہ کہہ رہی ہیں: خدا اس شخص کے چہرے کو خاک آلود کرے جس نے میرے چہرے کو خاک آلود کیا اور خدا اسے قتل کر دے جس نے مجھے قتل کیا ہے۔

مسلمانوں پر بھوک کی حالت کوئی زیادہ طویل نہیں ہوئی اس لئے کہ اللہ نے ان پر یہ انعام فرمایا کہ ان پر وہ قلعہ فتح کر دیا جس قلعہ میں یہودیوں کا قلعہ اور کھانے پینے کا سامان اور غذا اور مختلف قسم کا سامان محفوظ تھا اور اس طرح سے مسلمانوں کو کھانے پینے کا اتنا سامان مل گیا جو ان کے لئے کافی ہو گیا اور جس سے ان کی ضروریات پوری ہو گئیں۔ اور اس کی وجہ سے مسلمانوں کی معزنی قوت بہتر ہو گئی اور حبشوں میں جان

آگئی اور ان میں ایسی قوت و عزم اور بہادری پیدا ہو گئی جو سامروہ کے طویل ہونے میں ان کی مددگار اور جنگ کی شدت میں ان کی معاون بنی۔ یہودیوں کے قلعے مسلمانوں کے حملوں کی تاب نہ لاسکے اور فتح ہوتے گئے اور وہ زیادہ دیر تک مسلمانوں کے حملوں کا مقابلہ نہ کر سکے سوائے قلعہ ذہیر کے جس کے فتح کرنے کے لئے مسلمانوں نے یہ تدبیر کی کہ انہوں نے پانی کے اس رخ کو موڑ دیا جو پانی قلعہ میں جاتا تھا اور ان کی سیرانی کے کام آتا تھا اور اس طرح سے اس قلعہ والے اس پر مجبور ہو گئے کہ قلعہ سے نکل کر محاصرہ کرنے والوں سے جنگ کریں اور اس طرح سے یہ قلعہ بھی فتح ہو گیا اس لئے کہ مسلمانوں کا پلڑا بھل جاتا تھا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کو جو پیش والے تھے اور جہاد فی سبیل اللہ پر ان کو اور زیادہ ابھارتے رہے۔ آپ خود بھی ان کے دوش پہ اپنے گھوڑے پر موجود تھے اور آپ نے وہ رہا میں بہت رکھی تھیں اور اپنے سر اور چہرہ مبارک کو دو خونخوار کتے کی بیزوں خود اور بوسے کی ٹوپی کے ذریعہ محفوظ کیا ہوا تھا۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے یہود کے اکثر قلعے فتح کر دئے اور ان کی بہت سی عورتیں اور بچے مسلمانوں کے ہاتھوں میں قیدی بن گئے۔

یہ صورت حال دیکھ کر یہود نے اپنے لئے اس کے علاوہ اور کوئی

چارہ کار نہیں پایا کہ وہ اپنی جان اور مال بچانے کی خاطر آپ سے صلح کر لیں۔ چنانچہ انہوں نے اپنا ایک وفد جس کا امیر کنانہ بن ابی الحقیق تھا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بات چیت کے لئے بھیجا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے اس شرط پر صلح قبول کی کہ ان کی جو زمینیں فتح کی گئی ہیں مسلمانوں کی ملکیت بن چکی ہیں ان زمینوں پر یہ یہود کاشت و زرعہ کریں اور اس سے جو پھل حاصل ہو گا وہ آدھا مسلمانوں کا ہو گا اور آدھا ان کے ہو گا۔

یہودیوں کے ساز و سامان اور اسلحہ کا بڑا حصہ مسلمانوں کو مالِ فیتہ کے طور پر ملا لیکن یہود کے وہ اموال اور سونا جو بنو قینقاع اور بنو نضیر مدینہ منورہ سے نکلے وقت اپنے ساتھ لے گئے تھے اس میں سے مسلمانوں کو کچھ نظر نہ آیا۔ چنانچہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کنانہ سے ان کے بارے میں دریافت فرمایا تو اس نے کہا:

اے ابو القاسم رسل اللہ علیہ وسلم، ان چیزوں کو ہم نے سامانِ جنگ پر خرچ کر ڈالا اس لئے اس میں سے ہمارے پاس کچھ بھی نہ بچا اور پھر اپنی بات کی سہانی کے اظہار کے لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے خدا کی قسم بھی اٹھائی۔ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اگر تمہارے پاس تمہارے اموال اور سونے کا کچھ بھی حصہ ہو تو تم اللہ اور اس کے

رسول کے ہندو مہر سے بری ہو گئے؟ کتنا دنے جواب میں کہا: جی ہاں بالکل ٹھیک ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات پر یہود اور مسلمانوں کی ایک جماعت کو گواہ بنالیا اور پھر یہود کے ان اموال اور سونے کی تلاش کا حکم دیا جن کے پائے جانے کا کتنا دنے انکار کیا تھا اور اس پر قسم اٹھائی تھی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے بعض ان یہودیوں سے جن کا کتنا دنے سے رابطہ تھا اس سلسلہ میں تحقیق شروع کر دی تو ان میں سے ایک یہودی نے یہ اعتراف کیا کہ اس نے کتنا دنے کو یہود کے ان کھنڈرات میں سے ایک کھنڈر کے پاس پھرتے ہوئے دیکھا تھا مسلمانوں کو اس سے یہ بات صاف معلوم ہو گئی کہ یہود کے اموال ان کھنڈرات میں سے کسی کھنڈر میں ہی موجود ہیں۔

یہ بات سن کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کھنڈرات کی تلاش اور ان کی زمینوں کے کھودنے کا حکم دیا، چنانچہ کھنڈرات کی تلاشی لی گئی اور ان کی زمینیں کھودی گئیں تو ایک خوب صورت مکان کا بنا ہوا ایک تختیلا ملا جس میں یہود کے زیورات چھپائے گئے تھے۔ چنانچہ یہ زیورات نکالے گئے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ کتنا دنے کو دکھائے تو اس نے اس کا ہتھڑا کر لیا اور ان طرح سے اس کا قتل کرنا درست ہو گیا اور اس کو قتل کر دیا گیا۔

پھر مسلمان یہودیوں کے قلعوں میں داخل ہو گئے اور اس کا سامان نکالنے لگے لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں منادی کرادی رکھا جی لو اور جانوروں کو کھلا دو لیکن اسے ساتھ کچھ اٹھا کر دے جاؤ اور اس طرح سے مسلمانوں نے اپنے ہندو یہودیوں کے سامان و دیگر چیزوں سے روک لئے سوائے اس کے جس کی ان کو اپنے کھانے پینے یا اپنے جانوروں کو کھلانے کی ضرورت تھی تاکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر عمل کر سکیں۔

یہود کے ہتھیار ڈالنے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ نہایت نرم برتاؤ کیا اور ان کو توراۃ کے وہ حصے بھی واپس کر دیے جو مال غنیمت میں مسلمانوں کا حصہ بن گئے تھے۔

یہودیوں کے سابق سردار حبیب بن اخطب کی بیٹی اور کتنا دنے ابی الحقیق کی بیوی کو یہ اعزاز پیشا کہ اس کو قیدیوں کی صف سے اٹھا کر مسلمانوں کی ماؤں کی صف میں کھڑا کر دیا۔ جو ابیوں کو قیدی عورتوں میں سے حضرت صفیہ حضرت دحیہ کلبی کے حصہ میں آئی تھیں مسلمانوں میں سے ایک صاحب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! کیا آپ فریڈ اور نصیر کی سردار صفیہ کو حضرت دحیہ کو دے رہے ہیں حالانکہ وہ قومیت آپ کی شان کے ہی لائق ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان کو بلاؤ تا کہ انہیں کوئی دوسری باندی دے دیں۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ صفیہ کو لایا جائے چنانچہ ان کو اور ان کی ایک چچا زاد بہن کو حضرت بلال لے کر آئے اور راستہ میں ان کا گذر یہود کے مقتولین کی لاشوں اور ان کے جسم کے ٹکڑوں پر سے ہوا۔ جب صفیہ اور ان کی چچا زاد بہن نے اپنی قوم کی لاشوں کو دیکھا تو رونے لگیں اور ان کی چچا زاد بہن چلانے لگی اور بہت زور زور سے چیخنے لگی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت بلال کا یہ فعل اچھا نہ لگا اور آپ نے یہ فرما کر نکمیر کی: اے بلال کیا تم سے شفقت و رحمت چھین لی گئی تھی کہ تم دو عورتوں کو ان کی قوم کی لاشوں کے پاس سے گزرتے گزدرے۔

حضرت بلال نے ہذر خواہی کرتے ہوئے فرمایا: اے اللہ کے رسول! مجھے یہ معلوم نہ تھا کہ آپ اس فعل کو ناپسند فرمائیں گے اس لئے میں نے چاہا کہ یہ دونوں اپنی قوم کی شکست کا مشاہدہ کر لیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صفیہ کی چچا زاد بہن حضرت حبیبہ کو دے دی اور صفیہ کو آزاد کر دیا اور ان کے سلمان ہونے پر ان سے نکاح کر لیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود کے ساتھ جو نرمی برتی تھی،

اس سے وہ اپنی حکومت کے زوال اور اپنے اور عیسائیوں کے فتنات کو نہ بھول سکے چنانچہ وہ دل ہی دل میں حد اوت رکتے تھے اور آپ کو نقصان پہنچانے کے درپے رہتے تھے۔ چنانچہ اس کی ایک مثال یہ بھی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس یہود کی عورتوں میں سے ایک عورت مرحبہ کی بہن زینب بنت الحارث آئی اور اپنے بھائی کا ایک بھنا ہوا جبہ لائی اور اس کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بطور پیشکش کیا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا اور وہ دنہ آپ کے سامنے رکھ دیا گیا۔ آپ نے صحابہ کو اس کھانے میں شرکت کے لئے بلایا اور پھر آپ نے اس کی دست کی جانب اپنا دست مبارک بڑھایا اور اس میں سے ایک ٹکڑا اٹھایا۔ آپ کو دست کا گوشت ہی پسند تھا، آپ نے اسے منہ میں رکھا اور جیانا شروع کیا اور پھر اچانک فوراً ہی اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کو اشارہ فرمایا کہ کھانے سے رک جائیں اور فرمایا:

لو تھروکوا! اس لئے کہ یہ دست مجھے جتنا ہی ہے کہ اس دنہ میں زہر ملایا گیا ہے۔ یہ سن کر حضرت بشر بن براہ جنہوں نے اس دست کا ایک ٹکڑا چبا لیا تھا یہ کہا: اے اللہ کے رسول! چھانچھو اس ٹکڑے میں یہ بات محسوس ہوئی تھی جو میں نے کھایا تھا لیکن میں اس کو اس لئے



دھبیک سا کہ آپ کا کھانا ہمزہ ہو جائے گا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے زینب کو بھایا، جب وہ آگئی تو آپ نے نہایت غصہ میں فرمایا: کیا تم نے دست میں زہر ملا یا تھا؟ اس نے کہا: آپ کو کس نے بتلایا؟ آپ نے فرمایا: دست کے گوشت نے۔ اس نے اقرار کر لیا، آپ نے پوچھا: تم نے ایسا کیوں کیا؟ اس نے کہا: آپ نے میرے باپ چچا و شوہر کو قتل کر ڈالا اور میری قوم کو جو سزا دینا تھی وہ دی تو میں نے سوچا کہ آپ اگر نبی ہوں گے تو ذنب آپ کو مطلع کر دے گا اور اگر اور بادشاہوں کی طرح ہوں گے تو آپ سے ہماری جان چھوٹ جائے گی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے معاف کر دیا اور چھوڑنے کا حکم دے دیا بلکہ کچھ دیر بعد بشر کی حالت وگڑ گئی اور جلد ہی انتقال کر گئے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب خیبر سے روانہ ہوئے گا ارادہ فرمایا تو حضرت معاذ بن جبل کو وصیت فرمائی کہ یہود کے ساتھ اچھا برتاؤ کرے اور ان کو حکم دیا کہ ان یہودیوں کو ان کے دین پر برقرار رہنے دیں اور ان کو ان کے دین کے بارے میں تنگ نہ کریں۔ اور پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وادی قریئہ کے یہودیوں کا

رخ کیا وہ لوگ جنگ کے لئے تیار ہو گئے اور آپ سے جنگ شروع کر دی مگر وہ لوگ زیادہ دیر نہ رک سکے اور انہوں نے بھی خیبر کے یہودیوں کی طرح آپ سے صلح کر لی۔

لیکن مذک کے یہودیوں پر عرب بیٹھ گیا تھا اور خیبر کی خبروں نے ان کے دلوں پر بہت ہلاری کر دی تھی۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے پاس جیسے ہی یہ پیغام بھیجا کہ وہ یا تو آپ کی رسالت کو مان لیں یا انہیں یا اپنے مال و دولت سے دستبردار ہو جائیں تو انہوں نے فوراً نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اپنا ایک وفد اپنے اموال کے نصف کے دینے پر صلح کے لئے بھیج دیا۔

یہاں تک کہ یہود نے بغیر لڑائی اور جنگ کے اس جزیرہ کے دینے پر آمادگی ظاہر کر دی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر مقرر کیا تھا اور اس طرح جزیرہ عرب کے یہودی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جھک گئے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کی شان و شوکت اور قوت ختم کر کے ان کے شرو و فتنے سے محفوظ ہو گئے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب خیبر کے یہودیوں کا رخ کیا تو قریش کی اکثریت یہ سمجھ رہی تھی کہ آپ خیبر کے یہودیوں کا مقابلہ نہ کر سکیں گے اور ان سے شکست کھا جائیں گے اس لئے کہ انہیں خیبر

کے یہودیوں کی طاقت کا علم تھا اور وہ ان کے قلعوں کی مضبوطی اور محنت  
 ہونے کو بخوبی جانتے تھے اور یہ بھی جانتے تھے کہ ان یہودیوں کو اپنے کثیر  
 مال اور سرسبز و شاداب کھیتوں کا بہت ٹکڑا ہے اور ان کو پورا یقین تھا کہ  
 یہود کا اپنی طرف سے مدافعت کرنا ان کے لئے زندگی موت کا سوال ہے۔  
 اس لئے انہیں یہ امید تھی کہ ان کو ایسی خبریں ملیں گی جن سے ان کے دلوں  
 کو سرور حاصل ہوگا اور جو ان کے سینوں کے لئے ٹھنڈک کا سامان بہم پہنچائی  
 گی اور ان کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شکست اور نقصان اٹھانے کا  
 ایسا یقین تھا کہ قریش کے ان چند افراد کے ساتھ سو یہ کہتے تھے کہ محمد  
 (صلی اللہ علیہ وسلم) غلبہ حاصل کر لیں گے اور فتح پالیں گے ان سے سو  
 اونٹوں کی قیمت کی شرط لگاتے تھے۔

اور پھر قریش کو اطلاع مل گئی اور پہلی خبر اس طرح سے پہنچی کہ  
 حجاج بن عطاء سلمیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس خبر آیا اور آپ  
 کے دست مبارک پر اسلام قبول کیا۔ چھ ماہ کی بیرونی اور مال و دولت مکہ  
 میں تھی اسے یہ ڈر ہوا کہ اگر قریش کو اس کے مسلمان ہونے کی اطلاع  
 مل گئی تو وہ اس کے مال کو لوٹ لیں گے اس لئے اس نے چارہ کسی حیلہ  
 و بہانہ سے اپنے احوال کو ان سے چھڑا لے، چنانچہ جب رسول اللہ صلی اللہ  
 علیہ وسلم اہل خیبر کو غالب آگئے تو یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت

میں حاضر ہوئے اور آپ سے عرض کیا۔  
 اے اللہ کے رسول! مکہ میں میری بیوی ہم شیعہ بنت ابی طلحہ کے پاس  
 میرا مال و دولت ہے اور کچھ مال مکہ کے شیعہ تاجروں کے پاس ہے اس  
 لئے آپ مجھے اس بات کی اجازت دے دیں کہ میں اس کو کسی تاجر وحید سے  
 اکٹھا کر لوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اس بات کی یہ کہہ کر اجازت  
 دے دی کہ وہ پتا ہو کہہ دو۔

چنانچہ حجاج خیبر سے مکہ کے ارادہ سے نکلے جب وہ اس کے قریب  
 پہنچ گئے تو مکہ والوں کی ایک جماعت سے ان کی ملاقات ہوئی جو اس لئے  
 مکہ سے نکلے تھے تاکہ مسافروں اور گزرنے والوں سے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)  
 کی خبریں معلوم کر لیں، انہوں نے جب ان کو دیکھا تو چیخے پڑے کہ وہ دیکھو  
 حجاج بن عطاء آ رہے ہیں ان کے پاس محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خبر یہ ضرور  
 ہوں گی۔

پھر وہ سب کے سب ان کے گرد جمع ہو گئے اور ان سے محمد (صلی اللہ  
 علیہ وسلم) اور ان کے ساتھیوں کی خبریں اور حالات معلوم کرنے لگے لیکن ان  
 کو قطعاً معلوم نہ تھا کہ حجاج اسلام قبول کر چکے ہیں۔ چنانچہ حجاج نے ان سے کہا:  
 محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) مکہ کے بارے میں میرے پاس ایسی خبر ہے جو تم سب کو سرور  
 اور خوش کر دے گی، یہ سن کر سب کے سب حجاج کی ادنیٰ سے پسٹ گئے اور اس

کو پہننے سے روکنے گئے تاکہ وہ ان کو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خبر یہ بتلا دیں۔  
اور یہ کہنے لگے: اے حجاج بتلاؤ کیا خبر ہے۔

حجاج نے کہا: انہیں ایسی زبردست شکست اٹھانی پڑی ہے جس کی مثال  
نہیں ملے گی اور ان کے ساتھیوں کو ایسا قتل کیا گیا ہے جس کی نظیر قتل نہ  
دیکھی ہوگی اور نہ سنی ہوگی اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قید کر لیا گیا ہے اور  
یہودیوں نے یہ کہلے کہ ہم ان کو اس وقت تک قتل نہیں کریں گے جب  
تک کہ انہیں اہل مکہ کے پاس نہ بھیج دیں تاکہ وہ انہیں اپنے سامنے ان لوگوں  
کے بدلے میں قتل کر دیں جنہیں انہوں نے مارا تھا۔

لوگ خوشی کے مارے نعرے بلند کرنے لگے اور ان کے ساتھ چلنے  
لگے یہاں تک کہ جب مکہ میں داخل ہو گئے تو دہلیز والوں کو یہ کہہ کر داخل  
دینے لگے کہ: محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بارے میں ہمیں جو خبر کا انتظار تھا  
وہ خبر آگئی اور اب تمہیں اس وقت کا انتظار کرنا پڑے گا جب ان کو یہاں  
لا کر تمہارے سامنے قتل کیا جائے گا۔

اہل مکہ جلد ہی جلد کا حجاج کے پاس پہنچے اور ان سے اس خبر کی  
تصدیق کرنے لگے اور وہ ان کے سامنے اس کی تصدیق کرتے رہے اور  
کہنے لگے: اے میرے ساتھیو! میرا جو مال مکہ میں ہے اس کے اکٹھا کرنے میں میری  
مدد کرو اس لئے کہ میں چاہتا ہوں کہ دوسرے تاجروں کے وہاں پہنچنے سے

پہلے خبر جائیں اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کے ساتھیوں کی شکست سے  
قائدہ اٹھالوں۔

اہل مکہ نے نہایت جیسے نشاط اور بہت سے جلد ہی جلدی حجاج کے  
اموال کو چھین لیا۔ کئی کئی سالوں تک محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بارے میں حجاج کی نقل کردہ  
خبر آپ کے چچا حضرت عباس بن عبد المطلب کو پہنچی تو ان کو اس سے شدید  
صدمہ ہوا اور وہ اپنے آپ پر قابو نہ پاسکے اور حجاج کے پاس آئے اور ان  
سے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بارے میں مشہور خبر کی تنہائی میں تصدیق چاہی۔  
حضرت حجاج نے غم سے کہہ دیا کہ حضرت عباس کو اپنے بھتیجے کی خبر کا کتنا  
صدمہ ہے اس لئے انہوں نے ان سے کہا:

میں آپ کے پاس تنہائی میں آؤں گا اور جو خبر میرے پاس ہیں  
وہ آپ کو بتلا دوں گا۔ پھر جب حجاج اپنا تمام مال جمع کر چکے اور سفر کی تیاری  
مکمل کر لی تو حضرت عباس کے پاس آئے اور ان سے کہا:

اے ابوالفضل میری خبر تین دن تک اپنے تک ہی محدود رکھئے گا  
پھر اس کے بعد جو چاہیں کریں۔ حضرت عباس نے یہ وعدہ کر لیا تو حجاج نے ان  
سے کہا: بھد! بات دراصل یہ ہے کہ میں آپ کے بھتیجے کو صحیح سلامت ایسے وقت  
میں چھوڑ کر آیا ہوں جب ان کی شادی خیمہ کے سردار کی بیٹی صلیب بنت حبی  
سے ہو رہی تھی اور وہ خیمہ فوج کے کپتان تھے اور جو کچھ دلوں تھا وہ سب اپنے

قبضے میں کر چکے تھے اور وہ تمام چیزیں ان کی اور ان کے ساتھیوں کی ہو گئی تھیں۔

حضرت عباسؓ یہ سن کر دہشت زدہ ہو کر کہنے لگے: اے مجاہد تم کیا کہہ رہے ہو؟ مجاہد نے کہا: بخدا میں بالکل سچی بات کہہ رہا ہوں اور میں نے اس کا انکار اس لئے کیا تھا اور اپنے مسلمان ہونے کو نفی صرف اس لئے رکھا تھا تاکہ مکہ سے اپنے اموال نکال کر لے جا سکوں۔

حضرت مجاہدؓ چھوڑ کر رخصت ہو گئے اور جب تین دن گذر گئے تو قریش نے دیکھا کہ حضرت عباسؓ نے نہایت شاندار پوشاک پہنی ہوئی ہے اور خوشبو لگائی ہوئی ہے اور ہاتھ میں عصائے ہونے کعبہ کے ارد گرد طواف کر رہے ہیں۔

قریش حضرت عباسؓ کی اس حالت کو دیکھ کر دہشت میں پڑ گئے لیکن پھر عجب وہ ان کی طرف متوجہ ہوئے اور ان سے کہنے لگے: اے ابو الفضل بخدا یہ مصیبت کی سختی کا جو انفرادی سے مقابلہ کرنا ہے تو حضرت عباسؓ نے نہایت اطمینان سے ان کو جواب دیا کہ: ہاں ہاں ہرگز نہیں ہے، قسم ہے اس ذات کی جس کی تم نے قسم کھاؤں، بات یہ ہے کہ محمدؐ صلی اللہ علیہ وسلم، خیر فہم کر چکے ہیں اور اس کے تمام اموال اکٹھا کر چکے ہیں اور وہ ان کی اور ان کے ساتھیوں کی ملکیت بن گئے ہیں اور انہوں نے ان کے سردار حیی بن اخطب

کی بیٹی سے شادی کر لی ہے۔

ان کی یہ بات سن کر یہ لوگ شک پیدا نہ کئے اور ان سے پوچھنے لگے: باب کو یہ اطلاع کس نے دی ہے؟ انہوں نے فرمایا: اسی نے جس نے تمہیں وہ خبر دی تھی جو تم مشہور کر رہے ہو، وہ شخص مسلمان ہو کر تمہارے پاس آیا تھا اور اپنا مال و دولت لے گیا اور اب وہ یہاں سے رخصت ہو گیا ہے تاکہ محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کے ساتھیوں کے ساتھ مل جائے۔

یہ بات سن کر وہ مہبوت ہو گئے اور نہایت صدمہ کی حالت میں انہوں نے کہا: خدا کا دشمن جان بچا کر بھاگ گیا، بخدا اگر ہمیں یہ بات معلوم ہو جاتی تو ہمارا اس کے ساتھ عجیب معاملہ ہوتا۔

اور پھر اس کے کچھ وقت کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی فتح و غلبہ کی خبریں قریش کے پاس مسلسل پچے بعد و بگڑے آنے لگیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ واپس لوٹ آئے اور پھر وہاں آپ کے پاس آپ کے دو قاصد یکے بعد دیگرے آئے تھے جنہیں خطوط دے کر آپ نے بادشاہوں اور حکومتوں کے سربراہوں کے پاس اسلام کو قبول کرنے کی دعوت کے سلسلہ میں بھیجا تھا۔ ان میں سے بعض ایسے تھے جو اچھا جواب لائے تھے اور بعض ایسے تھے جو تاپندیدہ جواب لائے تھے بعض ایسے تھے

جی کا جواب متوسط تھا نہ اچھا نہ بُرا۔

چنانچہ روم کے قیصر ہرقل نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مدعوہ و اچھا جواب بھیجا تھا اس کے باوجود کہ وہ اسلام میں داخل نہ ہوا تھا لیکن اس نے پھر بھی شائستہ جواب ارسال کیا اور حبیب حیرہ کے بادشاہ حادث غسانی نے اس کو یہ لکھا کہ اسے محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ کی اس نے اجازت دے دی جانے کہ انہوں نے اس کے پاس ایسا خط کیوں لکھا تو ہرقل نے اس معاملہ کو رد کر دیا۔

فارس کے کسریٰ کو جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مکتوب ملا تو وہ سخت ناراض ہوا اور اس نے آپ کا نام مبارک پارہ پارہ کر دیا اور زمین میں اپنے گورن کو یہ حکم کچھ کر بھیجا کہ وہ اس کے پاس جھانڈے اس شخص کا سر لے کر آئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے قاصد کی زبانی جب یہ معلوم ہوا کہ کسریٰ نے آپ کے لازمی نامہ کو چاک کر ڈیا ہے تو آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اس کی حکومت کو ٹوٹے ٹکڑے کرے۔ چنانچہ اس کے بعد کسریٰ برویز زیادہ عرصہ تک حکومت نہ کر سکا اور اس کو قتل کر دیا گیا اور اس کی جگہ اس کا بیٹا شیرویہ بادشاہ بن گیا، یمن پر غاکر سس کی طرف سے مقرر کردہ گورنر نے اپنی جمع لٹے سے اندازہ کر لیا کہ فارس کی حکومت ختم ہونے والی ہے تو وہ

اسلام لے آیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے یمن کا گورنر بن گیا۔

اسی طرح یمن اور عمان کے امیروں و حاکموں نے بھی اچھا جواب نہ دیا، یاکہ کے حاکم نے لکھا کہ وہ اسلام قبول کرنے پر تیار ہے بشرطیکہ اسے حاکم مقرر کر دیا جائے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے پسند نہ کیا اور اس کے اسلام کو قبول نہ فرمایا۔

لیکن امیر بحرین خود بھی مسلمان ہو گیا اور اس کے ساتھ حکومت کے دیگر افراد نے بھی اسلام کو قبول کر لیا، مصر کے حاکم مقوقس نے اگرچہ اسلام کو قبول نہیں کیا لیکن جواب اچھا دیا اور ساتھ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ایک ہدیہ بھیجا جو دو ہاندیوں ماریہ اور شیرین اور ایک خچر ایک گدھے اور کچھ مال اور مصر کی عمدہ چیزوں پر مشتمل تھا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہدیہ قبول فرمایا اور دونوں ہاندیوں میں سے ایک ہاندی شیرین کو حضرت حسان بن ثابت کو ہدیہ کے طور پر دے دیا اور دوسری ہاندی ماریہ کو اپنے لئے رکھ لیا۔

حبشہ کے بنی حاشی نے اسلام قبول کر لیا اور اپنی ہاندیوں میں سے ایک ہاندی کو حضرت ام حبیبہ رمل بنت ابی سفیان کے پاس بھیجا اور ان سے یہ درخواست کی کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح سے آجائیں، حضرت ام حبیبہ اس شرف کو سن کر بہت خوش ہوئیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم انہیں جیزاز

بخش رہے ہیں اور بنی ہاشمی نے ان کے پاس اس سلسلہ میں جو پیغام بھیجا تھا وہ انہوں نے قبول کر لیا۔ چنانچہ بنی ہاشمی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شادی ان سے کر دی اور آپ کی طرف سے ام حبیبہ کو مہر کے طور پر چار سو دینار دیئے۔

بنی ہاشمی نے اپنی کشتیوں میں سے دو کشتیوں میں مسلمانوں کو سوار کر کے حبشہ سے حجاز بھیج دیا ان مسلمانوں میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زاد بھائی حضرت جعفر بن ابی طالب اور ام حبیبہ بھی تھیں جو اب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اہلیہ اور تمام مسلمانوں کی ماں بن چکی تھیں۔

اہل مدینہ نے حبشہ سے واپس آنے والے مسلمانوں کا نہایت گرم گروہش سے استقبال کیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چچا زاد بھائی حضرت جعفر سے مل کر بہت خوش ہو رہے تھے۔ چنانچہ آپ نے انہیں سینے سے لگا لیا اور پیشانی پر بوسہ دیا اور فرمایا:

مجھے معلوم نہیں کہ میں دو چیزوں میں سے کس کی وجہ سے زیادہ خوش ہوں فتح غیر کی وجہ سے یا جعفر کے واپس آتے کرانے کی وجہ سے۔



## عمرۃ القضا

لَا تَعْدُ صَدَقَاتُ اللَّهِ مَكْرُومَةً  
الْمَرْءُ يَأْتِي النَّفَقَاتِ يَخْلُقُ الْمَسْجِدَ  
الْعِزَامُ إِنَّ شَأْنَهُ اللَّهُ أَمِينٌ.  
مُحَمَّدٌ رُؤُوسُكُمْ وَمُحَمَّدٌ قَصِيرٌ  
لَا تَخَافُونَ، الْفَتْحُ ۶۰

اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو جو خواب دکھایا تھا اس کو پورا کرنے کا ارادہ فرمایا اور وہ وقت مقررہ قریب آپ پہنچا جس کے لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور قریش کا یہ معاہدہ ہوا تھا کہ آپ مسلمانوں کے ساتھ بیت اللہ کی زیارت کے لئے مکہ مکرمہ میں داخل ہوں گے تاکہ صلح حدیبیہ کا معاہدہ پورا ہو جائے۔

چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے منادی نے مدینہ منورہ میں یہ اعلان کیا کہ جو صلح حدیبیہ کے موقعہ پر موجود تھا اسے چاہیے کہ وہ عمرۃ القضا کے لئے نکلے اور پیچھے ہرگز نہ رہے۔

مدحیہ والوں نے اس اعلان پر فوراً ایک کہا اس لئے کہ انہیں اس بات کی خوشی تھی کہ ان کی وہ آرزو پوری ہو گئی جس کے پورا کرنے کا وہ پورے ایک سال سے انتظار کر رہے تھے اور وہ سب کے سب اس بیت اللہ کی زیارت کے مشاق تھے جس کی زیارت سے مسلمانوں کو روک دیا گیا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مدحیہ کے موقع پر جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ کے ساتھ تھے انہوں نے عمرو کی تیاری کر لی اور نکل پڑے اور ان کے ساتھ اور بھی بہت سے مسلمان شریک تھے چنانچہ سب ملا کر وہ ہزار افراد ہو گئے جبکہ گذشتہ سال یہ حضرات ایک ہزار چار سو تھے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سو شہسواروں کو ہتھیاروں سے مسلح کر دیا جن کے قائد حضرت محمد بن مسلمہ تھے ان حضرات کو اپنے آگے آگے رکھا تاکہ اچانک حملہ اور دشمن کے غدر سے محفوظ رہ سکیں اور ان مسلح افراد کو یہ حکم دیا کہ جب یہ مقام مرا نظر ان پہنچ جائے تو حرم مکہ میں داخل نہ ہوں بلکہ مرا نظر ان کے قریب کسی داوی میں ٹھہر جائیں۔

ان مسلح شہسواروں کے علاوہ باقی تمام مسلمان غیر مسلح سفر کرنے لگے اور ان کے پاس صرف وہ ہتھیار تھا جو مسافر کے پاس ہوتا ہے یعنی نیام میں رکھی ہوئی تلوار۔ ان حضرات کے آگے آگے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قصوی نامی اونٹنی پر سوار تھے اور ان سب کے آگے ناجیہ بن جندب قربانی اور

قدیہ کی ساطع اونٹنیاں لے کر چل رہے تھے۔

حضرت محمد بن مسلمہ شہسواروں کی جماعت کو لے کر مرا نظر ان پہنچ گئے وہ ان کی ملاقات قریش کی ایک جماعت سے ہوئی ان لوگوں نے ان سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے ان سے کہا کہ کل صبح انصار اللہ اس جگہ پہنچ جائیں۔ قریش کے افراد ان مسلح حضرات کو دیکھ کر خوفزدہ ہو گئے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے یہاں پہنچ گئے تھے اور جلدی سے نکلا جا کر اپنی قوم کو صورت حال سے باخبر کیا اور ان کو بتلایا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم، جلد ہی ان تک پہنچنے والے ہیں، وہ لوگ بے کچھ رہے تھے کہ آپ ان سے جنگ کی نیت سے آرہے ہیں۔

قریش یہ اطلاع پا کر بہت گھبرائے اور اپنا ایک وفد جن کا سربراہ مکہ بن حفص تھا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس یہ دریافت کرنے بھیجا کہ آپ اس مسلح و معاہدہ کو کس وجہ سے توڑ رہے ہیں جو پہلے سے ہو چکا تھا۔ قریش کا وفد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملا اور مکہ نے آپ سے پوچھا: اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ نے نہ یمن میں غداری کی اور نہ بڑے ہونے کے بعد، کیا آپ حرم میں مسلح ہو کر داخل ہوں گے حالانکہ یہ طے ہو گیا تھا کہ آپ صرف وہ ہتھیار ساتھ لے کر آئیں گے جو مسافر ساتھ رکھتا ہے اور وہ نیام میں رکھی ہوئی تلواres ہوتی ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کو جواب دیا: میں حرم میں ہرگز  
بھی ہتھیار لے کر نہ آؤں گا تو مکہ نے کہا: اسے محمد صلی اللہ علیہ وسلم، ہم  
نے آپ کو نیکی اور وعدہ پورا کرنے والا ہی پایا ہے۔ یہ سن کر مکہ نے اور اس کے  
ساتھ چلے گئے تاکہ قریش کو بتا دیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے وعدہ پر  
قائم ہیں اور انہوں نے وعدہ نہیں توڑا ہے اور وہ عمرہ و زیارت کی نیت  
سے ہی آ رہے ہیں اور ہتھیار مکہ میں داخل نہیں ہوں گے۔ قریش کے چھوٹے  
اور بڑے سب کے سب جلدی جلدی مکہ سے نکلے گئے اور بعض بعض سے  
یہ کہنے لگے: جلدی سے نکل چلو تاکہ ہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم، اور ان کے  
ساتھ یوں کو داخل ہوتے ہوئے نہ دیکھ لیں۔

چنانچہ قریش سب کے سب مکہ مکرمہ سے نکل گئے اور یوں اور اپنی  
جگہوں پر چلے گئے جہاں انہوں نے اپنے لئے خیمہ ڈال رکھے تھے تاکہ مکہ کو  
مسلمانوں کے لئے خالی کر دیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ سے باہر  
ایک وادی میں سوشہسواروں کے ساتھ اپنے درو سوا دی اور چھوڑ دیئے  
اور ذی طوی نامی مقام پر ان ہدیے جانوروں کو روکنے کا حکم دے دیا پھر  
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ کا رخ کیا اور آپ کے صحابہ آپ کے اوگرد  
تھے۔ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے قصوہ کی اونٹنی کی ٹھیک پکڑی ہوئی  
تھی اور اس کو لے کر چل رہے تھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس اونٹنی پر

سوار تھے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں داخل ہو گئے وہ مکہ جہاں سے  
آپ رات کو چپکے سے چپتے چپلے نکلے تھے۔ وہ مکہ جہاں سے آپ قریش  
سے بھاگ کر نکلے تھے اور اس وقت آپ کے ساتھ صرف آپ کے دوست  
حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور ایک غلام تھا، اس مکہ مکرمہ میں اب آپ  
اس شان سے داخل ہو رہے تھے کہ اس کو قریش نے آپ کے لئے خالی کر  
دیا تھا اور اس وقت آپ کے ساتھ دو ہزار مسلمان تھے۔

اے رب آپ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا کس بڑائی اور مجاہد  
کے ذلیلہ اعزاز و اکرام کیا ہے۔

مکہ کے ارد گرد کے پہاڑوں اور بلند و بالا چٹانوں سے ٹوٹ کر  
بار بار یہ آوازیں آرہی تھیں:

لَبَّيْكَ اللَّهُمَّ لَبَّيْكَ لَبَّيْكَ لَا  
شَرَّ لَكَ لَبَّيْكَ إِنَّ الْحَمْدَ  
وَالْبِعْثَةَ لَكَ وَالْخُلُقَ  
لَشَرِّكَ لَكَ۔

یہ وہ حمیہ تھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبان مبارک  
سے ادا کیا اور پھر آپ کے پیچھے دو ہزار مسلمانوں نے اسے دہرایا شروع کر دیا



ٹیوں اور پہاڑوں پر سے قریش جھانک جھانک کر دیکھنے لگے اور نہایت حیرت اور تعجب سے اس عظیم الشان قدوسی جلال کو دیکھتے رہ گئے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمان تبلیہ پڑھتے رہے یہاں تک کہ کعبہ کے پاس پہنچ گئے اور پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہرام کی چادر کو بخل کے نیچے سے نکال کر کانٹے پر ڈال لیا یعنی دایاں بازو اور کانٹا نہ اہرام کی چادر سے باہر نکال لیا اور پھر فرمایا: اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحم کرے جو آج ان قریش کے سامنے یہاں رہا اور طاقت کا مظاہرہ کرے۔

چنانچہ حضرت عبداللہ بن رواحہ مسلمانوں کی بڑائی اور عظمت اور شکر کے خلاف جھگڑانے والے اشعار پڑھنے لگے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اس سے یہ کہہ کر منع فرمادیا: اے ابن رواحہ رک جاؤ یہ کہو:

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ  
صَدَقَ وَعْدُهُ وَلَقَدْ  
عَبْدُهُ وَأَعَزَّ جُنْدُهُ  
وَهَزَمَ الْأَخْزَاءَ وَوَحَّدَهُ  
نہیں ہے کوئی معبود سوائے ایک اکیلے  
اللہ کے اس نے اپنا وعدہ بجا کر دکھایا،  
اور اپنے بندہ کی مدد کی اور اپنے لشکر کو  
عزت بخشی اور تمام جہاتوں اور لشکروں  
کو خوار کیا یہ تنہا شکست دے دی۔

چنانچہ حضرت عبداللہ نے یہ پڑھنا شروع کر دیا اور مسلمانوں نے

بھی اسے دہران شروع کر دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجر اسود کا استلام کیا اور حجر کعبہ کے ارد گرد طواف شروع کر دیا۔ کبھی چلتے گتے اور کبھی دوڑتے گتے اور جب بھی کعبہ کے ارکان (ستاروں) میں سے کسی دکن (دکنارے) پر پہنچتے تو اس پر اپنا ہاتھ مبارک پڑتے یہاں تک کہ اس طرح سے آپ نے تین طواف پورے کرنا پھر وہاں سے صفا آئے اور صفا اور مروہ کے درمیان سعی کی سات ہیکر لگائے۔ پھر مروہ کے قریب ایک جگہ پر کھڑے ہوئے جہاں آب کے صیاب رضی اللہ عنہم ہدی کے جانور لے آئے تھے چنانچہ آپ نے ان کے ذبح کرنے کا حکم دیا اور آپ یہ فرما رہے تھے: یہ ذبح کرنے کی جگہ ہے اور مکہ کی تمام گھاٹیاں ذبح کرنے کی جگہ ہیں:

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا سر مبارک منڈایا اور تمام مسلمانوں نے بھی اپنا سر منڈا لیا اور اس طرح سے سب کے سروں کے مناسک دارکان پورے ہو گئے۔

اور اس طرح سے مسلمانوں نے اپنے اس کعبہ کی زیارت کی حمد کے وہ شدید مشتاق تھے اور جب کے طواف کے لئے وہ ایک طویل عرصہ سے خواہشمند تھے۔ مہاجرین نے اس بیت اللہ کے حرم میں بیٹھ کر سکون حاصل کیا جس سے وہ ایک زمانہ سے محروم تھے اور مکہ کے راستوں اور گھاٹیوں میں پھرنے لگے جہاں ان کے وہ مکانات تھے جنہیں یہ اللہ کی راہ میں اپنے

بچے چھوڑ آئے تھے اور یہ مہاجرین اپنے انصاری بھائیوں کے ساتھ اصر  
اور محوم کر ان کو اپنے قصہ گوئی کے جلسوں اور اپنی یادگاریں دکھانے لگے۔  
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ کے گھروں میں سے کسی گھر میں نہ  
ٹھہرے بلکہ آپ نے خیمہ لگانے کا حکم دیا اور آپ کے ٹھہرنے کے اہل مقام  
پر خیمہ لگا دیا گیا یہاں آپ نے قیام فرمایا اور اس طرح سے ان تین دنوں میں  
سے پہلا دن گزر گیا جن تین دن ٹھہرنے کی قریش نے مسلمانوں کو اجازت دی  
تھی۔ جب دوسرا دن ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیت اللہ میں تشریف  
لائے اور وہاں تشریف فرما ہو گئے اور صحابہ رضی اللہ عنہم آپ کے ارد گرد بیٹھ  
گئے۔ یہاں تک کہ جب ظہر کا وقت ہوا تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ ظہر کی  
اذان دینے کے لئے بیت اللہ کی چھت پر چڑھ گئے اور ان کی یہ کیفیت  
میٹھی میٹھی آواز مکہ اور اس کے ارد گرد کی فضا کو ان کلمات سے چیرنے  
لگی، اللہ اکبر اللہ اکبر۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت اللہ کے قریب دو ہزار مسلمانوں  
کی امامت کی۔ وہ بیت اللہ جہاں آپ سات سال قبل اکیلے تنہا نماز پڑھنے  
میں مشقت کو برداشت کیا کرتے اور صوتیں جھیٹتے تھے۔ پھر رسول اللہ صلی  
اللہ علیہ وسلم نے ان صحابہ کے پاس جو مکہ کے باہر مقیم تھے اپنے ان ساتھیوں کو  
بھیج دیا جو ان کی جگہ وہاں ٹھہر جائیں تاکہ وہ لوگ بھی بیت اللہ کی زیارت

کر سکیں اور جس طرح ان کے بھائی زیارت بیت اللہ سے مستفیض ہوئے ہیں یہ  
بھی اپنا حصہ حاصل کر لیں۔

قریش نے پہاڑوں اور غاریوں کے اوپر اپنے پڑاؤ سے مسلمانوں کو یہ  
سب کچھ کہتے دیکھا، انہوں نے منکرت کا مشاہدہ کیا اور بلال کو اپنی آنکھوں سے  
دیکھا اور اس کو کہہ سوس کیا جو ان لوگوں کے دلوں کو صبر چکا تھا اور اس  
ایمان کو جو ان کے دلوں میں جاگزیں تھا۔

قریش پر کپکپی طاری ہو گئی اور ان میں سے اکثر کے دلوں پر گرجاٹ  
طاری ہو گئی اور انہوں نے جب مسلمانوں کی اس بہادری اور بیت اللہ  
کا طواف کرتے وقت قوت کے مظاہرے اور چلنے اور دوڑنے میں ان کی  
چابکدستی کو دیکھا تو نہایت تعجب سے کہنے لگے: ہم تو یہ سمجھتے تھے کہ مسلمان  
نہایت تنگی سختی اور پریشانی میں گرفتار ہیں !!

قریش نے جب حضرت بلال کو کعبہ پر چڑھتے ہوئے دیکھا اور اس  
کے اوپر چڑھ کر اذان دینے کی آواز سنی تو ان میں سے اکثریت کے اعضاء  
اس کو برداشت نہ کر سکے۔ چنانچہ سہیل بن عمرو اور اس کے ساتھ ایک  
جماعت نے اپنے سر بھیر لئے اور اپنے چہرے چھپائے اور کانوں کو بند  
کر لیا تاکہ بلال کو دیکھیں اور نہ ان کی آواز سن سکیں۔ مگر بن ابی جہل نے  
جب یہ دیکھا تو کہا: اللہ تعالیٰ نے ابوالحکم کو یہ اعزاز بخشا کہ وہ اس غلام

کو یہ کہتے ہوئے نہ سن سکیں۔ اسی طرح کے الفاظ صفر بن امیہ وغیرہ نے بھی اپنے ان والدین کے بارے میں کہے جو دین اسلام کے دشمن تھے اور اپنے ٹھکانے کو پہنچ چکے تھے۔

مسلمانوں نے مشرکوں کے دلوں پر جو اثرات چھوڑے تھے وہ ایک دوسرے سے بالکل مختلف تھے اس لئے کہ ان میں سے اکثریت کے دل ایمان قبول کرنے کے لئے منشرح ہو چکے تھے اور ان کے دلوں میں اسلام کی طرف میلان پیدا ہو گیا تھا حتیٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا عباس بن عبدالمطلب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تشریف لائے اور آپ سے درخواست کی کہ آپ ان کی سالی یعنی ان کی بیوی ام ابی الفضل کی بہن عبودہ سے نکاح کر لیں اس لئے کہ عبودہ مسلمان ہو چکی ہیں اور ان کا دل ایمان سے بھرا ہوا ہے اور انہوں نے آپ سے مطالبہ کیا کہ آپ یہ جو مشرکوں کے حال سے نکال کر لے جائیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبودہ سے نکاح کرنا منظور کر لیا۔ مسلمانوں نے جب مکہ میں تین دن گزارنے پر قریش نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سہیل بن عمرو اور حویطب بن عبدالمطلب کو بھیجا تا کہ وہ آپ سے مطالبہ کریں کہ آپ معاہدہ کے مطابق مکہ سے چلے جائیں فوراً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں سے کہا تم کو کیا ہو جائے گا اگر تم مجھے اتنے وقت

کے لئے چھوڑ دو کہ میں تمہارے درمیان شادی کروں اور تم تمہارے ٹٹے کھانا بنالیں اور تم لوگ بھی اس کھانے میں شریک ہو جاؤ۔

لیکن سہیل اور حویطب جانتے تھے کہ مسلمانوں کے ساتھ بیٹھ کر اس جیسا کھانا کھا کر قریش پر کیا اثر ہو سکتا ہے۔ اس لئے کہ وہ دیکھ چکے تھے کہ مسلمانوں کے ایمان اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کے تعلق کا قریش پر کیا اثر پڑا تھا اس لئے حویطب صبر نہ کر سکا اور اس نے چیخ کر کہا: ہمیں آپ کا کھانا کھانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے، ہم آپ کو فدا اور اس وعدہ کی قسم دیتے ہیں جو آپ کے اور ہمارے درمیان ہے ہوا تھا کہ آپ ہماری سرزمین سے چلے جائیں، اس لئے کہ جن تین دن ٹھہرنے کا وعدہ ہوا تھا وہ گزر چکے تھے۔

حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھے وہ غصہ ہو گئے اور انہوں نے حویطب کو جھڑک دیا اور فرمایا: تو نے جھڑک کہا اس لئے کہ یہ سرزمین نہ تیری ہے نہ میرے باپ کی ہے، ہند اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم یہاں سے اپنی مرضی اور خوشی سے جائیں گے دیسے نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سکھادئے اور سعد بن عبادہ سے فرمایا: اے سعد تم ایسی قوم کو تکلیف نہ پہنچاؤ جو ہم سے ملنے جہد سے پاس آئے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آزاد کردہ غلام ابورافع کو حکم دیا کہ مسلمانوں میں یہ اعلان کر دیں کہ مسلمانوں میں سے کوئی شخص بھی مکہ میں رات

دگذارے۔

جب مسلمان مکہ چھوڑنے کی تیاری کرنے لگے تو حضرت علی بن ابی طالب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول ہمارے چچا حضرت حمزہ کی بیٹی اپنی ماں کے ساتھ یہیں مقیم ہے ہم اس کو مشرکین کے درمیان کیوں چھوڑ دیں۔ چنانچہ مسلمانوں نے مکہ سے نکلنے وقت اپنے ساتھ عمارۃ بنت حمزہ اور ان کی والدہ سلمیٰ بنت مہسین کو بھی اپنے ساتھ لے لیا۔

حضرت میمونہ کے پاس نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آزاد کردہ غلام حضرت ابورافع کو مکہ میں چھوڑ دیا جو ان کو رات کو لے کر وہاں سے روانہ ہو گئے اور صرف مقام پر مسلمانوں کے ساتھ مل گئے۔

مسلمانوں نے مدینہ منورہ کا رخ کر کے سفر شروع کر دیا اور وہ بہت خوش غرض تھے، ان کے دل غرضی و سرور سے بھرے تھے، اس لئے کہ انہوں نے وہ خواہش پوری کر لی تھی جس کے ایک طریق زمانہ سے مشتاق تھے اور انہیں کامل یقین تھا کہ اس عہد کے بعد ان کو ایک عظیم فخر نصیب ہوگی۔

مسلمانوں نے مکہ منکر میں اپنے اس عہد کے جو آثار چھوڑے تھے اس کا اثر مسلمانوں کی توقع اور امید سے بہت پہلے ظاہر ہو گیا، اس لئے کہ مکہ کے باشندوں کی اکثریت کا دل اسلام کی طرف راغب ہو چکا تھا۔ کیونکہ

اسلام کی عظمت کا انہوں نے بخیم خود مشاہدہ کر لیا تھا اور اس میں حقانیت اور سچائی کو محسوس کر لیا تھا۔ چنانچہ انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنے اسلام کا اظہار اور اللہ وحدۃ لا شریک پر ایمان لانے کا اقرار کر لیا۔

ان لوگوں میں سر فہرست وہ جماعت تھی جو قریش میں نہایت بہادر اور جویں و مجاہد تھے، جن میں جنگ احد کے بہادر اور قریش کے تہم شہسوار حضرت خالد بن ولید اور عرب کے نہایت زبردست بہادر عمرو بن العاص اور کعب کے محافظ عثمان بن طلحہ تھے۔ یہ تینوں راستہ میں ایک جگہ اکٹھا ہو گئے تھے۔ اور یہ سب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنے اسلام کا اعلان کرنا چاہتے تھے اگرچہ یہ مختلف راستوں اور جہات سے آئے تھے۔

حضرت خالد بن ولید بہت زبردست مقلے اور سخت عناد رکھنے کے بعد ایمان لانے آئے تھے اور انہوں نے یہ اعلان کیا تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نبی برحق ہیں اور اللہ کی طرف سے بھیجے گئے ہیں اور نہ آپ جادوگر ہیں اور نہ شاعر جیسا کہ پہلے وہ خود بھی کہا کرتے تھے اور قریش اب کہتے ہیں اور انہوں نے یہ یقین کر لیا کہ اسلام ہی وہ دین برحق ہے جو سب کچھ انہوں نے اس کے بعد کیا جب کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے برخلاف اور آپ کو ختم کرنے کے لئے قریش کے شہسواروں کی ایک زمانہ تک قیادت کرتے رہے تھے۔

حضرت خالد اسنے جری اور بہادر تھے کہ انہوں نے قریش کے سامنے کھلم کھلا اپنے ایمان لانے اور اسلام قبول کرنے کی خواہش کا اس طرح اظہار کیا، ہر ذی قفل کے سامنے کھل کر یہ بات آگئی ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نہ تو جاؤ گریز نہ شاعر میں اور یہ کہ آپ کا کلام اللہ رب العالمین کا کلام ہے اس لئے اب ہر ذی قفل کے لئے یہ بات ضروری ہو گئی ہے کہ وہ ان کی پیروی کرے۔ قریش نے حضرت خالد کو بہت بڑے القاب سے فائز اور ان پر یہ الزام لگایا کہ وہ صابی ہو گئے ہیں اور اپنے دین سے پھر گئے ہیں۔ البسینان نے ان پر حملہ کرنا چاہا تو مکرم بن ابی جہل نے اس کو یہ کہہ کر روک دیا:

اے البسینان ذرا ٹھہر جاؤ، کیا تم خالد کو اس لئے قتل کرنا چاہتے ہو کہ انہوں نے ایک رائے کو اپنا لیا ہے۔ یہ نہیں دیکھتے کہ قریش سب کے سب ان کی پیروی کر رہے ہیں، بھلا مجھے تو ڈر یہ ہے کہ ابھی ایک سال نہ گزرا ہو گا کہ تمام اہل مکہ ان کی پیروی کرتے گلیں گے۔

جب حضرت خالد نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جانے کا ارادہ کیا تو انہوں نے یہ جان کر ان کے ساتھ قریش کے جو افرادوں میں سے ایک اور آدمی بھی ساتھ جہز کیا۔ انہوں نے اس سلسلہ میں صفوان بن امیہ سے یہ کہہ کر بات کی۔

اے ابو سہب! کیا تم دیکھتے نہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم عرب و عجم پر

غالب آگئے ہیں اس لئے اگر ہم ان کے پاس جا کر ان کی پیروی شروع کر دیں تو ان کی عزت ہی ہماری ہوگی لیکن صفوان جس کے باپ اور بھائی جنگ پدر میں مارے جا چکے تھے اس نے کہا: اگر میں موت اکیلا ہی خیر سلم باقی رہ جاؤں تب بھی ان کی پیروی نہیں کروں گا۔

حضرت خالد نے مکرم سے یہی بات کی جو صفوان سے کی تھی تو اس نے بھی وہی بات جواب دیا جیسا جواب اس سے پہلے صفوان نے دیا تھا۔

حضرت خالد مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کے لئے روانہ ہو گئے لیکن انہوں نے قریش کے کسی فرد کو اپنی منزل مقصود نہیں بتلائی۔ ابھی انہوں نے سفر شروع ہی کیا تھا کہ ان کی ملاقات اپنے ایک دوست عثمان بن طلحہ سے ہوئی جو کعبہ کی چابیوں کے رکھوالے تھے خالد شش و پنج میں پڑ گئے کہ کیا عثمان کو اپنی منزل مقصود بتلا دیا اور ان سے اپنے ساتھ چلنے کا مطالبہ کریں جبکہ عثمان کو اخوان بہا مسلموں کے ذمہ تھا اس لئے کہ ان کے باپ چچا اور چار بھائی جنگ احد میں قتل کر دیئے گئے تھے؟ لیکن خالد زیادہ دیر نہ سوچ رہے اور انہوں نے عثمان سے اپنا مدعا بیان کر دیا۔

حضرت خالد نے مکرم کو لیا کہ عثمان اسلام کی طرف میلان رکھتے ہیں اور ان کے ساتھ جا کر بیعت کرنے کی رحمت ان میں موجود ہے۔ حضرت خالد اور عثمان میں یہ طے ہو گیا کہ عثمان مکہ میں اپنے چند معاملات طے کرنے کے بعد

مکہ کے باہر غلامان جنگ پر ملیں گے اور پھر وعرہ کے مطابق وقت مقررہ پر دونوں ایک دوسرے سے مل گئے اور مدینہ منورہ کا رخ کر کے چل پڑے۔

غزوہ احزاب میں عمرو بن العاص قریش کے ساتھ تھے اور جب اس غزوہ میں مسلمان فتیاب ہو گئے تو عمر نے قریش کے بعض حضرات سے کہا: میرے ساتھ تھے، میں یہ دیکھ رہا ہوں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا سالہا بیت آگے بڑھ جائے گا۔ میری ایک رائے ہے بٹلاؤ تمہارا اس کے بارے میں کیا خیال ہے؟ انہوں نے پوچھا: اے ابن العاص آپ ک رائے کیا ہے؟

انہوں نے کہا: میری رائے یہ ہے کہ ہم حبشہ کے بنی نضیر کے پاس چلے جائیں اور وہیں مقیم ہو جائیں پھر اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہماری قوم پر غالب آئے گئے تو ہم بنی نضیر کے پاس بنی نضیر کے ماتحت ہوں گے جو اس سے زیادہ بہتر ہے کہ ہم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ماتحت ہوں اور اگر ہماری قوم غالب آگئی تو ہم وہ ہیں جنہیں لوگ جانتے ہیں اور وہ ہمارے ساتھ خیر و بھلائی اور اچھا سلوک ہی کریں گے۔

عمر کے ساتھیوں نے کہا: بے شک یہ بہت اچھی رائے ہے، لہذا عمرو اور ان کے ساتھیوں نے حبشہ جانے کی تیاری شروع کر دی اور بنی نضیر کو مدینہ کے لئے بہت سی حکایتیں جمع کر لیں۔ اس لئے کہ بنی نضیر کو سب سے زیادہ کھانوں کا مدیہ محبوب تھا۔ بنی نضیر نے عمرو اور ان کے ساتھیوں کو خوش آواز

کہا اور ان کے یہ کہہ کر قبول کیا اور یہ لوگ وہاں پہنچ کر خوش خوش مقیم ہوئے۔ پھر جب نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے بنی نضیر کے پاس حضرت عمرو بن امیہ کو دو خط لکھے کہ بھیجا جاتے ہیں کہ ایک میں آپ نے بنی نضیر سے سلام میں داخل ہونے کا مطالبہ کیا تھا اور دوسرے میں یہ مطالبہ تھا کہ جو مسلمان حبشہ میں مقیم ہیں، انہیں آپ کے پاس بھیج دیا جائے اور یہ کہ حضرت ام حبیبہ بنت ابی سفیان سے آپ کے نکاح کے سلسلہ میں وہ آپ کی طرف سے وکیل بن جائیں۔ ام حبیبہ حبشہ ہجرت کرنے والوں میں سے تھیں۔ عمرو بن امیہ جب وہاں پہنچے تو عمرو بن العاص کی نظر عمرو بن امیہ پر پڑ گئی اور وہ سمجھ گئے کہ یہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے قاصد بن کر آئے ہیں۔

چنانچہ عمرو بن العاص بنی نضیر کے پاس گئے اور ان سے کہا: بادشاہ سلامت! میں نے آپ کے پاس سے ایک شخص کو نکلنے ہوئے دیکھا ہے جو ہمارے ایک دشمن کی طرف سے قاصد بن کر آیا ہے اس لئے وہ آدمی آپ ہمارے حوالہ کر دیں تاکہ ہم اسے قتل کر دیں اس لئے کہ اس نے ہمارے معزز اور اشراف کو مارا ہے۔

بنی نضیر نے عمرو کی طرف نہایت غصہ اور ہیبت ناک نظروں سے دیکھا (اور وہ یہ سمجھ چکے تھے کہ ان کی مراد عمرو بن امیہ ہے) اور پھر اپنا ہاتھ اٹھا کر عمرو کی ناک پر اس زور سے مارا کہ عمرو کو یہ لگان ہوا کہ ان کی ناک کی

بڑی ٹوٹ گئی ہے اور ان کو اپنے پاؤں کے نیچے سے زمین نکلتی ہوئی محسوس ہوئی اور انہوں نے بنی ہاشمی کے غصہ کو دیکھ لیا اور وہ بھرائی ہوئی آواز میں اور لڑکھڑاتی ہوئی زبان میں بنی ہاشمی سے سوائے اس کے اور کچھ نہ کہہ سکے کہ: اے بادشاہ سلامت! بخدا اگر مجھے یہ معلوم ہوتا کہ آپ کو یہ بات بُری لگے گی تو میں آپ سے ایسی بات ہرگز نہ کہتا۔

بادشاہ نے نہایت سختی اور غصہ میں کہا: کیا تم مجھ سے یہ سوال کرتے ہو کہ میں قتل کے واسطے ایسے شخص کے قاصد کو تمہارے حوالے کر دوں جس کے پاس وہ فرستہ آتا ہے جو حضرت موسیٰ و ہارونؑ کے پاس آیا کرتا تھا۔ بنی ہاشمی کی اس قوتِ روح سے متاثر ہو کر جس سے بنی ہاشمی بات کر رہے تھے اور ان کی اس تمیز و بہادری کے سامنے عمرو کی روح لرز گئی تھی۔ عمرو نے بنی ہاشمی سے کہا: بادشاہ سلامت کیا بات بالکل اسی طرح ہے؟

بنی ہاشمی نے جواب دیا: اے عمرو تجھے کیا ہو گیا ہے تو میری بات مان اور ان کی پیروی کر لے اس لئے کہ جب وہ تم پر ہیں اور مغرب وہ اپنے مخالفین پر غالب آجائیں گے۔

عمرو نے یہ محسوس کیا کہ ایمان ان کے دل میں سرایت کر رہا ہے اور اسلام کا نور ان کے قلب کو بھر رہا ہے۔ چنانچہ انہوں نے نہایت جہاد اور اسرارِ ایمان سے بنی ہاشمی سے کہا: کیا تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے

مجھ سے اسلام کی بیعت کرتے ہو؟ بنی ہاشمی نے فوراً جواب دیا: جی ہاں اور فوراً اپنا ہاتھ عمرو کے لئے پھیلا دیا اور عمرو نے ان کے واسطے سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کر لی، اور عمرو بنی ہاشمی کے پاس سے اس حالت میں نکلے کہ انہوں نے اپنے ساتھیوں سے اپنے مسلمان ہونے کی خبر کو چھپایا تھا اور وہ اس انتظار رکھتے کہ کسی کشتی کے ذریعہ سے حبشہ سے جہیز یہاں عرب چلے جائیں۔

حضرت عمرو کے لئے وہ وقت بھی آگیا اور ایک کشتی کے ذریعہ وہ یزیدؓ عرب چلے گئے اور وہاں ایک اونٹ خرید کر اس پر سوار ہو کر مدینہ منورہ کا رخ کیا تاکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیکش پر بیعت کر لیں۔

ابھی وہ راستہ میں ہی تھے کہ انہوں نے دو آدمیوں کو سفر کی تکان دور کرنے کے لئے خبر لگاتے ہوئے دیکھا، جب یہ ان کے پاس گئے تو کیا دیکھا کہ وہ خالد بن ولید اور عثمان بن طلحہ ہیں۔ چنانچہ عمرو نے حضرت خالد سے پوچھا۔

اے ابوسلیمان! آپ کہاں جا رہے ہیں؟ حضرت خالد نے عمرو کو جواب دیا: محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس لئے کہ بخدا راستہ صاف اور واضح ہو چکا ہے اور بات ظاہر ہو گئی ہے اور یہ معلوم ہو چکا ہے کہ وہ اللہ کے

نبی ہیں اس لئے تم بھی جا کر مسلمان ہو جاؤ، ورنہ اب کب تک اولاد نکلا  
کتے رہو گے؟ حضرت عمرو نے جواب دیا میں اسلام لانے کے لئے ہی  
تو آیا ہوں۔

اور اس طرح سے ہر تینوں ایک مقصد اور ایک غرض کے لئے روانہ  
ہو گئے۔ جب مدینہ منورہ کے قریب پہنچے تو ان کو ایک مسلمان نے  
دیکھ لیا اور ان کے آنے کے مقصد کو سمجھ لیا اور خوشی سے کہا: مجھ ان دونوں  
کے بعد مکہ کے تمام آدمی مسلمان ہو جائیں گے۔ دونوں آدمیوں سے ان کی  
مراد حضرت عمرو بن العاص اور حضرت خالد بن الولید تھی۔

وہ شخص جلدی سے مسجد نبوی کی طرف دوڑا تا کہ ان کے واپس کی  
اطلاع دے، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اطلاع ملی تو آپ نے  
فرمایا: مکہ نے تمہارے پاس اپنے جگر گشتے بھیج دیے ہیں اور ان آنے  
والوں کی آمد سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بہت خوش ہوئے۔ چنانچہ  
جب یہ حضرات اپنے لباس کو بدل کر کے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے  
تو آپ نے نہایت فخر و پیشانی سے سکراتے ہوئے ان کا استقبال کیا،

حضرت خالد نے اپنے بڑھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مسلمانوں  
والا سلام کیا اور کلمہ شہادت پڑھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان  
سے فرمایا: تمام تواریفین اس اللہ کے لئے ہیں جس نے تمہیں ہدایت دی۔

میں تمہیں عقل نہ سمجھتا تھا اور مجھے یہ یقین تھا کہ تمہاری عقل تمہیں غیر کی طرف  
ہی لے جائے گی۔

حضرت خالد نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول میرے لئے اللہ سے دعا کیجئے  
کو میری ان جنگوں کو معاف کر دے جن میں میں نے آپ کے خلاف شرکت کی تھی۔  
حضرت عثمانؓ نے آپ سے دعا کی اور انہوں نے بیعت کی۔ پھر حضرت عمروؓ کے بڑے  
اور انہوں نے بھی بیعت کی اور وہ یہ فرما رہے تھے: اے اللہ کے رسول میں  
آپ سے اس شرط پر بیعت کرتا ہوں کہ اللہ تمہارے میرے پچھلے تمام گناہ  
معاف کر دے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عمرو اسلام پچھلے تمام گناہ  
ختم کر دیتا ہے اور ہجرت اس سے پہلے کے گناہوں کو ختم کر دیتی ہے۔  
رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کے معاملات کی دیکھ بھال اور  
دین اسلام کو رونے زمین پر پھیلانے میں مصروف ہو گئے اور آپ  
کو یہ یقین ہو گیا تھا کہ عنقریب مکہ فتح ہونے والا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بعض اور قاصد حکومتوں کے امراء  
اور سرداروں کے پاس اسلام کی دعوت دینے اور ان کو مسلمان ہونے  
پر آمادہ کرنے کے لئے بھیجے ان قاصدوں میں اعلیٰ ترین سفارت بردار حضرت  
عمرو بن العاص تھے۔



ای طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کی بعض جماعتیں جزیرہ عرب کی مختلف جہات میں روانہ کیں جن میں سے بعض جماعتیں وہ بھی تھیں جو ان قبائل سے جنگ کرتی تھیں جو مسلمانوں کی دشمن تھیں اور مسلمانوں کے خلاف دوسروں کو اکساتی اور ان کو جمع کر کے مسلمانوں کو ختم کرنے اور ان پر غلبہ حاصل کرنے کی کوشش کرتی رہتی تھیں۔

مسلمانوں کی ان جماعتوں میں سے بعض جماعتیں وہ تھیں جو عرب قبائل اور جزیرہ عرب میں منتشر بد و قبائل کی اللہ کے دین برحق کی طرف رہنمائی کرتی رہتی تھیں اور اس کی اچھائیاں اور مصلحتیں ان پر واضح کرتیں اور ان کو اسلام کی تعلیمات سے روشناس اور اس کے فرائض و واجبات سے باخبر کرتی رہتی تھیں۔

دن گذرتے گئے اور پھر ان سب چیزوں کے نتائج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آ گئے جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے خوشی و سرور کا پیغام اور مسلمانوں کے لئے نفع و نمانہ تھا جیسے کہ مسلمانوں کی بزیلیٹ کی جماعت پر فتح پائی اور ان کے مخالفوں اور برکھوں پر قبضہ اور باندھن اور قیدیوں کی ایک جماعت جو کہ خود ہر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مسلمان ہو کر آئے تو آپ نے انے قیدی عروقوں کو ان کو واپس لوٹا دیا سوائے ایک قیدی عورت کے جو نہایت خوبصورت اور حسین و جمیل تھی جس نے

یہ پسند کیا تھا کہ وہ مسلمانوں کی اس جماعت کے قائد شجاع بن وہب کے حصہ میں جانے لگی جس نے انہیں گرفتار کیا تھا لہذا اس کو قید خانے لیا گیا۔

ان نتائج میں سے بعض ایسے بھی تھے جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف پہنچی اور آپ کی طبیعت پر اس کا نہایت شدید اثر ہوا جیسے کہ آپ کے صحابہ کی اس جماعت کا شہید ہونا جو شام کی حدود میں ذات الطلیح مقام پر اسلام کی دعوت دینے گئی تھی لیکن وہاں والوں نے ان سب کو قتل کر ڈالا سوائے ان کے سربراہ کے کہ وہ بڑی مشکل سے ان سے اپنی جان بچا سکے اور جیسے کہ آپ کے قاصد حارث بن عمیر کا قتل جنہیں آپ نے فیصر کھن سے بصری پر مقرر کر دیا حاکم کے پاس بھیجا تھا۔ ان کو شریعیل بن عمرو غسانی نے ہر قتل کی وجہ سے قتل کر ڈالا تھا جب اس کو یہ معلوم ہوا کہ یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا قاصد ہے۔

یہ دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سوچا کہ ان لوگوں سے جہاد کرنا چاہیے جنہوں نے آپ کے صحابہ کو بلا کسی جرم و گناہ کے قتل کر ڈالا ہے اور اس گندہی حرکت کی وجہ سے جو کہ مروت اور شرافت کے خلاف ہے ان سے جنگ کرنا چاہیے۔ چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جنگ کے لئے مسلمانوں میں سے تین ہزار جنگجو تیار کئے اور ان پر حضرت زید بن حارثہ کو

اگر زید شہید ہو جائیں تو امیر جعفر بن ابی طالب ہوں گے اور اگر جعفر بھی شہید ہو جائیں تو عید اللہ بن رفاعہ امیر ہوں گے اور اگر عید اللہ بھی شہید ہو جائیں تو مسلمانوں کو چاہیے کہ اپنی مرضی سے اپنے میں سے کسی شخص کو اپنا امیر بنالیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان مبارک لعنان بن منقص نامی یہودی نے بھی سن لیا اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا:

اے ابراہیم اگر آپ واقعی نبی ہیں تو جن کے آپ نے نام لئے ہیں وہ واقعی شہید ہو جائیں گے اس لئے کہ بنی اسرائیل کے انبیاء جب یہ کیا کرتے تھے کہ: اگر فلاں شہید ہو جائے تو وہ واقعی شہید ہو جاتا تھا چاہے وہ لوگ جن کا نام نبی نے لیا ہے وہ سو کی تعداد میں کیوں نہ ہوں۔

یہ مجاہدین مدینہ منورہ سے رخصت ہو گئے اور ان کو رخصت کرنے کے لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بذات خود ان کے ساتھ تینتالیس افراد تک گئے اور سفید جہنم حضرت زید بن حارثہؓ کو لیا اور مسلمانوں کو یہ نصیحت کی: میں تم کو اللہ سے ڈرنا اور اس بات کی وصیت کرتا ہوں کہ جو مسلمان تمہارے ساتھ ہیں ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو، اللہ کا نام لے کر اللہ کی راہ میں جنگ کرو اور جو اللہ کے ساتھ کفر کرتا ہے اس سے جنگ کرو، غدر نہ کرنا، مالی غنیمت میں خیانت نہ کرنا اور راہبر اور عورت اور بڑے کموسٹ

کو قتل نہ کرنا اور کھجور کے درخت ضائع نہ کرنا، نہ کسی درخت کو جڑ سے اکھاڑنا نہ کسی گھر کو ڈھانا۔

جب تمہاری ملاقات تمہارے دشمن مشرکوں سے ہو تو ان کو تین باتوں میں سے ایک بات کی طرف بلانا: اسلام میں داخل ہونے کی دعوت دینا اگر وہ ایسا کر لیں تو ان سے اسلام کو قبول کر لینا اور ان سے اپنے ہاتھ کھینچ لینا، پھر ان کو اپنے گھروں سے دارالہجرت کی جانب منتقل ہونے کی دعوت دینا اگر وہ ایسا کر لیں تو ان کو وہ لے گا جو تمہارے ساتھ ہے اور ان پر وہ ذمہ داری آئے گی جو تمہارے ساتھ ہے اور اگر وہ اسلام میں داخل ہو جائیں لیکن اپنے ملک و گھروں میں ہی رہنا چاہیں تو وہ دیہاتی مسلمانوں کی طرح ہوں گے، اللہ کا حکم ان پر نافذ ہو گا لیکن ان کو مال فی رجب بلا جگہ کئے حاصل ہوتا ہے، اور مال غنیمت میں سے کچھ نہیں ملے گا الا یہ کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ مل کر جہاد کریں۔

اور اگر وہ اسلام قبول کرنے سے انکار کریں تو ان کو جزیہ دینے کی دعا کرو اگر وہ جزیہ دے دیں تو ان سے اس کو قبول کر لو اور ان سے لڑنے سے رک جاؤ اور اگر وہ ان سب چیزوں سے انکار کریں تو اللہ سے مدد مانگو اور ان سے جنگ شروع کرو۔

لشکرِ حضرت ہونے لگا اور اہل مدینہ کی آوازیں اپنے مجاہدین کان

الفاظ سے رخصت کرنے لگیں:

اللہ تعالیٰ تمہاری طرف سے مدافعت کرے اور تم کو ہم تک بھیج سالم اور مال و غنیمت کے ساتھ پہنچا دے۔

مسلمانوں کے لشکر نے مدینہ اور اطرافِ شام کا ایک مرحلہ طے کر لیا اور حضرت عبداللہ بن رواحہ متعلق اشعار اور قصیدہ پڑھے مبارک تھے اور کبھی تو مسلمانوں کو جو شمش و لالتے تھے اور ان کو ابھارتے تھے اور کبھی اپنے نفس کو اللہ کے راستہ میں شہید ہونے کی امید دلاتے رہے۔ یہ سلسلہ جاری رہا۔ یہاں تک کہ لشکرِ سرزمینِ شام کی معائن نامی جگہ پر ٹھہر گیا اور وہاں پہنچ کر مسلمانوں کو معلوم ہوا کہ شام پر ہر قتل کی طرف سے مقرر کردہ گورنر شرجیل کو ان کے لئے کا علم ہو گیا ہے اور اس نے مختلف عرب قبائل کی جاعتوں کو اکٹھا کر لیا ہے۔ اور ہر قتل کے پاس مدد کی درخواست کی تو ہر قتل نے اس کی مدد کے لئے ایک عظیم لشکرِ رومیوں سے ترحیب دیا اور اس کا سردار اپنے بھائی تیو دور کو بٹایا۔

مسلمان اس سوچ میں پڑ گئے کہ انہیں کیا کرنا چاہیئے، آیا وہ ہر قتل کے لشکر کا مقابلہ کر کے ہر ایک کی تعداد ایک لاکھ یا دو لاکھ ہے یا اس وقت تک جنگیں کر رہے ہیں کہ یہی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس قاصد بھیج کر اس مسئلہ میں مشورہ نہ کر لیں تاکہ یا تو آپ ان کی مدد کے لئے آدمیوں کو

بھیج دیں یا جو مناسب سمجھیں وہ مشورہ دے دیں۔

ایک شش و دفع میں مسلمان مسلمان تمام پر دو دن تک ٹھہرے رہے اور کسی نتیجہ پر نہیں پہنچ سکے اور اخیر میں حضرت عبداللہ بن رواحہ نے لوگوں کو ہمت و جوش دلالتے ہوئے فرمایا: اے میری قوم، ہم افرادی کثرت اور کثرت ہتھیار گھوڑوں کی تعداد کے بل بوتے پر نہیں ہوتے تھے ہم فراس دین کے بل بوتے پر لڑتے تھے جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ اعزاز بخشا ہے، لہذا تم لوگ جیسے چلا س لے کر ہمیں دو اچھا بیویوں میں سے ایک اچھا فیروزہ ملے گا، اور وہ یہ کہ یا تو ہم دشمنوں پر فتیحاں ہوں گے اور یا ہمیں شہادت نصیب ہوگی۔ اس بات سے لوگوں میں جوش پیدا ہو گیا اور ان کے نفوس میں بہادری سرایت کر گئی اور انہوں نے باوجود اپنی تعداد کے کم ہونے اور دشمن کے زیادہ ہونے کے دشمن سے ٹکرانے کا فیصلہ کر لیا۔

مسلمانوں کا لشکر روانہ ہوا اور بلقاء نامی جگہ کی حدود تک پہنچ گیا، جہاں ہر قتل کا لشکر شرافت نامی ایک بقی میں ٹھہرا ہوا تھا، دشمن مسلمانوں کے نزدیک گیا تو مسلمانوں کا لشکر موت نامی بستی کی آڑ میں آ گیا۔ اس لئے کہ لوگوں نے اس جگہ کو شرافت والوں سے لڑنے کے لئے مناسب خیال کیا۔ چنانچہ مڑوٹہ میں مسلمانوں اور مشرکوں کے لشکر کے درمیان جنگ شروع ہو گئی۔ ایک طرف ایسی قوت تھی جس نے کثرت کی طاقت پر اعتماد کیا ہوا تھا اور دوسری

طرت ایک ایسی قوت تھی جس نے ایمان کی طاقت پر اعتماد کیا تھا۔

مسلمانوں کے جھنڈے کو تھلنے والے حضرت زید بن حارثہ دشمن کے لشکر میں گھس گئے اور جھنڈا اپنے ہاتھ میں پکڑے رہے اور نہایت بہادری کی طرح جنگ کرنے لگے، انہیں دشمن کے تعداد میں زیادہ ہونے کی پرواہ تھی اور نہ اس کے ہتھیاروں و ساز و سامان کے زیادہ ہونے کی اور وہ اسی طرح لڑتے رہے حتیٰ کہ دشمنوں کے نیزوں کی ضربات کی کثرت سے وہ شہید ہو گئے۔

چنانچہ جنتا حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے تمام لیا اور اپنے گھوڑے کو نہایت بہادری و شجاعت سے دشمنوں کی صف میں داخل کر دیا اور عوار سے دھیں بائیں حملہ کرنے لگے اور پھر جب دشمن نے ان کے گھوڑے کے چاروں طرف سے گھیر لیا اور وہ محسوس ہوئے کہ اب دشمنوں سے جان چھوٹ نہیں سکتی اور یہاں سے نکلنے کا کوئی راستہ نہیں ہے تو وہ اپنے گھوڑے سے نیچے اترے اور اسے زخمی کر کے عوار سے دشمنوں پر پل پڑے اور جھنڈا اپنے دامن ہاتھ میں تھامے رہے حتیٰ کہ دشمنوں نے ان کا دایاں ہاتھ کاٹ دیا تو انہوں نے جھنڈے کو بائیں ہاتھ میں پکڑ لیا تو دشمنوں نے بائیں ہاتھ بھی کاٹ دیا تو انہوں نے اسے دونوں بازوؤں کے درمیان دبایا اور اسے اس طرح دبائے رہے حتیٰ کہ ایک رومی نے ان پر حملہ کر کے انہیں شہید کر دیا۔

پھر حضرت عبداللہ بن رواحہ نے جھنڈا تمام لیا اور آگے بڑھ کر

جنگ کرتے رہے یہاں تک کہ جب خوب تھک گئے تو اپنے گھوڑے کو واپس موڑا اور واپس جانے یا جنگ کے جاری رہنے میں تردد میں پڑ گئے۔ اس اثناء میں ان کے ایک چچا زاد بھائی ایک گوشت کا ٹکڑا ان کے پاس لائے اور کہا: اس سے اپنی کمر بستہ کر لیجئے اس لئے کہ ان دونوں میں آپ نے بہت ناقص کیے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن رواحہ نے گوشت کا ٹکڑا لے لیا اور ابھی اس سے کچھ حصہ چبا یا ہی تھا کہ ان کے کانوں میں مسلمانوں — اور دشمنوں کے — لڑائی کے شدید ہونے کی آواز آئی۔ چنانچہ انہوں نے گوشت کا وہ ٹکڑا ہاتھ سے پھینک دیا اور اپنے نفس کو خطاب کر کے یہ فرمانے لگے: کیا تم بھی تک دنیا میں گئے ہو؟! اور پھر تلوار نکالی اور دشمن کی صفوں میں گھس کر جنگ شروع کر دی یہاں تک کہ شہید ہو گئے۔

اور اس وقت مسلمانوں کا جھنڈا گر گیا اور وہ تینوں حضرات جنہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لشکر پر امیر مقرر کیا تھا نہایت شدید لڑائی اور بہادری کی طرح جنگ کر کے زندہ گی کے آخری سانس تک لڑتے لڑتے یکے بعد دیگرے شہید ہو گئے اور بنو العجلان میں سے حضرت ثابت بن ارقم آگے بڑھے اور انہوں نے یہ کہہ کر جھنڈا اٹھا لیا: اے مسلمانوں کی جماعت کسی شخص کو متفقہ طور سے امیر مقرر کر لو!

سب نے کہا: آپ امیر ہیں، انہوں نے کہا: میں ایسا نہیں کر سکتا، تو پھر سب نے یہ طے کیا کہ حضرت خالد بن ولید کو اپنا امیر بنالیں، اور حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کا جھنڈا اٹھالیا اور لشکر کے اگلے حصہ میں رڑتے رہے حتیٰ کہ ان کے ہاتھ میں کئی تلواریں ٹوٹ گئیں۔ پھر دونوں لشکروں اور لڑائی جاری رکھنے کے درمیان رات حائل ہو گئی۔

حضرت خالد نے یہ محسوس کر لیا کہ دشمنوں کے اس عظیم الشان لشکر سے مسلمانوں کا بچنا ممکن نہیں ہے سوائے اس کے کہ تدبیر اور حیلہ سے کام لیا جائے۔ چنانچہ جب صبح ہوئی تو حضرت خالد نے اپنے لشکر کی اصلاح کی اور اس کی صفوں کی ترتیب بدل دی چنانچہ دائیں طرف کے حصہ کو بائیں طرف کر دیا اور اگلے حصہ کو پیچ کر طرف کر دیا اور پچھے حصہ کو آگے کر دیا اور مردوں کی ایک جماعت کو لشکر کے پیچھے کر دیا اور انہیں یہ نصیحت کی کہ اتنا شور و غل مچائیں کہ جس سے دشمنوں کے دل گھبرا جائیں کہ وہ اپنی اس تعداد سے کمی گننا زیادہ ہیں۔

یقصر کے لشکر نے دیکھا کہ مسلمانوں کے لشکر میں بہت بڑی عجیب تبدیلی ہے اور پھر دیکھے کہ دشمن نے شور و غوغا کی آواز سن کر یہ یقین کر لیا کہ مسلمانوں کے لشکر کی مدد کے لئے اور لوگ آ گئے ہیں جس کی وجہ سے مسلمانوں نے اپنی صفوں کو اور منظم کر لیا ہے اور یہ اور طاقت درہر گئے

ہیں۔ چنانچہ رومیوں کی صفوں میں خوف و ترس طاری ہو گیا اس لئے کہ وہ پہلے دن باوجود مسلمانوں کے کم ہونے کے ان کی بہادری اور جانثاری کو دیکھ چکے تھے تو وہ سوچتے تھے کہ جب فلیل تعداد کی وہ حالت تھی تو اب جب کہ ان کے پاس اور زیادہ آ گئے ہیں ان کی کیا حالت ہوگی۔

دیکھ کر رومیوں کے قائد حملہ کرنے میں پس و پیش کرنے لگے تاکہ اس معاملہ میں غور و فکر کر سکیں۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ اس موقع کی تلاش میں تھے چنانچہ وہ فورا ہی اپنے لشکر کو موتہ سے لے کر مدینہ منورہ کی جانب لوٹ گئے۔

رومیوں سے جنگ کرنے کے لئے اہل مدینہ کا یہ لشکر جب سے روانہ ہوا تھا اس وقت سے اہل مدینہ اس کے حالات جاننے کے نہایت مشتاق تھے اور وہ اس کے متمنی تھے کہ ان کو ایسی خبریں سننے کو ملیں جو مسلمانوں کی کامیابی اور فتح کی بشارت دینے والی ہوں۔

ایک روز مسلمان مسجد نبوی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارد گرد بیٹھے ہوئے تھے اور آپ منبر پر تھے کہ انہوں نے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں۔

جھنڈے کو زید بن حارثہ نے تمام لیا اور انہوں نے جنگ کی جی کہ وہ شہید ہو گئے۔ مسلمان یہ بات سن کر نہایت فکر و سب قراری میں ہمہ تن گوش

ہو گئے اور انہوں نے یہ سمجھ لیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مجاہدات اور  
پردے ہٹا کر یہ دکھایا گیا ہے۔ پھر انہوں نے سنا کہ آپ فرما رہے ہیں:  
پھر جھنڈے کو جعفر نے تمام لیا اور انہوں نے بھی جنگ کی حتیٰ کہ وہ  
بھی شہید ہو گئے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک لمحہ کے لئے خاموش  
ہوئے پھر فرمایا: پھر عبد اللہ بن رواحہ نے جھنڈا تمام لیا اور اس کو لے کر  
رہتے رہے حتیٰ کہ وہ بھی شہید ہو گئے اور پھر فرمایا: پھر جھنڈے کو اللہ کی  
تواریخوں میں سے ایک تلواریں تمام لیا۔

یہ سن کر اہل مدینہ کے دل تم و اندوہ سے بھر گئے اور انہوں نے جان  
لیا کہ وہ تینوں امیر جنہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شکر کی امانت کے  
لئے نامزد کیا تھا شہید ہو چکے ہیں اور اس بات سے انہیں جنگ کی شدت  
اور دشمن کی عظیم قوت کا اندازہ ہو گیا۔

انصاری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی موت متوجہ ہوئے اور آپ  
سے عرض کیا: اے اللہ کے رسول عبد اللہ بن رواحہ کی شہادت کی اطلاع دینے  
سے پہلے آپ خاموش کیوں ہو گئے تھے؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے زید کو دوڑتے ہوئے  
جنت میں داخل ہوتے ہوئے دیکھا اور جعفر کو دیکھا کہ وہ دو پردوں کے ذریعہ  
جنت میں جہاں چاہتے ہیں اڑ کر پہنچ جاتے ہیں۔ اور میں نے عبد اللہ کو دیکھا

کہ وہ بیڑے ہو کر جنت میں داخل ہو رہے ہیں۔  
یہ بات انصار پر بڑی گراں گذری اور انہوں نے سوال کیا: اے اللہ  
کے رسول ان کے بیڑے جانے کا سبب کیا تھا؟  
آپ نے فرمایا کہ اب انہیں غم لگے تو وہ جنگ سے پیچھے ہٹنے لگے  
لیکن انہوں نے خدا ہی اپنی نفس کو عداوت کی اور دل کو مضبوط کیا اور بڑے  
لگے اور شہید ہو گئے اور جنت میں داخل ہو گئے۔ یہ سن کر انصاریں خوشی کی  
لہر دوڑ گئی اور ان کی پریشانی ختم ہو گئی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی مجلس سے اس حالت میں اٹھے کہ  
آپ کے چہرہ مبارک پر مسرت غم کے آثار نمایاں تھے اور آپ نے حضرت جعفر  
کے گھر کا رخ کیا اور ان کی اہلیہ اسماء بنت عیس کے پاس گئے اور فرمایا: اے  
اسماء جعفر کے بچے کہاں ہیں؟ حضرت اسماء ان کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم  
کی خدمت میں لائیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اپنے سینے سے  
لگا لیا اور بوسہ دیا اور پھر آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور آپ  
رونے لگے جسے دیکھ کر حضرت اسماء سمجھ گئیں اور کہنے لگیں: اے اللہ  
کے رسول میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں آپ کیوں رورہے ہیں  
کیا آپ کو جعفر اور ان کے ساتھیوں کے بارے میں کوئی اطلاع مل رہی ہے؟  
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ آپ

نے فرمایا، جی ہاں آج وہ شہید ہو گئے ہیں۔ حضرت اسمانے چیخا ماری اور  
ترپنے لگیں اور غم کی وجہ سے سینہ کو پی کرنے لگیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
نے ان سے فرمایا: اے اسماء غلط بات نہ کہنا اور نہ سینہ پیٹنا۔

پھر آپ وہاں سے نہایت افسوس و غم اور حسرت کی حالت میں یہ  
کہتے ہوئے نکلے، اے افسوس

وہاں سے آپ اپنا صاحبزادی حضرت خاتمہ کے پاس آئے اور فرمایا،  
جعفر جیسے آدمی پر رونے والی عورت کو روٹا چاہیے۔ پھر آپ نے گھروالوں سے  
کہا، جعفر کی اولاد کے لئے کھانا پکا لو اس لئے کہ آج وہ اپنے آپ سے غافل ہیں۔  
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید بن حارثہ کی اولاد سے  
روتے ہوئے تعزیت و غمواری کی، اسی طرح حضرت عبداللہ بن رواحہ  
کی اولاد سے بھی۔

اہل مدینہ کے پاس یہ خبر پہنچی کہ مسلمانوں کا غر مہدیان جنگ  
سے بھاگ گیا ہے اور اب وہ لشکر خالہ کی اہل بیت و سربراہی میں مدینہ کی  
طرف آرہا ہے تو اہل مدینہ کو یہ بات بہت بُری معلوم ہوئی اور انہوں نے  
اس کی تصدیق کی، لیکن جب حضرت خالہ لشکر کے لئے کرمدینہ منورہ پہنچی گئے  
تو اہل مدینہ ان پر رحمت نازل فرمائی اور اس لشکر والوں سے نہایت  
ناراضی اور بے رخی سے ملے اور انہیں یہ کہنے لگے: اے بھگڑو، تم اللہ

کے راستہ سے بھاگے ہو۔

بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کے لشکر کے بارے میں  
جب اہل مدینہ کی یہ باتیں سنیں تو اللہ سے فرمایا:  
یہ لوگ بھگڑ رہے ہیں انشاء اللہ یہ لوگ دشمن پر حملہ کرنے کے  
لئے دوبارہ دستِ مبارک کو جانیں گے۔



## ۴۱ فتح مکہ

وَقَدْ إِذِ احْتَمَلْنَا الْيَمِينَ  
مُتَّاعَةً لِلْقَاسِ وَآمِنًا  
اور جب مقرو کیا، ہم نے غار کعبہ  
کو اجتماع کی جگہ لوگوں کے واسطے  
اور جگہ امن کی۔ (۱۲۵)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات کا بہت شوق تھا کہ  
اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو فتح مکہ کی دولت سے جلد از جلد مالا مال فرما دیں  
تاکہ وہ دوبارہ مکہ مکرمہ لوٹ سکیں۔

صلح حدیبیہ کے موقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور قریش کے  
درمیان جو معاہدہ ہوا تھا اس میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ دو سال تک  
کے لئے یہ صلح ہے جس میں کوئی فریق بھی دوسرے سے نہ جنگ کرے گا  
نہ قتل و غارت، ساتھ ہی اس میں یہ بھی لکھا تھا کہ عرب قبائل میں سے  
جو قبیلہ بھی اس معاہدہ میں جس کے ساتھ داخل ہونا چاہے اس کو داخل  
ہونے کی اجازت ہے چنانچہ اس موقع پر خزاعہ کے قبیلے نبی کریم صلی اللہ  
علیہ وسلم کے ساتھ ہو گئے اور بنو بکر کے قبیلے قریش کی طرف۔

لَا يُؤْمِرُ أَحَدُكُمْ بِحَتَّى  
أَكُونَا حَبَالَيْنِ مَقْلَدَيْنِ  
وَوَلَدَيْنِ لِنَسَائِهِمَا



اس معاہدہ کے بعد دن گذرتے رہے اور صورت حال یہ رہی کہ نہ مسلمان قریش اور ان کے ساتھ ملنے والے قبیلوں سے کوئی تعرض کرتے تھے اور نہ قریش مسلمانوں اور ان کے ساتھ ملنے والے قبیلوں سے یہاں تک کہ واقعہ مؤثر پیش آیا جو مسلمانوں اور رومیوں اور ان کے ساتھ ملنے والے عربوں کے مابین ایک نہ بردست موکہ تھا جس میں حضرت خالد بن ولید کی قیادت میں مسلمانوں کا لشکر واپس لوٹ کر آ گیا تھا اور مدینہ کے مسلمان اس واپس ہونے والے لشکر سے سخت نالاغ تھے اور ان کو بزدل اور جھگڑے قرار دے رہے تھے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نالاغ نہ ہوئے بلکہ آپ اس موقع پر واپس آنے والے لشکر کی جانب سے یہ فرماتے تھے کہ: یہ لوگ جھگڑے نہیں بلکہ ان شاء اللہ بڑے لوٹ کر حملہ کرنے والوں میں سے ہیں۔

اس واقعہ کا یہ اثر ہوا کہ بعض وہ قبیلے جو مسلمانوں سے ڈرتے اور ان کی طرف سے مشکوک رہتے تھے انہوں نے مسلمانوں کو کمزور سمجھنا شروع کر دیا اور پھر یوں ہوا کہ قریش شش کا ایک جماعت نے اس معاہدہ سے روگردانی شروع کر دی جو ان کے اور مسلمانوں کے درمیان طے ہوا تھا۔ غزوہ مؤثر سے مسلمانوں کی واپسی ایک رسمی صورت حال تھی کہ جس سے ایک صورت قریش اور ان کے حلیف قبیلوں اور مدینہ منورہ کے قریب

رہنے والے قبائل پر وہ اثر پڑا تھا جو ابھی بیان کیا گیا لیکن ان کے علاوہ جو قبیلے اس جنگ کے عمل وقوع کے قریب تھے ان پر اس واقعہ کا اثر بالکل اس کا منہ پڑا تھا اس لئے کہ یہ لوگ یہ سمجھ رہے تھے کہ یہ جنگ جس سے مسلمان جان بچا کر نکلنے میں کامیاب ہو گئے ہیں وہ جنگ جس میں مسلمانوں کے لشکر کی آمد انہیں ہزار کے قریب تھی جبکہ ان کے مد مقابل رومی لشکر کو تو ان سے کئی گنا زیادہ تھی ان کی نظروں میں اس عظیم الشان لشکر سے مسلمانوں کا بچ کر نکل جانا بڑی زبردست کامیابی تھی، بلکہ یہ ایک معجزہ ہی تھا کہ کوئی اس جیسے عظیم لشکر سے ٹکرائے اور پھر بچ جائے۔ حقیقت اللہ کی مدد ہی اس لشکر کے ساتھ تھی جس کی وجہ سے وہ لشکر کامیابی سے نکل گیا۔

ان قبائل کو مسلمانوں کی اس صورت حال پر اتنا تعجب ہوا اور ان کی قوت ایمانیہ کا ان پر اتنا اثر پڑا کہ ان میں سے اکثریت کے دل اسلام کی طرف مائل ہو گئے اور ساتھ ہی وہ عرب جو رومیوں کے ساتھ مل کر مسلمانوں کے خلاف برسر پیکار تھے وہ مسلمانوں کی بہادری و شجاعت و جرأت اور جنگ کے فنون سے واقفیت اور تجربہ کو دیکھ کر اتنے متاثر ہوئے کہ وہ اس نفر قرار کھلے ہوئے ظاہری امتیازی سلوک کے بھی اس وقت محسوس نہ کر سکے جو قارئین ان کے اور رومیوں کے لشکر کے ساتھ برت

رہے تھے یہاں تک کہ جب وہ ان کے پاس سے رخصت ہو گئے تو اصل صورت حال ان کے سامنے آئی اور اسلام جو امتیاز اور تفریق کا قائل نہیں ہے اس کو اس صورت حال سے زبردست فائدہ پہنچا۔

مسلمانوں کی ہیبت و رعب کو دوبارہ قائم کرنے میں مسلمانوں کو اس بات سے بھی بہت فائدہ پہنچا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر بن العاص رضی اللہ عنہ کو مسلمانوں کی ایک جماعت کے ساتھ یمن ان قبائل کے پاس بھیجا جو جزیرہ منساوب کے شمال میں شام کی سرحدوں کے قریب رہتے تھے، حضرت عمر کا انتخاب اس لئے کیا کہ ان کی والدہ اسی علاقہ سے تعلق رکھتی تھیں۔ اس لئے عمر کے لئے یہ آسان تھا کہ ان سے تعلقات پیدا کریں اور ساتھ ہی وہاں والوں کے لئے ان پر اعتماد و بھروسہ کرنا بھی آسان تھا۔

حضرت عمر و اپنے سفر میں اسی سلسلہ نامی چتر تک ہی پہنچ پائے تھے کہ اپنے سفر کو وہیں موقوف کر دیا اس لئے کہ انہیں یہ خدشہ پیدا ہو گیا تھا کہ مختلف قبائل ان کے خلاف ملاح بنا کر انہیں اچانک ہلاک و ختم کر ڈالیں اس لئے انہوں نے امداد طلب کرنے کے لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیغام بھیجا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو عبیدہ بن جراح کی قیادت میں ان کی مدد کے لئے ایک جماعت بھیجی

اور انہیں یہ وصیت کی کہ عمر کے ساتھ اختلاف نہ کریں۔

جب حضرت ابو عبیدہ حضرت عمر کے پاس پہنچے تو اس وقت تک دونوں صاحبان اپنے اپنے صحابوں اور جماعت کے قائل تھے حضرت عمر نے حضرت ابو عبیدہ سے فرمایا کہ آپ میری امداد کے لئے آئیں۔ حضرت ابو عبیدہ نہایت بہادری و کجاء و تواضع اور نرم آری تھے۔ انہوں نے حضرت عمر کے سامنے گردن جھکا دی اور ان کو اپنا قائل بنا لیا اور یہ فرمانے لگے اے عمر و مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے خیریں جوابات فرمائے وہ یہی تھے آپس میں اختلاف نہ کرنا۔

حضرت عمر و تمام افراد کے قائد بن کر چلے اور ان تمام قبیلوں کو جو ان کے ہم مقابل تھے ذلیل و سدا کیا اور ان کو ایک جگہ سے دوسری جگہ دھرتے رہے حتیٰ کہ ان کا لشکر تتر بتر ہو کر ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا اور ان لوگوں پر مسلمانوں کا رعب و ہیبت چھا گئی۔

اس واقعہ اور اس جیسے دوسرے واقعات سے مسلمانوں کا رعب اور ہیبت ان قبائل پر دوبارہ چھا گئی جو مسلمانوں کو حقیر و معمولی سمجھتے تھے۔ اور حضرت قریش اور ان کے حلیف بنو بکر کے ساتھ یہ معاملہ ہوا کہ بنو بکر کی ایک جماعت نے اپنے عہد و پیمان کو اس طرح توڑ ڈالا کہ انہوں نے مسلمانوں کے حلیف قبیلہ خزاعہ پر جو مکہ کے پاس اپنے چشمہ پر مقیم تھے راتوں رات حملہ

کر دیا۔ بنو نضیر نے خزاہ پر ان پرانی پرانی ریشٹوں اور دیتوں کے سبب سے حملہ کیا تھا جنہیں صلح حدیبیہ نے ان کے درمیان حل کر دیا تھا۔ جو بیکر امداد قریش کی ایک صلح جماعت نے بھی کی اور جو بیکر کے ساتھ غنمی طور پر مل کر لڑنے لگے تاکہ عہد و پیمان توڑنے کا الزام ان پر نہ آئے۔

خزاہ والوں نے مکہ اکرم میں پناہ حاصل کی اور بدیل بن ورقاد خزاعی جو مکہ میں ہی مقیم تھے ان کے گھر چلے گئے اور ان سے مدد طلب کی اور عمرو بن سلم خزاعی نے مدینہ منورہ کا قصد کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری دی۔ آپ لوگوں کے ساتھ مسجد میں تشریف فرما تھے لہذا انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بنو نضیر و قریش نے خزاہ کے ساتھ جو کچھ کیا تھا اس کا تذکرہ کیا اور بتایا کہ خزاہ والوں نے کس طرح ان کے ساتھ ہند کر دیا اور جنگ کر کے اس معاہدہ کو توڑ ڈالا جس پر سب نے متفقہ طور پر صلح کی تھی اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے وہاں امانت کی درخواست کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرو بن سلم کی بات کو خوب غور سے سنا جب وہ بات ختم کر چکے تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ اس عمرو بن سلم تمہاری مدد کی جائے گی اور لوگوں نے یہ محسوس کر لیا کہ بنو نضیر اور قریش نے مسلمانوں اور خزاہ والوں سے جو عہد شکنی کی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس پر بر گزشتہ قریش نہ بیٹھیں گے۔

بدیل بن ورقاد جس سے ان کی قوم نے مدد کی درخواست کی تھی وہ بھی خزاہ کے کچھ افراد کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں چلے گئے ارادہ سے نکلے اور آپ کو تمام صور کمال سے آگاہ کیا اور پھر مکہ مکرمہ واپس لوٹ گئے مکہ واپس ہونے پر راستہ میں ان کی ملاقات قریش کے سردار ابوسفیان بن حرب سے ہوئی جو مدینہ جا رہے تھے۔

بدیل بن ورقاد اور ان کے ساتھیوں نے یہ محسوس کر لیا کہ ابوسفیان بن حرب صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس صرف اس وجہ سے جا رہے ہیں کہ قریش نے اس معاملہ کی سنگینی کو محسوس کر لیا ہے جو ان کے بعض لوگوں نے خزاہ والوں کے ساتھ کیا تھا۔

ابوسفیان نے بھی یہ سمجھ لیا کہ بدیل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے ہی آرہے ہیں چنانچہ ابوسفیان نے بدیل سے پوچھا: اسے بدیل کہاں سے آرہے ہو؟

بدیل نے ابوسفیان سے اپنے مدینہ منورہ چلنے کی غرض سے کہا، میں ابوسفیان نے بدیل کے مدینہ جانے سے انکار کرنے کی قصد تھی۔ چنانچہ جب بدیل اور ان کے ساتھی چلے گئے تو ابوسفیان بدیل کے اونٹوں کے پیٹھ پر کچھ لگا دیا اور اونٹوں کی میٹکینوں کو خور سے دیکھا اور ان میں مدینہ کے چارہ کے دانے پہچان کر کہنے لگا: بخدا بدیل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے

پاس ضرور گیا ہے۔

اور پھر ابوسنیان نے مدینہ جانے کے لئے اپنا سفر جاری رکھا جس کی رغبت ان کے قبیلے والوں نے بھی انہیں دلائی تھی اور انہیں یہ یقین تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اگر قریش کی اس حرکت کا پتہ چل گیا ہے۔

چنانچہ جب وہ مدینہ منورہ پہنچے تو انہیں یہ ہمت نہ ہوئی کہ وہ جس مقصد کے لئے آئے ہیں اس سلسلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے براہ راست ملیں، چنانچہ انہوں نے اپنی بیٹی حضرت ام حبیبہؓ کو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اہلیہ تھیں ان کا قصد کیا تاکہ وہ ان کے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان واسطہ کا کام دیں۔

لہذا ابوسنیان اپنی بیٹی ام حبیبہؓ کے گھر گئے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بستر پر بیٹھنے کا ارادہ کیا تو حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے جس سے اسے لپیٹ دیا ابوسنیان اپنی بیٹی کے اس کام کو دیکھ کر حیرت میں پڑ گیا اور ان سے پوچھا، اے میری پیری بیٹی مجھے معلوم نہیں کہ کیا تم نے بستر کو میرے لائق نہیں سمجھا یا مجھے اس بستر کے لائق نہیں سمجھا۔

تو انہوں نے جواب دیا: یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بچھنا اور آپ ناپاک شرک آدمی ہیں اس لئے مجھے یہ اچھا معلوم نہ ہوا کہ آپ اس بستر پر بیٹھیں۔ یہ بات سن کر ابوسنیان کو حشت آگیا اور کہنے لگے۔ اے میری بیٹی بھدا

مجھ سے جدا ہونے کے بعد تم گمراہی میں پڑ گئی ہو۔

یہ کہہ کر ابوسنیان اپنی بیٹی کے پاس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جانے کے لئے روانہ ہوئے اور آپ سے مل کر اس سلسلہ میں بات چیت کی جس کے لئے قریش نے انہیں بھیجا تھا اور وہ مقصد یہ تھا کہ ان کے اور مسلمانوں کے درمیان جو معاہدہ ہوا تھا اس کی مدت میں امتداد کر دیا جائے اور اس میں اور غلطی اور تاکیہ پیدا کر جائے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوسنیان کو کوئی جواب نہیں دیا۔

چنانچہ دلوں سے ابوسنیان نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا رخ کیا تاکہ ان کو واسطہ دیا جائے لیکن حضرت ابوبکرؓ سے واسطہ بننے سے انکار کر دیا تو ابوسنیان حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس گیا تو حضرت عمرؓ کا جواب تھا کہ کیا میں تم لوگوں کی سفارش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کروں گا؟! بھدا اگر میرے پاس چیتھیلوں کے علاوہ اور کچھ بھی نہ ہو تب بھی میں تم سے چیتھیلوں کے ذریعہ ہی جنگ کروں گا۔

پھر ابوسنیان حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے پاس گئے وہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا بھی موجود تھیں اور ان کے سامنے ان کے صاحبزادے حضرت حسن بھی تھے چنانچہ ابوسنیان نے صورت حال حضرت علی کے سامنے رکھی اور ان سے درخواست کی کہ وہ نبی کریم

صلی اللہ علیہ وسلم سے اس سلسلہ میں سفارش کریں، لیکن حضرت علی نے فرمایا: اے ابوسنیان بات یہ ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی کام کا ارادہ کر لیتے ہیں تو پھر کسی میں یہ طاقت نہیں کہ آپ کو اس سے روک سکے یا اس سلسلہ میں آپ سے گفتگو کر سکے۔ یہ سن کر ابوسنیان حضرت فاطمہ کی طرف متوجہ ہوئے اور قسم دے کر ان سے کہا:

اے فاطمہ! کیا تم اپنے والد صاحب سے قریب کی سفارش کر سکتی ہو تاکہ تمہارا یہ بیٹا ہمیشہ ہمیشہ کے لئے نبیوں کا سردار بن جائے؟! حضرت فاطمہ نے فرمایا: اے ابوحنظلہ! ابوسنیان کی کینیت ہے، تمہیں معلوم ہے کہ مسلمان عورتیں اس سلسلہ میں دخل نہیں دیا کرتیں اور کوئی شخص بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضی کے بغیر کسی کو امان نہیں دے سکتا، یہ سن کر ابوسنیان پر یاس نہ آیا، امید ہی غالب آگئی اور بہت غمگین ہو گئے اور پھر مشورۃ حضرت علی سے کہا: اے ابوالحسن! حضرت علی کی کینیت ہے، معاملات بہت سنگین ہو گئے ہیں آپ مجھے مشورہ دیں میں کیا کروں؟

حضرت علی نے فرمایا: بھئی مجھے تو کوئی ایسی چیز معلوم نہیں ہے کہ جس سے تمہیں کچھ فائدہ ہو، البتہ تم چونکہ بنو کنانہ کے سردار ہو اس لئے کھڑے ہو اور لوگوں کو امان دے دو اور پھر اپنے ملک و وطن چلے جاؤ۔

ابوسنیان نے پوچھا: آپ کا کیا خیال ہے کیا اس سے مجھے کچھ فائدہ

موصول ہوگا؟

حضرت علی نے جواب دیا: جس خدا کی قسم ہرگز نہیں!! میرا خیال یہ ہے کہ تمہیں اس سے کچھ فائدہ نہ ہوگا لیکن میں تمہارے لئے اس کے علاوہ اور کوئی حاتمہ کا حکم نہیں پانا۔ چنانچہ ابوسنیان مسجد میں کھڑے ہوئے اور اعلان کیا کہ انہوں نے لوگوں کو امان دے دیا ہے اور پھر وہ اپنے اونٹ پر سوار ہو کر مکہ کی جانب چل دئے۔

جب وہ مکہ پہنچے تو ان کی قوم کے لوگ جلدی سے ان کے پاس آئے اور ان سے پوچھنے لگے کہ ان کے اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے درمیان کیا طے ہوا، چنانچہ انہوں نے بتلایا کہ ان کی تمام کوششیں رائیگاں گئیں اور ساتھ ہی حضرت علی کے دئے ہوئے مشورہ کا بھی تذکرہ کیا تو ان لوگوں نے اپنے سرداروں کو حرکت دی اور غصہ کی حالت میں یہ کہتے ہوئے رخصت ہو گئے کہ علی نے تم سے مذاق کیا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑے اقدام کا املودہ کر لیا تھا، چنانچہ ابوسنیان مدینہ سے رخصت بھی نہیں ہوئے تھے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ کو سامان سفر تیار کرنے کا حکم دے دیا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے سامان تیار کرنا شروع کر دیا۔ وہ اس تیاری میں لگی ہوئی تھیں کہ ان کے پاس حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تشریف لے آئے اور انہوں

نے جب ان کو سامانِ سفر تیار کرتے دیکھا تو ان سے پوچھا: اے عائشہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ کرنے کا ارادہ کر لیا ہے۔ انہوں نے جواب میں فرمایا: مجھے کچھ معلوم نہیں ہے۔

پھر حضرت ابو بکر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے عرض کیا: اے اللہ کے رسول کیا میں بھی تیاری کروں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جی ہاں! حضرت ابو بکر نے پوچھا: اے اللہ کے رسول آپ کہاں کا ارادہ فرما رہے ہیں؟

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قریش کا اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ اے ابو بکر اس بات کو ذرا پریشیدہ رکھنا اور پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو جنگ کی تیاری کا حکم دے دیا البتہ ان کو یہ نہیں بتلایا کہ کس جانب جانا ہے اور جو قبائل آپ کے ملیت و معاہدہ تھے ان کے پاس یہ پیغام بھیجا کہ جو اللہ تعالیٰ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہو اس کو چاہیے کہ رمضان کے مہینے میں مدینہ منورہ میں موجود ہو، اہل مدینہ نے تیاری شروع کر دی اور ادھر ادھر سے تعلق رکھنے والے مسلمان اپنے اپنے گھوڑوں ساز و سامان و اسلحہ وغیرہ کے ساتھ مدینہ منورہ پہنچ گئے اور ان سب کی تعداد پندرہ ہزار تک پہنچ گئی۔

سنہ ۱ھ ہجری میں دس رمضان کو جب کہ لشکر مدینہ سے رخصت

ہونے کو تیار تھا ٹھیک اس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اعلان فرمایا کہ آپ مکہ مکرمہ کے ارادہ سے نکل رہے ہیں اور پھر اللہ تعالیٰ سے ان الفاظ کے ذریعہ دعا مانگی۔

اے اللہ جاسوس وغیرہ کو قریش تک نہ پہنچنے دے تاکہ قریش کو ہمارے آگے نہ اٹھ سکے، اللہ تعالیٰ! اللہ تعالیٰ! اللہ تعالیٰ! اللہ تعالیٰ! اللہ تعالیٰ! اپنے جہاز و برہان حضرت علی اور چوہی زاد بھائی حضرت زبیر کو بلایا اور ان دونوں کو حکم دیا کہ جلدی سے فوراً جائیں اور مکہ کی ایک عورت جس کا نام سارہ ہے جو کہ بنو عبد المطلب میں سے کسی کی آزاد کردہ باندی ہے اسے پکڑ لیں اس لئے کہ عاتب بن ابی بلتعہ نے اس کے ساتھ اہل مکہ کو ایک خط لکھ کر بھیجا ہے جس میں مکہ والوں کو یہ خبر دی گئی ہے کہ مسلمانوں کا لشکر ان کی طرف آرہا ہے حضرت عاتب رضی اللہ عنہ ان جلیل القدر مسلمانوں میں سے تھے جو لشکر کے ہمراہ تھے، چنانچہ حضرت علی و زبیر اس عورت کے تعاقب میں تیزی سے نکل کھڑے ہوئے اور اس کو پکڑ لیا اور اس سے اس خط کے بارے میں دریافت کیا تو اس نے صاف انکار کر دیا۔ چنانچہ انہوں نے اس کو اونٹ سے نیچے اتارا اور سامان کی تلاشی لی لیکن اس میں بھی ان دونوں کو کچھ نہ ملا تو حضرت علی نے اس عورت سے کہا۔

خدا کی قسم یا تو تم خط نکال کر ہمیں دے دو ورنہ ہم تمہیں تلاشی کے لئے

ننگا کر دیں گے، چنانچہ جب اس عورت نے یہ محسوس کر لیا کہ داقی حضرت علی  
ایسا کر گذر رہے ہیں تو اس نے کہا کہ آپ منہ پھیر لیں چنانچہ حضرت علی و زبیرؓ نے  
پھیر لیا اور پھر اس عورت نے وہ خط اپنے بالوں کے جوڑے میں سے نکال کر  
ان دونوں کے حوالہ کر دیا اور یہ دونوں اس خط کو لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم  
کی خدمت میں حاضر ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عاتبہ  
کو طلب فرمایا اور ان کو وہ خط دکھا کر فرمایا: اے عاتبہ تم نے ایسا کیوں کیا؟  
داقی یہ ایک سخت گھڑی تھی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عاتبہ سے یہ

کے لئے جو ہمیشہ سے اسلام اور مسلمانوں کے مفصل مشہور تھے، حضرت حاطب نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! بخدا میں اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتا ہوں نہ تجھ میں کوئی تبدیلی آئی ہے اور نہ کسی قسم کا تغیر، اہل بیت اور اہل بیت کے قیدی اور قریش میں ایک ایسا شخص ہوں جس کا قریش میں نہ کوئی غلامانہ تہ نہ قیدی اور قریش کے پاس میری والدہ اور بچے موجود ہیں اس لئے میرے یہ احسان ان پر میرے لئے کرنا چاہتا ہوں کہ اس جہنم سلوک کی وجہ سے یہ لوگ میری ماں و بچوں کو کوئی تکلیف نہ پہنچائیں۔

حضرت عمر بن خطابؓ نے فرمایا: اے اللہ کے رسولؐ مجھے اجازت  
 دیجئے تاکہ میں اس کی رویت اٹرا دوں اس لئے کہ یہ صاحب منافق ہو گئے ہیں  
 یہ کہہ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اسے عمر تمہیں کیا معلوم؟

ہر کتاب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اہل بدر کی طرف فکر و غور فرماتے ہوئے یہ فرمایا  
 جو کہ ہاؤز چاہے کرو میں نے تمہاری مہتر کر دی ہے اور پھر اللہ تعالیٰ کی  
 طرف سے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر درج ذیل وحی نازل ہوئی۔

وَيَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّبِعُوا  
عَذْوَنَ الَّذِينَ أَتَوْا مُتَّكِلِينَ  
فَالْجَبَلُ مَوَدَّةَ لَهُمْ وَأَنْتُمْ  
أَنْتُمْ كَالْجِبَالِ أَمْ تَلْمِزُهُمْ

اے ایمان والو! تم میرے دشمن اور اپنے  
دشمن کو دوست نہ بنالینا کہ ان سے محبت  
کا اظہار کرنے لگو۔

چنانچہ مسلمانوں نے یہ جان لیا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مطاہ کو مومن ہی میں شمار فرمایا ہے اور واقعی حضرت مطاہ سچے سچے مومن ہیں منافق ہرگز نہیں، اور ان سے یہ غلطی ایک ایسی غلطی تھی جو انسان سے کبھی کبھی انسانی کمزوری کی وجہ سے بلا قصد و ارادہ صادر ہو جایا کرتی ہے۔

مسلمانوں کا شکریہ ادا کر کے چل پڑا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ خواہش مئی کو قریش کو آپ کے آنے کی خبر نہ ہوتا کہ وہ جنگ کے لئے تیار ہی نہ کر سکیں اور آپ اس بات کے متحقی تھے کہ بغیر خون بہائے مکہ مکرمہ فتح ہو جائے۔ جنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لشکر کے لئے جاسوس کے طور پر چند حضرات کو آگے بھیج دیا تاکہ وہ راستے وغیرہ کی گزارش کریں۔ چنانچہ ان میں سے بعض حضرات ہوازن قبائل کے ایک آدمی کو اپنے ساتھ لے کر آئے، اس سے جب باز پرس کی گئی تو معلوم ہوا کہ وہ ہوازن کا جاسوس ہے اور اصر

ادھر سے ہوازن کے لئے خبریں جمع کر رہا تھا اور ملاقات معلوم کر رہا تھا۔ جب  
نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے باز پرس کی تو معلوم ہوا کہ ہوازن واسے  
مسلمانوں سے جنگ کی خاطر لشکر اکٹھا کر رہے ہیں اور یہ کہ ان لوگوں نے طائف کے  
تعینت قبیلہ دانوں کے پاس بھی پیغام بھیجا ہے تاکہ وہ ان کی امداد کریں، تو تعینت  
دالوں نے ان سے اتنے عرصہ کے لئے مہلت طلب کی جتنے عرصہ میں دمشق کے  
ملاقہ پر سرش آدمی بھیج کر بھاری قسم کا جنگی سامان تو یہیں ٹینک وغیرہ منگا سکیں۔  
یہ سن کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کی کڑی نگرانی کا حکم دیا اور اس کو  
قید رکھنے کا حکم جاری کر دیا۔

شکر چٹارہ اور سفر کے دوران لشکر سے آپ کے چچا حضرت عباس بن  
عبد المطلب کی ملاقات ہوئی جو اپنے اہل و عیال سمیت مکہ سے مدینہ منورہ  
ہجرت کے قصد سے آ رہے تھے تاکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست  
مبارک پر ایمان لے آئیں۔

اپنے چچا حضرت عباس کی ملاقات سے آپ کو خوشی ہوئی اور ان کے  
مسلحان ہونے کے اعلان سے آپ کو بہت سرور حاصل ہوا اور آپ نے  
ان کے اہل و عیال کو مدینہ منورہ بھیج دیا اور حضرت عباس شکر کے ساتھ  
ساتھ ہوئے۔ ان کے شکر والوں کی ملاقات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے  
دور میں ہوئی اور ان کے چچا زاد بھائی ابو سفیان بن الحارث بن عبد المطلب

اور پھر بھی زاد بھائی عبد اللہ بن امیہ سے بھی ہوئی جو اپنے اہل و عیال سمیت آنے  
تھے اور یہ دونوں حضرات بھی مدینہ منورہ اس ارادہ سے جا رہے تھے تاکہ آپ  
کے دست مبارک پر ایمان لے سکیں۔ لیکن جب ان دونوں نے آپ کے سامنے  
حاضری کی اجازت مانگی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کو اس لئے  
حاضری کی اجازت دہی کر دی کہ وہ دونوں ان لوگوں میں سے تھے جنہوں نے نبی کریم  
صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ کے قیام کے دوران تکلیف پہنچائی تھیں اور آپ  
کو سخت پریشان کیا تھا۔

حضرت عباس ان دونوں کی سفارش کے لئے آگے بڑھے جیسے کہ  
اس سلسلہ میں آپ کی اہلیہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بھی پیش قدمی کر  
چکی تھیں اور حضرت ام سلمہ اور میمونہ رضی اللہ عنہا آپ کی وہ ازواج مطہرات  
تھیں جنہیں آپ کے ساتھ اس سفر میں رفاقت کی سعادت حاصل تھی،  
اور عبد اللہ بن امیہ حضرت ام سلمہ کے باپ شریک بھائی تھے لیکن نبی  
کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، مجھے ان دونوں کی کوئی ضرورت نہیں، اس  
لئے کہ میرے چچا زاد بھائی نے مجھے بہت تکلیف پہنچائی ہے اور میرے چچوچی  
زاد بھائی نے میرے بارے میں جو کچھ کہنا تھا وہ مکہ میں کہ لیا۔

ابوسفیان کو جب معلوم ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے ملنے سے



انکار کر دیا ہے تو یہ بات اس پر بہت شاق گذری اور اس نے کہا: بخدا چٹے  
ضرور اجازت دیں گے ورنہ یہ کہ میں اپنے اس بیٹے کا ہاتھ پکڑ کر کسی گوشہ  
کی طرف چلا جاؤں گا تاکہ ہم بھوکے پیاسے مر جائیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ سن کر رحم آگیا تو آپ نے انہیں اور ان  
کے ساتھی کو اپنے پاس داخل ہونے کی اجازت دے دی۔ چنانچہ وہ دونوں  
آئے اور آپ کے دست مبارک پر اسلام لے آئے۔ پھر لشکر اپنے راستہ  
پر چلتا رہا اور پھر کسی ایسی بات کا علم نہ ہوا جس سے یہ معلوم ہوتا کہ قریش کو  
آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آنے کا علم ہو گیا ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ سمیت مرانظہران نامی جگہ پہنچ گئے  
جو مکہ کے قریب ہی تھی اور وہاں ایک مکمل میدان میں لشکر کے پٹا اور ڈال  
دیا اور دور دور تک اس سرزمین کے طول و عرض میں اس لشکر کے ازل  
و آخر کا پتہ نہ چلتا تھا اور حضرت عباس کو یہ پورا نشان ہو گیا کہ جب نبی  
اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس عظیم الشان لشکر کو مکہ میں زبردستی داخل  
ہوں گے تو لازمی طور سے قریش ان کے مقابلہ کے لئے اٹھ کھڑے ہوں  
گے اور یہ چیز قریش کی فتح کئی کا زلیحہ بنے گی۔

حضرت عباس نے کافی سوچا اور یہ حل مناسب سمجھا کہ ان کا وہ خانہ ان  
وقبیلہ ہے وہ کھنچوڑ کر رخصت ہوئے تھے اس سے جا کر صلح کی بات کر کے

اسے اس بات پر آمادہ کریں کہ وہ اگر عافیت چاہتے ہیں تو نبی کریم صلی اللہ  
علیہ وسلم کے ساتھ صلح و معاہدہ کر لیں۔

جس رات مسلمانوں کے لشکر نے مرانظہران میں پٹاؤ ڈالا تھا اور  
وہاں مختلف جگہ ایسی زبردست آگ دہک رہی تھی جس سے تمام صحرا  
ایسا معلوم ہوا جیسا کہ وہ آگ اور روشنی کا ایک ٹکڑا ہے، اس رات حضرت  
عباس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیٹا و نامی خنجر پر سوار ہوئے اور  
بندھ ٹیلے پر چڑھ کر دیکھنے لگے تاکہ کوئی لکڑیا یا دودھ والا یا کوئی ایسا آدمی  
نظر آجائے جو کہ جارہا ہو تاکہ اس کے ساتھ قریش کو یہ پیغام بھیج دیں  
کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر امان طلب کر لیں۔

حضرت عباس ابھی اس جگہ کھڑے ہوئے اور اُدھر دیکھ رہے  
تھے کہ انہوں نے محسوس کیا کہ ان کے قریب ہی دو آدمی آپس میں ایک  
دوسرے سے باتیں کر رہے ہیں چنانچہ وہ ان کی باتیں سننے کے لئے ان کی  
طرف متوجہ ہو گئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ ان میں سے ایک دوسرے سے یہ  
کہہ رہا ہے۔

آج کی رات جتنی بڑی آگ نہ میں نے کبھی دیکھی ہے اور نہ اتنا بڑا  
لشکر دیکھا ہے۔

دوسرے نے کہا: بخدا یہ تو خدا کا دالہ ہیں جن کو جنگ نے آگ بگولہ

کر دیا ہے اور ان کو زبردست طریقے سے ابھارا ہے۔

پہلے والے نے جواب دیا: خزاہ والے اتنے زیادہ اور اتنے بڑے نہیں ہیں کہ وہ اتنی آگ جلا سکیں اور ان کا اتنا بڑا لشکر ہو حضرت عباس نے محسوس کر لیا کہ پہلی آواز والے ابوسفیان بن حرب ہیں چنانچہ حضرت عباس نے ہند آواز سے پکارا: اے ابوجنظلہ! (ابوسفیان کی کنیت ہے) دوڑ کر اس طرف سے استفسار کی شکل میں ابوسفیان کی آواز آئی کہ کیا ابوالفضل حضرت عباس کی کنیت ہے، ہیں؟ حضرت عباس نے فرمایا: جی ہاں، ابوسفیان اپنے ساتھی سمیت حضرت عباس کے پاس آگئے اور کہا ان کے ساتھ جو صاحب تھے ان کا نام بدیل بن ورقاد اور حکیم بن حزام تھا اور ابوسفیان نے کہا: اے ابوالفضل آپ کو کیا ہو گیا؟ اور آپ کے پاس کیا خبر ہے؟ حضرت عباس نے فرمایا: اے ابوسفیان تمہاری قوم لوگوں کے لئے یہ دیکھو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور دو میرے درمیان جمع ہیں۔ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زبردستی کہ میں داخل ہو گئے تو قریش کے لئے موت ہو گی۔ ابوسفیان نے فرمایا: کہ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں کیا تم میرا اختیار کرنا چاہتے ہو؟ حضرت عباس نے فرمایا: تم فخر کے پچھلے حصہ پر سوار ہو جاؤ تاکہ میں تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے جاؤں۔ چنانچہ ابوسفیان حضرت عباس کے فخر پر سوار ہو گیا اور بدیل

بن ورقاد اور حکیم بن حزام مکہ واپس لوٹ گئے۔ کیا واقعی قریش کو بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مکہ کے ارادہ سے نکلنے کا علم ہو گیا تھا اور قریش نے ان تینوں آدمیوں کو اس لئے بھیجا تھا تاکہ وہ حالات معلوم کر سکیں اور ان میں سے کوئی بھی ان کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کوئی خبر دے دے! مگر زیادہ غالب گمان یہی ہے کہ یہ اجابک ایسا ہو گیا تھا۔

حضرت عباس ابوسفیان کو لے کر مسلمانوں کے لشکر اور ملحق آگ کے درمیان سے گزرنے لگے یہ دونوں جب بھی کسی آگ کے پاس سے گزرتے تو وہاں موجود حضرت اس فخر کو دیکھ کر یہ پہچان لیتے کہ یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فخر ہے اور اس کو آگے گزرنے کی اجازت دے دیتے حتیٰ کہ یہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی آگ کے قریب پہنچے تو انہوں نے فخر کو دیکھا اور دیکھا کہ ابوسفیان اس پر سوار ہے تو وہ یہ کہتے ہوئے فرار اپنی جگہ سے کھڑے ہوئے:

اللہ کا دشمن ابوسفیان آگیا ہے، خدا کا شکر ہے کہ اس نے تجھے ہمارے قبضہ میں دے دیا اور پھر تیرے قبضہ میں بڑھاتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خیمہ کی جانب روانہ ہو گئے تاکہ حضرت عباس کے وہاں پہنچنے سے پہلے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ابوسفیان کی گردن اڑانے کی

اجازت طلب کر لیں۔

حضرت عباس حضرت عمر کے ارادہ کو بھانپ گئے اور وہ بھی تیزی سے چلے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچ گئے اس وقت حضرت عمر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ابوسفیان کی گردن اڑانے کی اجازت طلب کر رہے تھے تو حضرت عباس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: اے اللہ کے رسول میں نے ابوسفیان کو امان دے دیا ہے اور پھر حضرت عباس یہ کہتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب بیٹھ گئے کہ: بھلا آج رات ان سے میرے سوا کوئی اور گفتگو نہیں کرے گا۔

حضرت عمر حضرت عباس پر غصہ ہو گئے اور حضرت عباس حضرت عمر کو جیب ان دو فوس کے درمیان جکڑا اڑھ گیا اور بات چیت مکمل ہو گئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباس سے فرمایا: اے عباس! تو اپنے خیمہ کی طرف لے جاؤ صبح کو میرے پاس ملے کر آ جاؤ۔

صبح کو حضرت عباس و ابوسفیان نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچ گئے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوسفیان سے کہا: اے ابوسفیان! تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ کیا اب بھی اس بات کا وقت نہیں آیا ہے کہ تم یہ یقین کر لو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔

ابوسفیان نے کہا: میرے ماں باپ آپ پر قربان ہو جائیں آپ

کہتے ہر بار کہتے مشریت اور کہتے زیادہ صلہ رحمی کرنے والے تھے بھلا امیر امیر خیل ہے کہ اگر اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا معبود بھی ہو تو وہ بھی مجھے کچھ نائدہ نہ پہنچاتا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے رشاد فرمایا: اے ابوسفیان! کیا ابھی اس بات کا وقت نہیں آیا کہ تم یقین کر لو کہ میں اللہ کا رسول ہوں؟

ابوسفیان نے کہا: میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں آپ کہتے صلہ رحمی اور شریف اور صلہ رحمی کرنے والے ہیں۔ بات یہ ہے کہ اس بارے میں اب بھی دل میں کچھ شک ہے۔ حضرت عباس نے جلدی سے ابوسفیان سے کہا: ہلاکت ہو تمہارے لئے!! اسلام قبول کر لو اور اس سے پہلے کہ تمہاری گردن اڑادی جائے اس بات کی گواہی دے دو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔

ابوسفیان کے لئے اس کے سوا کوئی چارہ کار نہ تھا کہ وہ اسلام لے آئیں اور کلمہ پڑھ کر سچی گواہی دے دیں اور حضرت عباس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ: اے اللہ کے رسول! ابوسفیان ایک ایسے شخص ہیں کہ جو فخر کو پسند کرتے ہیں اس لئے ان کو کوئی مصدومیت بخش دیں جو ان کے لئے باعث فخر ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ٹھیک ہے، جو شخص ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائے اس کے لئے امان ہے اور جو شخص اپنے گھر کا دروازہ

بند کر لیں وہ بھی امان میں ہے اور جو شخص مسجد حرام میں داخل ہو جائے وہ بھی امان میں ہے۔

اور پھر جب حضرت عباسؓ و ابوسفیانؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے واپس لوٹے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباسؓ کو روکا اور ان سے فرمایا: اے عباسؓ ان کو وادی کے اس تنگ مقام کے پاس روکے رکھو جہاں سے پہاڑ کو راستہ جاتا ہے تاکہ اللہ کے مہاجرین کے لشکر و لوں سے جیب گزریں تو یہ ان کو دیکھ لیں۔

چنانچہ جب حضرت عباسؓ ابوسفیانؓ کو لے کر پہاڑ کی جانب جانے والے راستے کے پاس پہنچے تو وہاں ان کو روک کر رک گئے حتیٰ کہ مسلمانوں کا لشکر اور چھاتی ان کے پاس سے گزر گئیں اور ہوتا یہ تھا کہ جب بھی کوئی قبیلہ اپنا جھنڈا اٹھائے کہ وہاں سے گذرنا تو حضرت ابوسفیانؓ حضرت عباسؓ سے پوچھتے یہ کون سا قبیلہ ہے؟! تو حضرت عباسؓ ان کو اس کا نام بتا دیتے تھے، حتیٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عظیم لشکر نکلیا جس میں انصار و مہاجرین تھے اور ان کے خود اور پہلی ہی اسلو نظر آ رہا تھا، تو ابوسفیانؓ نے پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں؟

حضرت عباسؓ نے جواب دیا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مہاجرین و انصار ہیں، ابوسفیانؓ اس کو دیکھ کر دہشت میں تو پڑ ہی گئے

تھے کہنے لگے ان کا دعویٰ کوئی مقابلہ کر سکتا ہے اور نہ ان کو کوئی روک سکتا ہے۔  
بعد ازاں ابوالفضلؓ تمہارے بھتیجے کی حکومت تو بہت زبردست ہو گئی ہے تو حضرت عباسؓ نے فرمایا: اے ابوسفیانؓ یہ تو نبوت کا کاشمیر ہے، ابوسفیانؓ نے کہا پھر تو بہت ہی اچھی بات ہے۔

ابوسفیانؓ مکہ کی جانب چل پڑے اور جب آبادی کے قریب پہنچ گئے تو چند آدمیوں سے یہ کہنے لگے: اے قریش کی جماعت یہ دیکھو مجھ (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہارے پاس اتنا بڑا لشکر لے کر آگئے ہیں جس کا تم مقابلہ نہیں کر سکتے لہذا اس کو کہہ دو کہ ابوسفیانؓ کے گھر میں داخل ہو گیا وہ مامون ہے اور جس نے اپنے گھر کے دروازے بند کر لئے وہ بھی امان میں ہے اور جو مسجد حرام میں داخل ہو گیا وہ بھی امان میں ہے۔

مسلمانوں کا لشکر مکہ کی جانب روانہ ہو گیا اور جب ذی طوی نای جگہ پر پہنچ گیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لشکر کو اس طرح تقسیم فرمادیا کہ دائیں بازو پر حضرت خالد بن ولیدؓ کو مقرر فرمایا اور انہیں یہ حکم دیا کہ مکہ مکرمہ میں اس جانب سے داخل ہوں جو نشیب میں واقع ہے اور بائیں بازو پر حضرت زبیر بن عوامؓ کو مقرر فرمایا اور انہیں یہ حکم دیا کہ مکہ میں مغربی جانب سے داخل ہوں اور خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مہاجرین کی قیادت فرما رہے تھے جن کو مکہ کی اس جانب سے داخل ہونا تھا جو بلندی پر تھا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو یہ حکم دیا کہ وہ صرف اس سے جنگ کریں جو ان سے جنگ کرے اور خزینہ پر صرف اس وقت آمادہ ہوں جب بہت زیادہ مجبور ہو جائیں، البتہ چند آدمی ایسے تھے کہ جن کے نام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو بتلا دیئے تھے اور ان کے لئے یہ حکم دے دیا گیا تھا کہ وہ جہاں بھی ملیں ان کو قتل کر دیا جائے خواہ وہ کعبہ کے پردے سے چھٹے ہوئے کیوں نہ ہوں۔

حضرت سعد بن عبادہ والا لشکر کا حصہ جب چلنے لگا تو ان پر حیرت غالب ہو گئی اور انہوں نے ایسا جنگی نعرہ بلند کیا جس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اندیشہ ہوا کہ کہیں ان سے خزینہ پر سرزد نہ ہو جائے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پسند نہیں ہے، اس لئے آپ نے حضرت سعد کو مومنوں کو ان کی جگہ ان کے بیٹے قیس کو مقرر کر دیا۔

مسلمانوں کا لشکر مکہ مکرمہ میں داخل ہونے کے لئے حرکت میں آ گیا۔ مکہ والوں نے ہتھیار ڈال دئے تھے اور اپنے آپ کو گھروں میں بند کر لیا تھا اور گھر کیوں سے اسلام کے اعلان مرکز میں اسلام کے لشکر کو داخل ہونا ہوا دیکھنے لگے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں داخل ہو گئے وہ مکہ جہاں سے آپ رات کی تاریکی میں چھپ کر نکلے تھے وہ مکہ جہاں سے آپ قریش سے

بچنے کے لئے انوں بات نکلے تھے اور اس وقت آپ کے رفیق سفر صرف حضرت ابو بکر اور ایک خادم تھے اس کو مکرہ میں آج آپ اس حالت میں داخل ہو رہے تھے کہ قریش نے اس کے کام دروانے آپ کے لئے کھول دیئے تھے اور آپ کے ساتھ دس ہزار مسلمانوں کی جماعت تھی۔

سبحان اللہ! یہ ایک ایسی گھڑی تھی کہ جن کی اہمیت سے دل کا نبی اٹھتا تھا اور عاجزی و تواضع کے انہار کے لئے سر جھکائے جاتے ہیں کہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس حالت میں داخل ہونے کے آپ نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کے لئے اپنے سر مبارک کو اتنا جھکا رکھا تھا کہ قریش تھا کہ آپ کی داڑھی مبارک آپ کی سوارسی کی پشت دھچکھ اپر لگ جائے۔

مسلمانوں کا پورا کا پورا لشکر مکہ مکرمہ میں داخل ہو گیا اور قریش نے کسی قسم کی مدافعت نہ کی سوائے اس جانب کے جہاں سے حضرت خالد بن ولید داخل ہوئے تھے، اس لئے کہ وہ لوگ رہتے تھے جو مسلمانوں کے سب سے بڑے دشمن تھے جیسے کہ عکرمہ بن ابی جہل اور صفوان بن امیہ اور ہبیل بن عمرو وغیرہ ان لوگوں کو یہ اچھا نہیں معلوم ہوا کہ بڑی کسی مقابلہ و مدافعت کے مسلمان ان کے علاقہ میں داخل ہو جائیں لہذا ان لوگوں نے اپنے ساتھ ان لوگوں کو مل کر مسلمانوں سے جنگ کی جن کو یہ لوگ جنگ پر برا لگتے تھے و آمادہ کر چکے تھے لیکن مسلمانوں کی طاقت و قوت کے سامنے ان میں سے کوئی بھی

مظہر سکا اور سب کے سب شکست کھا کر بھاگ نکلے اور اس معرکہ میں دس  
سے اوپر قریش کے آدمی مارے گئے اور دو مسلمان شہید ہوئے۔

حضرت خالد بن الولید کے جنگ کرنے سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم  
ناراض ہوئے لیکن جب آپ کو یہ بتلایا گیا کہ حضرت خالد نے اس وقت تک جنگ  
نہیں کی جب تک کہ بہت زیادہ مجبور نہ بنیں ہو گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم  
نے فرمایا کہ اس میں بھلائی ہے جسے اللہ نے پسند فرمایا۔

مکہ کے بلند حصہ پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا خیمہ لگا دیا گیا جہاں آپ  
صلی اللہ علیہ وسلم نے قیام فرمایا، آپ سے عرض کیا گیا، اے اللہ کے رسول کیا  
آپ اپنے گھر میں قیام نہیں فرمائیں گے؟ تو آپ نے فرمایا، کیا مکہ میں میرے  
لے کوئی گھر چھوڑا گیا ہے؟ اے اللہ کے رسول آپ جس گھر کو پسند کریں اس  
میں قیام فرمائیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جی ہاں میں ہرگز کسی گھر میں  
نہیں ٹھہروں گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خیمے میں ٹھہرے سب سے اور پھر جب  
حالات پر سکون ہو گئے اور لوگ مطمئن ہو گئے تو آپ بیت اللہ کی طرف متوجہ  
ہوئے اور سواری پر ساری بیت اللہ کے ساتھ چکر لگا کر طواف کیا اور پھر حضرت  
عثمان بن لؤی کو بلایا اور ان سے کہہ دیا کہ چابیاں منگوائیں، جب وہ آپ کے  
پاس چابیاں لے آئے تو آپ نے کعبہ کا دروازہ کھول دیا اور پھر اس کے دروازہ

پر کھڑے ہو کر آپ نے فرمایا:

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ  
لَا شَرِيكَ لَهُ صَدَقَ وَعْدُهُ  
وَأَصْرَعُ عَبْدُهُ وَوَهَبْنَا  
الْأَحْزَابَ وَحْدَهُ۔

پھر قریش کو اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان مبارک پڑھ کر سنایا:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ  
مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ  
شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا  
إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ  
أَتْقَىٰ كَلِمَ اللَّهِ عَلَيْهِ  
حَبِيبُ (الحجرات - ۱۳)

پھر آپ نے فرمایا، اے قریش کی جماعت تمہارا کیا خیال ہے کہ میں  
تمہارے ساتھ کیا برتاؤ کروں گا؟

انہوں نے کہا: اچھا لگاں ہے، آپ نہایت شریف بھائی ہیں اور  
نہایت شریف بھائی کے بیٹے ہیں۔

آپ نے فرمایا کہ چاہاؤ تم سب آزاد ہو سب کو معاف کیا جاتا ہے۔

واقعی یہ ایسے کلمات تھے کہ جنہیں سن کر قریش ایک لمحہ کے لئے بالکل خاموشی میں پڑ گئے اور پھر انہوں نے اس کے عظیم معنی سمجھ لئے اور اس کی زبردست روح کو پایا اور یہیں سے مکہ والوں کی نفوس میں اس ذات کے لئے جہالت و غفلت و اعزاز و اکرام سرایت کرنے لگا جو واقعی ایک کامل مکمل سمجھدار انسان نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت کے روپ میں موجود تھے جن کی نفس کی لذتی اور روح کی پاکیزگی بشریت کے معیار سے اوپر تھی جس میں کسی قسم کے حسد و کینہ کی گنجائش قطعاً نہ تھی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ میں داخل ہو گئے اور وہاں جو تصویریں و ثبت بنے تھے ان کے ٹٹلنے کا حکم دیا اور پھر اپنے عصا سے ان بتوں اور صورتوں کی طرف اشارہ فرمایا جو کعبہ کے اندر اور باہر موجود تھیں اور آپ یہ فرما رہے تھے۔

وَقَدْ جَاءَ الْمُحَرِّقُ وَذَهَقَ الْبَاطِلُ  
إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ ذَهُوقًا  
(بنی اسرائیل - ۱۷)

اور تمام بتوں اور صورتوں کو توڑ دیا گیا اور اس طرح سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت اللہ کو ان بتوں سے پاک کر دیا جس کے پاک کرنے کا آپ نے ایک طویل عرصہ سے اعلان کیا ہوا تھا۔

اور پھر حضرت بلال کعبہ کے اوپر نماز کے لئے اذان دینے کے لئے جھوٹ گئے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کی امامت فرمائی۔ چنانچہ آپ نے مسلمانوں کے ساتھ بیت اللہ کے قریب کعبہ کے صحن میں نماز پڑھی اور پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صفا پہاڑ پر کھڑے ہو کر اللہ تعالیٰ سے دعا مانگنے لگے اور انصار نے جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ کے اس بڑے انعام کو منک اور بتوں سے اس کی پاکیزگی کو دیکھا تو ایک سے ڈرتے ڈرتے کہنے لگے:

کیا خیال ہے آپ لوگوں کا کہ اب جبکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی سر زمین دلدی اور فتح و کامرانی سے نوازا کیا اب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم یہیں مقیم ہو جائیں گے؟!

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب دلعاسے فارغ ہوئے تو ان سے پوچھنے لگے کہ ان لوگوں نے آپس میں کیا بات چیت کی تھی، وہ حضرات خاموش رہے، آپ نے ان سے مکرر کہہ کر پوچھا تو انہوں نے وہ بات بتلا دی تو آپ نے ارشاد فرمایا: اللہ کی پناہ، زندگی تمہارے ساتھ گزرے گی اور مرنا بھی تمہارے ساتھ ہو گا۔

فتح مکہ کے دوسرے دن خزاعہ والوں کو مکہ میں ایک ایسے مشرک شخص کا علم ہوا جس کا ہڈیل سے تعلق تھا اور خزاعہ والوں کا اس شخص پر خون بہا

آ رہا تھا چنانچہ خزاہ والوں نے اس مشرک شخص کو قتل کر دیا، یہ بات جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوئی تو آپ سخت ناراض ہوئے اور لوگوں سے خطاب کرنے کے لئے یہ کہتے ہوئے کھڑے ہوئے!

اے لوگو! اللہ تعالیٰ نے جس دن سے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا ہے اسی روز سے مکہ کو حرام قرار دیا ہے لہذا یہ قیامت تک کے لئے محرم و حرام ہی رہے گا، لہذا کوئی بھی ایسا شخص جو اللہ اور قیامت کے روز پر ایمان رکھتا ہو، اس کے لئے یہ حلال نہیں ہے کہ وہ یہاں کسی کا خون بہائے یا یہاں کے درخت کو کاٹے اور اس مکہ مجھ سے پہلے بھی کسی کے لئے حلال نہیں کیا گیا اور زمیرے بعد پھر کسی کے لئے حلال ہو گا اور میرے لئے بھی یہاں کے لوگوں پر غضب و ناراضگی کی وجہ سے اس محوطے سے وقت کے لئے ہی حلال کیا گیا تھا اور پھر اس کی حرمت و احرام میرے لئے کمرٹ لوٹ آیا ہے لہذا تم میں سے جو لوگ یہاں موجود ہیں ان میں سے چاہیے کہ ان لوگوں تک اطلاع پہنچا دیں جو یہاں موجود نہیں ہیں لہذا اگر تم سے کوئی شخص یہ کہے کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مکہ میں قتال و جنگ کی ہے تو میں سے یہ کہہ دینا کہ: اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کے لئے اسے حلال کر دیا تھا، تمہارے لئے حلال نہیں کیا ہے۔

کہا مکہ مکرمہ میں جلیل و عزیز خطاب تھا۔ نبی کریم صلی اللہ

علیہ وسلم کے ان عظیم کارناموں اور اس اجتماع نے اہل مکہ کے دل جیت لئے اور ان کے دلوں پر جو پردے پڑے تھے وہ دور کر لئے اور ان کی غلط فہمی تارک کر دی اور حجابات دور کر دیئے۔ چنانچہ وہ ان بھون اور مورتیوں کو جو ان کے گھروں میں تھے خود جاکر توڑنے پھوڑنے لگے اور پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ کے دست مبارک پر بیعت کرنے اور اسلام قبول کرنے لگے۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اپنے والد ابو قحاذہ کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے کر حاضر ہوئے۔ ان کے والد نہایت عمر رسیدہ اور آنکھوں سے معذور تھے۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں دیکھا تو حضرت ابو بکر سے فرمایا: آپ نے اس عمر میں ان کو کیوں تکلیف دی، ان کو گھر پر ہی رہنے دیتے ہیں خود وہاں چلا جاتا؟ تو حضرت ابو بکر نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول وہ اس بات کے زیادہ متفق ہیں کہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوں بنسبت اس کے کہ آپ ان کے پاس جائیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو قحاذہ کو اپنے سامنے بٹھایا اور ان کے سینے پر اپنا دست مبارک پھر کر ان سے فرمایا: اسلام قبول کر لو، چنانچہ وہ اسلام لے آئے اور دوسرے اور بہت سے مشرک مشرک مرد مکہ مکرمہ بن ابی جہل جیسے اور مشرک عورتوں نے بھی اسلام قبول کر لیا۔ عکرمہ بن



ابن جہل صفوان بن امیہ کے ساتھ بھاگ گیا تھا۔ اس کی بیوی جی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور اس کے لئے امان طلب کیا اور حکمران کو تکلیفیں کر کے لائیں اور پھر مکہ آ کر مسلمان ہو گئے۔ اسی طرح سرکش مشرک عورتوں میں سے ابوسفیان کی بیوی ہند بنت عتبہ، وہ ہند جس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت حمزہ کے کلیجہ کو جنگ احد کے موقع پر چبا لیا تھا وہ ہند بھی مسلمان ہو گئیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دوپٹے ہوئے پھر لے کے بچے اور دو دھن کی ایک مشک ہریہ پیش کی جسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول فرمایا۔

اس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اکثر ان لوگوں کو بھی معاف کر دیا جن کے قتل کا آپ حکم دے چکے تھے اور جن کے خوف کو آپ نے مباح کر دیا تھا لیکن جب ان کے لئے امان طلب کیا گیا تو آپ نے انہیں معاف کر دیا، ان لوگوں میں سے عبد اللہ بن ابی اسلم بھی تھے جو مدینہ منورہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے دھمکی لکھا کرتے تھے اور پھر مرتد ہو کر مکہ چلے گئے اور یہ کہنے لگے کہ وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے وحی بنا یا کرتے تھے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں پندرہ دن مقیم رہے، لوگوں کی آمد و رفت جاری رہی اور اللہ کے دین میں لوگ فوج در فوج اور جماعت

در جماعت داخل ہونے لگے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا تسبیح بیان کرتے رہے اور اللہ تعالیٰ نے جو آیات نازل فرمائی تھیں وہ آپ تلاوت فرماتے رہے۔ فرمایا:

إِذَا أَحْبَبَ قَضَرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ  
وَلَزَأَتِ النَّاسَ وَالْخُلُوفُ  
فِي وَفَاتِ اللَّهِ أَفْوَاحُهَا فَفَتْحُ  
يُحْمَدُ دِيْنَكَ وَاسْتَفْعَنُ  
إِلَهُكَ كَأَن تَوَابَا .  
(النصر - آیت ۳)

جب اللہ کی مدد اور فتح آپ پہنچے اور آپ لوگوں کو اللہ کے دین میں جوق در جوق داخل ہوتے دیکھ لیں تو آپ اپنے پروردگار کی تسبیح و تحمید کیجئے اور اس سے استغفار کیجئے بے شک وہ بڑا قوی قبول کرنے والا ہے۔



## عز و محبت میں

إِذَا حَبَاكَ فَخَصَّرُ اللَّهُ عَمَّا فَخَّحَ  
وَرَأَيْتُ النَّاسَ يَدْخُلُونَ  
فِي دِينِ اللَّهِ أَنْوَاجًا فَسَجَّحَ  
بِحَسْبِ دَرَجَاتٍ وَاسْتَعْصَرَهُ  
إِنَّهُ كَانَ ثَوَابًا ۝۱۱

جب اللہ کی مدد اور فتح آپ پہنچے اور  
آپ لوگوں کو اللہ کے دین میں جوق  
درجوق داخل ہوتے دیکھ لیں تو آپ  
اپنے پروردگار کی تسبیح اور تہلیل بیان  
کیجئے اور اس سے استغفار کیجئے بڑے شک  
وہ بڑا ثواب قبول کرنے والا ہے۔

(النصر - ۱۱)

اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب فتح مکہ سے فوج دیا تو نبی  
کریم صلی اللہ علیہ وسلم پندرہ دن تک وہیں مقیم رہے اور اس عرصہ میں اہل مکہ  
جماعت درجماعت اور فوج در فوج آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر ایمان  
لا رہے اور آپ کے سامنے مسلمان ہو رہے تھے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے اس عظیم انعام و احسان  
پر اللہ کی حمد و ثناء اور تسبیح و تقدیس میں مسلسل مشغول تھے اس لئے کہ اللہ  
تعالیٰ نے آپ اور مسلمانوں کو اس مکہ کی فتح سے بھنا کر کیا تھا جو ان کا شہر موعود

تھا خزاں میں سب کو جس کا انتظار  
آگیا وہ لے کے سپین مہر

تھا جس سے انہیں تقریباً آٹھ سال تک دور رکھا گیا تھا ان کو دہاں جلنے، کمبر  
کی زیارت اور میت اللہ کے حج سے روک دیا گیا تھا اس لئے کہ ان مسلمانوں  
اور قریش میں سخت اختلاف و دشمنی تھی۔

ان پندرہ دنوں میں جن میں آپ مکہ مکرمہ میں مقیم رہے ان میں آپ  
نے مختلف جہات کی جانب اپنے قاصد اسلام کی دعوت دینے اور وہاں موجود  
بڑوں کو قورنہ کے لئے بھیجے، چنانچہ حضرت خالد بن ولید کو عزری نامی بت کی  
طرف روانہ کیا اور انہوں نے اس کو توڑ ڈالا اور حضرت عمرو بن العاص کو یثرب  
کے ثبٹ سواح کی جانب بھیجا اور انہوں نے اسے توڑ دیا، اس طرح وہ مکینین  
اور منافق کو قورنہ کے لئے بھی اپنے آدمی بھیج دئے۔

قریش کی اکثریت کے مسلمان ہونے کی اطلاع جب آپ اور لوگوں کو ملی تو  
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قاصدوں کی بات پر اکثر لوگوں نے مل گیا اور  
اسلام قبول کر لیا۔ اسلام کی دعوت دینے جن حضرات کو نبی کریم صلی اللہ علیہ  
وسلم نے بھیجا تھا ان میں حضرت خالد بن ولید بھی تھے جن کے ساتھ آپ نے  
قبائلی عرب کے بعض اور مسلمانوں کو بنو نہدیہ کے پاس اسلام کی دعوت  
دینے کے لئے بھیجا، بنو نہدیہ تھے جب حضرت خالد اور ان کے ساتھیوں کو رتے  
دیکھا تو انہوں نے اپنے اختیار سنبھال لئے اور ان سے لڑنے کے لئے تیار ہو گئے  
تو حضرت خالد نے ان سے چیخ کر کہا:

تم لوگ ہتھیار ڈال دو اس لئے کہ اگر لوگ اسلام لاپکے ہیں بنو نہدیہ  
یہ سن کر متروک ہو گئے کہ اب کیا کرنا چاہیے تو ان میں سے ایک آدمی جس کو مجدم  
کہا جاتا تھا اس نے ان کے نزدیک شیعہ گئے ہوئے کہا،

اے بنو نہدیہ تمہیں کیا ہو گیا ہے، بھدایہ تو خالد ہیں، جنگ کے بعد  
قید کر لیا جائے گا اور قید کے بعد گردن اڑا دی جائے گی اس لئے بھدایہ میں تو  
اپنے ہتھیار برگزنا اتاروں گا۔

بنو نہدیہ کے بعض افراد نے جواب دیا: اے مجدم کیا تم یہ چاہتے ہو کہ  
ہمارے خون کو بہا دو؟ لوگ اسلام قبول کر چکے ہیں اور جنگ ختم ہو چکی  
ہے اور لوگ ایمان لاپکے ہیں، وہ لوگ اس کو سمجھاتے رہے حتیٰ کہ اس نے اپنے  
ہتھیار اتار دئے اور اسی طرح اور جو لوگ جنگ کرنے کے حامی تھے انہوں نے  
بھی ہتھیار ڈال دئے اور حضرت خالد کے سامنے گردن ہچکا دی اور وہ یہ کہنے  
لگے: ہم نے اپنا دین بدل دیا، ہم صابی ہو گئے یعنی اپنے دین کو چھوڑ دیا۔  
حضرت خالد نے حکم دیا اور ان کو بائزہ دیا گیا اور پھر قتل کر دیا گیا اور  
اس طرح سے ان کے بہت سے آدمی قتل کر دئے۔ حضرت خالد نے بنو نہدیہ  
کے ہتھیار ڈالنے کے بعد جو کچھ ان کے ساتھ کیا تھا جب اس کی اطلاع نبی کریم  
صلی اللہ علیہ وسلم کو ملی تو آپ پر اس واقعہ پر بہت خدید اثر ہوا اور آپ نے  
آسمان کی طرف اٹھتا اٹھتا یہ فرمایا:

اے اللہ میں آپ کے دربار میں خالد بن ولید کے فعل سے اپنی برائت کا اظہار کرتا ہوں۔ پھر آپ نے حضرت علی بن ابی طالب کو بلایا اور ان سے فرمایا: ان لوگوں کے پاس جاؤ اور ان کے حالات کا جائزہ لو اور امور بعایت کو اپنے پاؤں تلے ڈال دو، حضرت علی بن جندبیر کے پاس گئے اور ان کے مقتولین کی دیت اور جان کا مال و متاع منائے ہو گیا تھا اس کا تاوان دیا، پھر جب بنو جندبیر کے مقتولین کی دیت اور مال و متاع کا تاوان دے چکے اور ان کے پاس پھر بھی کچھ مالی باقی پڑا تو انہوں نے وہ مال ان کو دے دیا اور فرمایا:

میں تم کو یہ باقی ماندہ مال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے امتیاز دے رہا ہوں تاکہ یہ اس کے بدلے ہو جائے جس کا تاوان کو علم ہے نہ تم کو اور نہ حضرت علی مکہ مکرمہ واپس آگئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پورا نقد کر لیا تو آپ نے اس پر بخیرہ فرمائی۔

اور جب لوگوں نے حضرت خالد کو اس واقعہ پر بخیرہ کرنا چاہی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: خالد بن ولید کو بڑا بھلا نہ کہو اس لئے کہ وہ اللہ کی تمناؤں میں ایک ایسا تمناوار تھا جیسے اللہ تعالیٰ نے کافروں کے لئے نیا م سے باہر نکالا ہے۔

اور اس طرح سے مکہ مکرمہ اور اس کے اطراف بتوں سے پاک ہو گئے

حتیٰ کہ لوگ خود بھی ان بتوں کو توڑنے لگے جو ان کے گروں میں موجود تھے اور یہ کہنے لگے: ہم آپ کے بارے میں دھوکہ کھاتے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل مکہ کے لئے ایسے آدمی مقرر کر دیے جو انہیں دین کی تعلیم دیں اور ان کے مسائل سکھائیں اور عاتقوں کو پانی پلانے کے کام پر لائیں پھر حضرت عباس کو برقرار رکھا اور حضرت عثمان بن طلحہ اور ان کے بعد ان کے اولاد کو قیامت تک کے لئے کعبہ کی خدمت کے لئے طے فرمادیا۔

لہٰذا ان سے یہ حق ظالم اور زیادتی کرنے والا ہی چھین سکتا ہے۔ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوازن کے قبائل کے بارے میں جو اطلاع ملی تھی کہ وہ آپ سے جنگ کرنے کے لئے جماعتوں کو اکٹھا کر رہے ہیں اس بارے میں غمہ کیا اور آپ نے یہ مناسب سمجھا کہ اس سے پہلے کہ وہ تیار ہوں اور جنگ کے لئے دھڑلے کو تیار کر لیں آپ خود ان مسلمانوں کی جماعتوں کو لے کر جو آپ کے ساتھ ہیں ان پر حملہ کر دیں۔

اور اس ارادے سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بارہ ہزار مجاہدین کے ہمراہ مکہ سے نکلے اور ان کے ساتھ فتح مکہ کے بعد اہل مکہ کے بھی دو ہزار آدمی شریک ہو گئے تھے اور یہ سب کے سب ساز و سامان واسلحہ سے لیس تھے۔ یہ فہیم الشان لشکر جس کی شکل جزیرہ عرب نے مسلمانوں میں اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی اپنی منزل مقصد کی طرف روانہ ہو گیا اور اہل لشکر

میں کچھ تکبر اور اپنے اوپر اعتماد و فخر کی سی کیفیت پیدا ہو گئی تھی حتیٰ کہ بعض  
بعض سے یہ کہنے لگے۔ آج ہم تعداد کی کمی کی وجہ سے مغلوب نہ ہوں گے۔ آج  
ہم اپنی کثرت کی وجہ سے مغلوب نہیں ہوں گے۔

ہوازن والوں کو مسلمانوں کے مکر فتنے کرنے کی خبر مل چکی تھی۔ چنانچہ  
مالک بن حوث نصر بنی کی امارت میں انہوں نے ثقیف اور دوسرے عقیق قبائل  
و غیرہ سے مل کر فوری طور سے جماعتیں اکٹھا کر لیں تاکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ  
وسلم کے مقابلے سے پہلے کہ وہ ان کے پاس آکر ان کے بتوں  
کو توڑیں اور بت پرستی کو ختم کریں یہ راستہ میں ان کے آٹھ آجائیں۔  
ان قبیلوں کی جماعتیں نکل کھڑی ہوئیں اور سب ادھاس نامی  
جگہ پر اکٹھا ہو گئیں اور وہاں آدمیوں کے ہونے اونٹوں اور گھوڑوں کی آوازوں  
کے ساتھ ساتھ عورتوں کی آوازیں اور بچوں کے رونے اور بھڑکے کی آوازیں  
بھی عین۔

ان آوازوں کو سن کر ایک قبیلہ بنی مہنیف آدمی درید بن اصرم تھا  
متعجب ہو گئے، وہ اپنی قوم بنی مہنیف کے افراد کے ساتھ ایک کھلے ہوئے پہاڑ  
پر سوار تھے اور ان کا بیٹنگ میں ترکیب ہونا بالکل بے سود تھا سوائے اس  
کے کہ وہ اپنے بڑے ہمار جنگوں میں شرکت اور لڑائیوں کو دیکھنے کی نیند  
پر لوگوں کو معذورہ دے سکیں۔ چنانچہ انہوں نے پوچھا:

کیا ہو گیا ہے کہ مجھے اونٹوں گدھوں بکریوں اور بچوں کے رونے کی  
آواز آرہی ہے؟ انہیں بتلایا گیا کہ مالک بن حوث نے لوگوں کے ساتھ ان  
کے مال عورتیں اور بچوں کو بھی لٹکا لیا ہے۔ اسی نے کہا: مالک کو میرے پاس  
بلو کر لاؤ۔

جب اس کو ان کے پاس بلایا گیا تو انہوں نے اس سے پوچھا: اے  
مالک! ان لوگوں کے ساتھ ان کے اموال اور عورتوں اور بچوں کو کیوں نکالا ہے؟  
تو مالک نے جواب دیا: میں نے یہ چاہا کہ ہر لڑنے والے شخص کے پیچھے اس کے مال  
اور اہل و عیال کو رکھا جائے تاکہ وہ ان کی طرف سے دفاع کی خاطر جنگ کرے۔  
درید نے کہا: ہشکست کھانے والا جب شکست کھا جائے تو کیا کوئی چیز  
اسے رک سکتی ہے؟ بات یہ ہے کہ اگر فتح تہداری ہو تو تمہیں تھوڑا اور نیزہ ہی  
کام دے گا اور اگر تم شکست کھا جاؤ تو تمہیں اپنے مال اور اہل و عیال کے مسئلہ  
میں رسوائی اٹھانی پڑے گی۔

بات چیت آگے بڑھ گئی اور اس معرکہ میں جن کو بکریوں اور گدھوں کے  
گھرنے نے سمجھدار اور تجربہ کار بنا دیا تھا اس کے اور اس نوجوان مالک بن حوث  
جو تیس سال سے زائد عمر کا نہ تھا کے درمیان اس سلسلہ میں جھگڑا بڑھ گیا  
حتیٰ کہ مالک نے غصہ میں درید سے کہا:

بھڑا میں تمہارے مشورہ پر ہرگز عمل نہیں کروں گا تم بڑے ہر پکے

ہوا اور تہاہری قتل بھی لڑھی جو چکی ہے۔ پھر اس نے اپنی قوم کو مخاطب کر کے کہا، اے جوازت کی جماعت بخدا تم یا تو میری بات مانو گے یا پھر میں اپنی اس تلوار کو پیٹنے پر رکھ کر تنازہ درودوں لگا کر وہ میرے سینے سے آ بار ہو کر پشت سے نکل جائے۔ اس کی قوم نے اس کی بات ماننے اور اس کو قائد تسلیم کرنے پر آمادگی ظاہر کر دی۔

اور اس طرح سے مالک تن تہا قائد بن گیا اور اس کی رائے پر عمل ہونے لگا اور اس نے اپنے جاسوس بھیجے تاکہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خبریں اس تک پہنچائیں اور وہ ان سے شکرت لے اور ان کو نقصان پہنچانے کے لئے اپنے لشکر کو تیار کر سکے۔

ادھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جاسوسوں نے مالک بن عوف کے لشکر اور اس کی تیاری سے آپ کو باخبر کر دیا تھا اور اس جگہ کے بارے میں بھی بتا دیا تھا جہاں یہ جماعتیں جمع اور اکٹھا ہوتی تھیں۔ چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے لشکر کو لے کر پہلے یہاں تک کہ دادی حنین اوپر سے صاف نظر آئے گی۔

مسلمان رات کو لشکر کے منظم کرنے اور مجاہدین کی ٹکڑیاں مرتب کرنے کے لئے کھڑے ہوئے، پھر حیب فجر طلوع ہونے کو آئی تو لشکر منظم ٹکڑیوں کے ساتھ چلنے لگا جس کے آگے آگے بنو سلیم کے قبیلے تھے جن کی قیادت حضرت

خالد بن ولید کر رہے تھے اور اخیر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بیٹا نابی فخر پر سوار تھے۔

اور فخر کی تاریکی میں شکر نے منین کے تنگ راستہ کو طے کیا اور تہاہر کی وادیوں تک سے ایک پھل وادی میں اترنے لگا۔ ابھی یہ لوگ اتر ہی رہے تھے اور وادی باوجود وسیع و کشادہ ہونے کے ان کی صفوں سے بھر گئی تھی کہ اچانک وہ ایک دوسرے سے ٹکرائے گئے اور ان کو مہلک اور ہشت ناک رعب نے گھیر لیا اور وہ اٹے پاؤں پیٹتے چلتے بھاگنے دوڑنے لگے اور ان کے منہ سے خوف و ڈر اور گھبراہٹ کی آوازیں نکل رہی تھیں۔ ان کے ساتھ کیا بات پیش آگئی؟! اور مسلمانوں کے لشکر کو کیا حادثہ پیش آگیا؟! انہیں کیا ہو گیا کہ وہ بھاگنے پلے جارہے ہیں اور ادھر ادھر منہ پھیر کر کمک نہیں دیکھتے حالانکہ ابھی عمرو لڑی دیر پہلے وہ اپنی تعداد کی کثرت پر فخر کر رہے تھے۔

ان کے ساتھ ہوا یہ اور ان کو آفت یہ درپیش آئی کہ وادی کے درمیان اور حنین کی چوٹیوں سے ان پر اچانک تیروں کی بارش شروع ہو گئی یہ دراصل مالک عوف کی ایک تدبیر تھی اور اس نے یہ چال اس لئے چلی تھی کہ اس سے اپنے دشمنوں کو نقصان پہنچا سکے اور مسلمانوں کی بہت درعب کو ختم کر دے۔

ملک نے اپنے آدمیوں کو یہ حکم دیا تھا کہ وہ مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لئے وادی کے موڑوں اور حنین پہاڑ کے کشادہ حصوں میں چھپ جائیں اور جب مسلمان وادی میں اتارنے لگیں تو ان پر بیک وقت ایک آدمی کے حملہ کی طرح حملہ کر دیں تاکہ ان کے نفوس میں خوف پیدا ہو جائے اور ان کی صفوں میں بھگدڑ مچ جائے اور ملک اپنی اس تدبیر میں کامیاب ہو چکا تھا۔ اور مسلمان ایک دوسرے کو دھکا دیتے ہوئے ایک دوسرے سے آگے بڑھتے بڑھتے اپنے پاؤں جلا گئے، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم وادی کے دائیں جانب ہو گئے اور مسلمان آپ کے پاس سے گجراہٹ اور خوف کے عالم میں اپنے پاؤں بھاگ رہے تھے اور آپ ان سے فرما رہے تھے: اے لوگو تم کہاں جا رہے ہو؟ میرے پاس آ جاؤ میں اللہ کا رسول ہوں۔ میں محمد بن عبد اللہ ہوں، لیکن اس شور و غل اور رعب و ہراس کی چیزیں پکار میں جن کی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا کیا نہایت بے سود چلا گیا۔ مسلمانوں کی پیٹھ پھیر کر بھاگنے والے جاسوسین بڑا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سے گذر رہے تھے اور ان کے پیچھے پیچھے ہوازن اپنے غنئی ٹھکانوں پہاڑ کی چوٹیوں سے نکل آئے اور وادی کی گھاٹیوں میں اپنی ٹھپنے کی جگہ سے باہر آئے اور ان کی جماعتوں کی قیادت ہوازن کا ایک شخص کر رہا تھا جو ایک شرش اونٹ پر سوار تھا اور اس کے ہاتھ میں ایک لہبا

نیزہ تھا جس کے ایک کنارہ پر اس نے ایک سیاہ گھٹا لٹا رکھا تھا، وہ جہاں کہیں مسلمانوں کو دیکھتا اپنے نیزے سے ان کو مار دیتا اور جب مسلمان نہیں ملتے تو اپنے پیچھے آنے والی قوم کے لئے نیزے کو بلند کر لیتا تاکہ وہ اس کے پیچھے آسکیں۔

مسلمانوں کو یہ ہمدردی نشان پیش آئی اس کو قریش کی اس جماعت نے بھی دیکھا جو ابھی چند روز قبل ہی مسلمان ہونے تھے اور جو حقیقت میں دل سے مسلمان نہیں ہوئے تھے بلکہ وہ مسلمانوں کے شکر کے ساتھ مل کر جنگ کرنے میں ان مینیت حاصل کرنے کی خاطر نکلتے تھے۔ چنانچہ ابوسنیان بن حرب نے مذاق اڑا اور غرض ہوتے ہوئے کہا، ان کی شکست مندر میں داخل ہوئے بغیر ختم نہیں ہوگی۔

اور شعیب بن عثمان بن ابی طلحہ نے کہا: آج میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنا بدلہ لے لوں گا۔

اور کلدہ بن حنبل نے کہا: آج تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا جادو ختم ہو گیا۔ یہ بات سن کر ان کے بھائی صفوان نے کہا: خاموش ہو جاؤ خدا تمہارا منہ توڑ ڈالے اس نے کہ محمد امیر بڑا ایک قریشی ہے یہ مجھے اس کی بنیست زیادہ محبوب ہے کہ میرا بڑا ہوازن کا کوئی آدمی ہے۔

اے اللہ آپ نے اپنے رسول کو فتح مکہ کے ذریعہ مکمل فتیاب کرنے

کے بعد آج اس طرح سے کیوں چھوڑ دیا ہے!

اے رب آپ نے مسلمانوں کے دلوں میں رب کیوں ڈال دیا جب کہ ان کی نفوس اس وقت پرسکون اور دل مطمئن تھے جب انہوں نے اپنی کثرت اور دشمنوں کے اکٹھا ہونے کو دیکھ لیا تھا۔

مسلمانوں کے اعتبار سے اس مشکل وقت اور ان کے مال کے اعتبار سے اس سخت گھڑی میں جو ان کے رب و ہیبت کے باقی رہنے یا ختم ہونے کے لئے ایک فیصلہ کن وقت تھا ایسے وقت میں بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ہرگز مایوس نہیں ہوئے اور نہ آپ کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو پیسے یا رمد و دگر چھوڑ دیں گے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی جگہ ثابت قدم رہے اور اپنی تلوار سے دشمن کے ٹھاٹھیں مار کر آنے والے سمندر کا مقابلہ کرتے رہے آپ کے لڑو گرد انصار و مہاجرین کی ایک جماعت بھی نہایت شہرت و نام رہی جن میں حضرت ابوبکر و عمر بن الخطاب اور آپ کے اہل و عیال کی ایک جماعت جن میں آپ کے چچا حضرت عباس صلی بن ابی طالب اور ابوسفیان بن الحارث محمد تھے اور حضرت عباس اور ابوسفیان بن الحارث نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فخر کی کامیابی کی تھی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباس کو کہ نہایت مصیبت اور بلند

آواز سے فرمایا: اے عباس یہ آواز لگاؤ، اے ان انصار کی جماعت جنہوں نے اپنے گھروں اور شہر میں پناہ لے لی اور مدد و نصرت کی۔ اے ان مہاجرین کی جماعت جنہوں نے دولت کے نیچے ہیبت کی۔

چنانچہ حضرت عباس نے اپنی بلند آواز سے لوگوں کو پکارا: اے لوگو محمد صلی اللہ علیہ وسلم نہ، میں لہذا تم لوگ اکٹھے دو ہاڑ، حضرت عباس کی آواز دہری کے اطراف میں گونجی اور اس آواز کو ان لوگوں نے بھانسنے لیا جو اللہ کے لئے اپنے گھر بار اور مال و دولت کو چھوڑ کر ہجرت کرتے تھے اور ان انصار نے بھی آواز سن لی جنہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس وقت مدد و نصرت کی تھی جب آپ کو آپ کی قوم قریش نے پریشان کر رکھا تھا۔ کیا یہ سب کے سب آج نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر جا سکتے تھے؟ کیا یہ آج آپ کو تنہا چھوڑ کر دشمن کے حوالے کر سکتے تھے؟ کیا یہ لوگ اللہ کے دین کے لئے مسالوں کی جوتی جہاد کو عائد کر سکتے تھے؟

جی نہیں، ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا... اللہ تعالیٰ نے وقتی غلام مشک کے بعد ان کے دلوں میں سکون پیدا فرما دیا اور خوف کے بعد ان کے نفوس میں اعتماد و بھروسہ پیدا کر دیا۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس اعلان پر لبیک کہتے ہوئے ایک جماعت مہاجرین کی اور ایک جماعت انصار کی یہ کہتی ہوئی آگے بڑھی: اے اللہ کے رسول ہم حاضر ہیں، ہم موجود ہیں اور



ان حضرات میں سے بیشتر نے جب یہ دیکھا کہ اونٹوں کے ساتھ وہاں جانا مشکل ہے تو وہ اونٹوں سے اتر کر آپ کی آواز پر بیک بکھتے ہوئے اس جگہ کی طرف تیزی سے بڑے جس جگہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم موجود تھے۔

اسے اللہ تمام تعریفیں اور شکر آپ ہی کے لئے ہے۔ مسلمان دشمن پر حملہ کرنے کی صفوں میں گھس گئے ان مسلمانوں کے ہراول دستہ میں حضرت علی بن ابی طالب تھے، حضرت علی اور ان کے ساتھ ایک انصاری اس شخص کی طرف بڑھے جس کے ہاتھ میں ہوازن کا جھنڈا تھا اور دونوں اس پر پل پڑے اور اسے گرا دیا۔

لوگ بہادری اور بے جگر سی سے لڑنے لگے، لڑائی سخت ہو گئی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لشکر کی طرف دیکھا جس کے افراد میں عزم دوبارہ ابھر چکا تھا اور ان کی قوت و شجاعت لڑائی میں اور وہ مسلمان اپنے دشمنوں کے ساتھ سخت ترین جنگ لڑنے لگے تو آپ نے فرمایا: اب جنگ سخت ہو گئی ہے۔

پھر آپ نے ایک مسلمان بنی نکر کے لئے اور مشرکوں کے چہروں پر یہ فرماتے ہوئے مار دینے: چہرے بڑھ جائیں! اے اللہ آپ نے جو وعدہ مجھ سے فرمایا تھا وہ بھرا اور فرمادیا مجھے۔ اے اللہ ان کے لئے یہ ہرگز مناسب نہیں ہے کہ وہ ہم پر غالب آجائیں۔

صورت حال بدل چکی تھی اور ریشہ بدلی ہو چکا تھا اور اب مشرکوں کا اور کوئی ارادہ نہ تھا سوائے اس کے کہ وہ مسلمانوں سے اپنے آپ کو بچائیں اور ان کے سامنے سے ہٹ جائیں اور اپنے جان بچالیں۔

ہوازن اور ان کے ساتھی، جھگڑنے لگے اور مسلمان ان کے پیچھے پیچھے ان پر حملہ کرتے رہے اور ان سے سخت جنگ کرتے رہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ہاتھ کو جرات دلاتے رہے؛ چوتھیں کسی کو قتل کرے گا تو اس کا سر و سامان اسے ہی ملے گا۔

اللہ نے مسلمانوں پر یہ جو انعام فرمایا تھا یہ اللہ کا بہت بڑا احسان تھا اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو خوف کے بعد امن سے نوازا اور پیٹھ پھیرنے کے بعد ثابت قدمی سے۔

اور اس طرح سے مسلمانوں کو اس وقت فتح حاصل ہوئی جب کہ ان کے بارے میں بہت سے اندازے قائم کر لئے گئے تھے اور دشمن اور مصیبت پر مدغش ہونے والے لوگ یقین بجا رہے تھے اور فوجیت یہاں تک پہنچ گئی تھی کہ شیبہ بن عثمان بن ابی طلحہ اتنا جری ہو گیا تھا کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کے لئے آپ کو تلاش کرنے لگا تاکہ اس کے ذریعہ اپنے اس والد کا بدلہ لے سکے جو جنگ احد میں مارا گیا تھا، چنانچہ جب وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب آیا تو اس پر ایک پردہ سا چھا گیا جس کی وجہ

سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنی تلوار نہ اٹھا سکا اور ہچکے کی طرف ہٹ گیا اور اس نے سنا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس سے فرما رہے ہیں۔  
 اے شعیبہ میرے قریب آ جاؤ، چنانچہ شعیبہ گردن جھکائے ہوئے اس حالت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ہوا کہ اسے آپ کی طرف اپنی لٹکاؤنگ اٹھانے کی جرات نہیں تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دست مبارک شعیبہ کے سینہ پر رکھ کر فرمایا: اے اللہ شیطان کو اس سے دور فرما دے۔

شعیبہ نے جب اپنا سر اٹھایا تو اس کی حالت یہ ہو گئی کہ اب اس کو اپنی زندگی سے زیادہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم محبوب تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے شعیبہ کافروں سے جنگ کرو۔

چنانچہ حضرت شعیبہ آگے بڑھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے جا کر لڑنے لگے اور ان کی خواہش یہ تھی کہ اپنی جان پر کیل کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بچالیں، مسلمانوں کے لشکر کے سامنے کافروں کا لشکر شکست کھا کر ادھر ادھر بھاگنے لگا، چنانچہ ان میں سے بعض طائف کی طرف بھاگ نکلے اور بعض نخل کی جانب اور بعض اوطاسس کی طرف لوٹ گئے جہاں انہوں نے بڑا ڈانٹا مارتا تھا تاکہ اپنے مال و سامان اور اولاد کو بچالیں لیکن مسلمان ان کے پیچھے پیچھے ان کو قتل کرنے اور قیدی بنانے کے لئے آ رہے تھے۔

چنانچہ درید بن الصعہ قتل ہو گیا جسے ربیعہ بن ریحہ اسی جو کہ ابن الدفنے کے نام سے مشہور تھے اور ابھی بالکل فوج جوان تھے انہوں نے قتل کیا تھا۔ ہوا یوں کہ ابن الدفنے اس کو ہودج سے بچھڑا کر مارا کہ یہ کوئی عورت ہے تاکہ اس کا ساز و سامان لے لیا جائے لیکن جب یہ معلوم ہوا کہ یہ تو آدمی ہے تو انہوں نے اس کو قتل کرنا چاہا، تو درید نے ان سے پوچھا: تم کون ہو؟

درید نے ان کو اپنا نام بتلادیا اور پھر اس پر اپنی تلوار سے حملہ کر دیا۔ لیکن عموماً اس کا کام تمام نہ کر سکی تو درید نے ان سے کہا: تمہاری ماں نے تمہیں بہت خراب ہتھیار دیا ہے اس لئے تم کیا دوسے کے پیچھے حصّہ سے میری تلوار لے لو اس سے مارو لیکن ہڈی سے بچا تا اور دماغ سے نیچے مارنا اس لئے کہ میں مردوں کو ای طرح مار کرتا تھا، پھر جب تم اپنی والدہ کے پاس جاؤ تو انہیں یہ بتلادینا کہ تم نے درید بن الصعہ کو قتل کر دیا ہے۔ چنانچہ ربیعہ نے انہیں تلوار سے حملہ کر کے قتل کر دیا۔

جب حضرت ربیعہ کی ملاقات اپنی والدہ سے ہوئی تو انہوں نے یہ واقعہ انہیں بتلادیا اور درید نے انہیں جو پیغام دیا تھا وہ بھی سنادیا تو ان کی والدہ نے کہا: بندہ اس نے تمہاری تین ماؤں کو آزاد کیا تھا مجھے اور میری والدہ اور تمہارے والد کی والدہ کو۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بوڑھوں ضعیفوں اور عورتوں اور بچوں کے

قتل سے منع فرمادیا مسلمان ہوازن کے مشرکین پر سخت ناراضگی اور غصہ کی وجہ سے یہ چاہتے تھے کہ ان کے بچوں کو بھی قتل کر دیا جائے اور وہ یہ کہہ رہے تھے یہ تو مشرکین کی اولاد ہیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں یہ جواب دیا: کیا تمہارے عہدہ اور بہترین لوگ مشرکین کی اولاد نہیں تھے؟ ہر بچہ عظمت اسلام پر پیدا ہوتا ہے جب تک کہ اس کی زبان اس کے بارے میں اظہار نہ کرے۔

وہ مسلمان عورتیں جو مسلمانوں کے لشکر کے ہمراہ تھیں موقع ملنے پر دشمنوں سے لڑنے میں وہ بھی مردوں سے کچھ کم بہادر نہ تھیں اور جو حضرات میدان جنگ سے بھاگ گئے تھے اور واپس نہیں لوٹے یہ عورتیں ان سے سخت ناراض تھیں اور ان کے بارے میں کسی قسم کے نرم برتاؤ پر تیار نہ تھیں۔ چنانچہ حضرت ابو طلحہ کی اہلیہ حضرت ام سلیم بنت عثمان نے اس سلسلہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! اللہ تعالیٰ اگر آپ کو موقع دے دے تو آپ ایسے لوگوں کو ہرگز معاف نہ فرمائیں جو آپ کو چھوڑ کر بھاگ گئے ہیں اور دشمن کے مقابلہ پر انہوں نے آپ کا ساتھ چھوڑ دیا۔ ایسے لوگوں کو آپ بالکل اسی طرح قتل کریں جس طرح ان مشرکوں کو قتل کر رہے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں جو جواب دیا وہ درگزر اور معافی پر مشتمل تھا آپ نے فرمایا: اے ام سلیم! اللہ تعالیٰ نے تمہاری مدد کی اور اس کی عافیت بہت وسیع ہے۔

مشرکوں کے شکست خوردہ لشکر کی جماعتیں زیادہ دیر تک ثابت قدم نہ رہ سکیں۔ چنانچہ جب بہت سے آدمی قیدی بن گئے تو لوگ مددی مددی بھاگنے لگے اور اپنے پیچھے چھوڑے ہوئے اپنے اسواں اور عورتیں بچے مسلمانوں کے لئے بہترین مال غنیمت بنا گئے۔

مشرکوں کے لشکر کا قائد مالک بن عوف طائف چلا گیا اور وہاں جا کر اس نے اس طرح بیان بچائی کہ اپنی قوم کی ایک جماعت کے ساتھ وہاں قلعہ بند ہو گیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مال غنیمت جمع کرنے کا حکم دیا اور آپ کے منادی نے لوگوں میں اعلان کیا کہ:

جو شخص اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہو اس کو چاہیے کہ مال غنیمت میں خیانت نہ کرے یعنی تقسیم سے قبل کوئی چیز اپنے لئے نہ لے۔ پھر مال غنیمت جمع کیا گیا اور اس کو شمار کیا گیا تو اس کی مقدار یہ تھی: قیدی چھ ہزار اور اونٹ چوبیس ہزار اور بکریاں چالیس ہزار اور چاندی چار ہزار اور قصبہ۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مال غنیمت کو جواز مقام کی طرف منتقل کرنے اور اس کی چوکیداری اور نگرانی کرنے کے لئے شیخے لگانے کا حکم دے دیا اور یہ حکم بھی دیا کہ جس کے پاس کپڑے نہ ہوں اس کے لئے مکڑے سے کپڑے خرید لئے جائیں اور پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے جنگجو جباہد ساتھیوں

کوئے کر طائف روانہ ہو گئے تاکہ ثقیف والوں کا محاصرہ کیا جاسکے اور ان سے جنگ ہو۔

ثقیف والوں کو یہ معلوم تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ضرور اس پر حملہ کریں گے۔ چنانچہ انہوں نے اپنے شہر طائف کی مضبوط ترین چہار دیواری کے دروازے بند کر دیے اور محفوظ ترین قلعوں میں بند ہو گئے اور مسلمانوں سے جنگ کرنے کے لئے اپنے آپ کو تیار کر لیا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے لشکر کوئے کر طائف کے قریب ٹھہر گئے اس سے پہلے یہ حضرات راستہ میں دلوں کے ایک شخص کے باغ میں قیام کر چکے تھے اور مالک بن عوف کے قلعہ کو گرا چکے تھے۔

ثقیف والوں نے قلعہ کے اوپر سے مسلمانوں پر تیر مارنا شروع کر دیا جس کی وجہ سے ان کے لشکر کو فائدہ پہنچا اور کئی مسلمان شہید ہو گئے۔ چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اتنی دور جانے کا حکم دیا کہ سیرک پہنچنے سے باہر نہ رہیں مسلمان اتنی دور چلے گئے جہاں ان کو تیر نہ پہنچ سکیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں سے مشورہ کیا کہ اس قسم کے محفوظ قلعوں کو فتح کرنے اور ان میں موجود لوگوں سے جنگ کرنے اور ان کو قلعہ سے نکلنے پر مجبور کرنے کے لئے کیا طریقے اختیار کرنا چاہیئے تو مسلمانوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ مشورہ دیا کہ اس سلسلہ میں قوی اور ٹھیک سے

مدد مل جائے اور اس کے لئے ایسے آدمیوں کی مدد مل جائے جو ان کو اچھی طرح سے چلا سکتے ہوں۔

اس کام کے لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلہ بنی دوس کے پاس آدمی بھیجا جو ان کے پاس سے کچھ ایسے آدمی لے آئے جو یہ چیزیں چلا سکتے ہوں۔ چنانچہ ان کی ایک جماعت ان آلات اور اس سے متعلق سامان کو لے کر آگئی

قوی لگا دی گئی اور اس سے طائف کے قلعوں کو نشانہ بنایا گیا اور ٹھیکوں کے زیر سایہ مسلمانوں کی ایک جماعت قلعوں تک پہنچ گئی۔ پہلے زمانے میں کڑی اور موٹے و دیوار چھڑے سے ایسے آلات بنائے جاتے تھے جن کے زیر سایہ دشمنوں کے قلعوں تک پہنچا جاتا تھا تاکہ ان میں قلعہ لگائی جاسکے ان آلات کو دیابات کہتے تھے تاکہ قلعہ میں قلعہ لگا سکے، لیکن اہل طائف اس قسم کی جنگوں اور اس کے طریقوں سے خوب واقف تھے اس لئے انہوں نے فوج کے کچھ ٹکڑے خوب گرم کئے اور جب وہ انکارے کی طرح سرخ ہو گئے تو ان کو ان دیابات پر ڈال دیا جس سے وہ دیابات جل گئے اور مسلمان مجاہدین اس کے نیچے سے نکل کر بجائے گئے لیکن ثقیف والوں نے ان پر تیر مارنا شروع کر دیئے اور ان کی ایک بڑی جماعت کو شہید کر دیا۔

یہ صورت حال دیکھ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سولے اس کے اور کوئی چارہ کار نہ تھا کہ آپ اپنے آدمیوں کو طائف والوں کی انگو

کی بیلیں کاٹنے اور جلانے کا حکم دے دیں جو شہر کے باہر وسیع باغیچوں میں پھیل ہوئی تھیں اور عداوت اور اعلیٰ ہونے میں مشہور تھیں اس کا مقصد یہ تھا کہ قلعہ والے قلعہ سے باہر آجائیں اور ہتھیار ڈال دیں مسلمانوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کو نافذ کرنا شروع کر دیا اور بیلیں کو کاٹنے اور جلانے لگے۔

اہل طائف نے جب اس صورت حال کو دیکھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس بات پر مجبور ہو گئے ہیں حالانکہ انہیں معلوم تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فعل ہرگز پسند نہیں ہے اور آپ خود ہی اس سے روکتے ہیں تو وہ آپ کو آپ کی شفقت کی قسم دیتے ہوئے یہ کہنے لگے۔

اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! آپ ہمارے ان باغات کے کاٹنے کا کیوں حکم دے رہے ہیں؟ اگر آپ غالب آگئے تو یہ باغات آپ کے ہوجائیں گے ورنہ بصورتِ ورج آپ اللہ اور اس رشتہ کے واسطے جو ہمارے اور آپ کے درمیان ہے ان کو ہمارے لئے چھوڑ دیں۔

چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آدمیوں کو باغات کے کاٹنے اور جلانے سے روک دیا اور یہ حکم دیا کہ شقیف میں یہ اعلان کر دیں کہ ان کا جو آدمی ہتھیار ڈال کر ہمارے پاس آجائے گا اسے آزاد کر دیا جائے گا۔ چنانچہ آپ کے پاس ان کے قریباً بیس آدمی آ گئے اور آپ نے مسلمانوں کی ایک جماعت کو ان کی دیکھ بھال اور نگرانی کے لئے مقرر کر دیا۔

طائف کا محاصرہ تقریباً ایک مہینہ تک جاری رہا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ محسوس کر لیا کہ چونکہ ثقیف والوں کے پاس کھانے پینے اور ضروریات کا ایک بڑا ذخیرہ موجود ہے اس لئے یہ محاصرہ اور طویل ہو سکتا ہے اس لئے آپ نے حسرت اور بوجہ سے مشورہ کیا اور ان کو بتلایا کہ آپ یہ سمجھتے ہیں کہ طائف اس وقت فتح نہیں ہو سکتا اور پھر حبیب حضرت عمر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس یہ پوچھنے آئے کہ لوگوں میں یہ بات مشہور ہے کہ آپ طائف والوں کا محاصرہ ختم کر رہے ہیں تو آپ نے ان کو حکم دیا کہ لوگوں میں کوہج کی تیاری کا اعلان کر دیا جائے۔

لوگوں پر یہ بات بہت شاق گذری کہ بغیر فتح کئے طائف کا محاصرہ ختم کر دیا جائے چنانچہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! اللہ سے ثقیف کے لئے بددعا کیجئے تو آپ نے فرمایا: اے اللہ ثقیف کو ہدایت دے اور ان کو لے آ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمان طائف سے واپس چلے آئے اور آپ لوگوں سے یہ فرما رہے تھے کہ یہ کہو: ان شاء اللہ دشمنے والے ہیں اور اپنے رب کی حمد بیان کر نیوالے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں نے اس مالِ غنیمت کو تقسیم کرنے کے لئے جو مسلمانوں کو غزوہ حنین میں حاصل ہوا تھا جزاء کا رخ کیا۔ ابھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں پر مالِ غنیمت تقسیم کرنا شروع ہی کیا تھا کہ ہوازن

کا ایک وفد مسلمان ہو کر نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ سے ہوازن کے اموال اور قیدیوں کے واپس کرنے کی درخواست اس طرح پیش کی :

اے اللہ کے رسول ہم پر احسان فرمائیے اس لئے کہ قیدی عورتوں میں آپ کی چھپیاں، پھر بھیاں اور وہ آیا ئیں ہیں جنہوں نے آپ کی پرورش کی تھی اور اگر ہم حادث بن ابی شری یا نغان بن منذر کو دودھ پلاتے یا ان کی کفالت کرتے اور پھر ان میں سے کوئی ایک ہم پر ایسی فنج حاصل کرتا جیسے کہ آپ نے حاصل کی تو ہم اپنے اوپر اس کی مہربانی اور احسان کی امید رکھتے اور آپ تو ان سب میں بہتر ہیں جن کی کفالت کی گئی ہے۔

تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا : یہ بتلاؤ کہ تمہیں اپنے بچوں اور بیویوں سے زیادہ محبت ہے یا اپنے مال و دولت سے ؟

انہوں نے عرض کیا : اے اللہ کے رسول آپ سے ہمیں ہمارے اہل و عیال اور مال کے درمیان اختیار دے دیجئے آپ ہماری عورتوں اور بچوں کو ہمیں واپس دے دیں وہ ہمیں زیادہ پسند ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : جو میرے اور بنو المطلب کے حصہ میں آئے وہ ہیں وہ ہی تمہیں دیتا ہوں لیکن جو اور لوگوں کا حصہ ہیں تو ان کے بارے میں لوگوں سے پوچھوں گا لہذا جب میں لوگوں کے ساتھ نکھر

کی نماز پڑھوں تو تم کھڑے ہو کر اپنے بچوں اور عورتوں کے بارے میں سفارش کرو تا کہ اس وقت میں بھی تم کو دے دوں گا اور تمہارے لئے سفارشیں بھی کروں گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب لوگوں کے ساتھ نماز پڑھ چکے تو ہوازن کا وفد کھڑا ہوا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق انہوں نے گفتگو کی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی سب لوگوں کے سامنے یہ اعلان کیا کہ میں اپنے اور بنو المطلب کے حق سے ہوازن کے حق میں دستبردار ہونا ہوں۔ ۷ سن کہ مہاجرین کھڑے ہوئے اور انہوں نے بھی اپنے حق سے دستبرداری کا اعلان کر دیا اور ان کے بعد انصار نے بھی اور پھر اس کے بعد دوسرے قبائل میں سے یمن قرآنہ حق سے دستبردار ہو گئے اور یمن نے اپنے حق برقرار رکھا اور اس سے دستبردار نہیں ہوئے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : تم میں سے جو بھی ان قیدیوں میں اپنے حق کو لینا چاہتا ہے تو میں ان شاذ اللہ اس کو اس کے عوض میں ہر فرد کے بدلے چھان قیدیوں میں سے دے دوں گا جو اس کے بعد ہماری قید میں آئیں گے۔ تمام لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس حل کو پسند کیا اور تمام قیدی ہوازن کے سپرد کر دیئے۔

ان قیدی عورتوں میں ایک ایسی عورت بھی تھی جس کے ساتھ چوکیلاری

کرنے والوں نے سنت کلامی کی تھی تو اس نے ان سے کہا تھا: اس بات کو یاد رکھو کہ میں تمہارے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی رضاعی بہن ہوں لیکن ان لوگوں نے اس کی تصدیق نہ کی اور اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شہداء بنت الحارث بن عبد العزی کو پہچان لیا جنہوں نے آپ کو بچپن میں جس وقت آپ بنو سعد میں دودھ پیتے بچے تھے اس وقت اپنی گود میں اٹھایا اور آپ کو کھلایا تھا۔

چنانچہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے شہداء کے لئے اپنی چادر بچھا دی اور ان کو اس پر بٹھایا اور ان کو یہ اختیار دیا کہ اگر وہ چاہیں تو نہایت اعزاز و اکرام کے ساتھ آپ کے پاس ٹھہر جائیں اور اگر چاہیں تو آپ ان کو کچھ دے کر ان کی قوم کے پاس بھیج دیں۔ چنانچہ انہوں نے اپنی قوم کے پاس واپس جانے کو پسند کیا۔

اور اس طرح سے ہوازن کا وفد اپنے ساتھ اپنے بچوں اور عورتوں کو لے کر واپس ہو گیا اور چلتے وقت اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرما دیا کہ:

مالک کو یہ بتا دو کہ وہ مسلمان ہو کر میرے پاس آجائے تو میں اس کو اس کے اہل و عیال اور مال بھی واپس دے دوں گا اور اس ساتھ ہی اس کو سوا دھڑ بھی دوں گا۔

مسلمان قبیلوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مال غنیمت کا مطالبہ کیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا لوگوں کو یہ خوف ہوا کہ انہیں ایسی بات اور چیز نہ ہو جائے جس سے مال غنیمت میں ان کا حصہ کم ہو جائے لہذا ان حضرات نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اصرار کیا اور بار بار درخواست کی اور آپ سواری پر سوار تھے کہ آپ سے ان کو ان لوگوں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ہم پر ادا ہوں اور بچوں کو تقسیم کر دیجیے، یہ حضرات اصرار کرتے رہے حتیٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ناراض ہو گئے اور لوگوں کے کثرت، هجوم کو دیکھ کر آپ کی چادر ایک دھت کی ٹہن میں پھنس گئی تو آپ نے ان لوگوں سے جو آپ کے ارد گرد تھے حصہ میں فرمایا۔

اسے لوگوں میں چادر بٹھانے لادو، بھدا اگر میرے پاس تھا میرے درختوں کی قندہ اوکے برابر یا نوہرے تو میں وہ تم میں تقسیم کر دیتا اور تم مجھے زنجیل پڑتے اور نہ بدل اور جھوٹ بولنے والا، پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اونٹ کی کولہن سے بالوں کا ایک گچھا توڑ کر فرمایا:

اے لوگو بھدا میرے لئے سوائے جس رپا بچس جسے، کے اتنے سے بال لینے کا بھی حق نہیں ہے اور وہ پانچواں حصہ بھی تم ہی پر لڑنا دیا جاتا ہے اس لئے اگر کسی نے کوئی چیز بغیر حق کے لی ہو تو اسے چاہئے کہ اسے واپس کر دے اس لئے کہ وہ چیز قیامت میں ذلت و رسوائی اور آگ و سزا کا ذریعہ بنے گی۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مال غنیمت تمام مہجوروں پر تقسیم فرمایا اور قریش اور دیگر عرب قبائل کے وہ رؤساء اور سردار جو نئے مسلمان ہوئے تھے ان کے لئے اس غنم سے جو اللہ کے نام پر لڑا جاتا ہے بڑے بڑے حصے ان کے لئے مخصوص کر دئے اور یہ ان کی تالیف قلب اور اسلام کی طرف ان کے دلوں کے مائل کرنے کے لئے تھا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس عمل سے قریش اور قبیلوں کے رؤساء خوش ہو گئے اور ان کے نفوس مطمئن ہو گئے اور ان رؤساء میں البر سفیان بن حرب اور کھیل بن عمرو اور عیمر بن الحارث بن کلابہ وغیرہ بھی تھے۔

اس عمل سے کچھ انصار کو تکلیف پہنچی اور ان کی طبیعت پر اس کا اثر ہوا اس لئے کہ اس وجہ سے قریش اور اعراب کے کچھ آدمیوں کے ساتھ امتیازی سلوک کیا گیا تھا اور انصاروں میں سے کسی کو اس امتیاز سے نہیں فائدہ اٹھایا اس لئے انصار کی ایک جماعت نے اس سلسلہ میں آپس میں گفتگو کی اور بعض نے بعض سے کہا: بخدا اللہ کے رسول اپنی قوم کے ساتھ مل گئے ہیں۔

انصار کے دلوں میں جو بات تھی وہ بات حضرت سعد بن عبادہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچی وہی تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا: اے سعد اپنی قوم کو میری خاطر یکجا جمع کر دو حضرت

سعد نے انصار کو اکٹھا کر لیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لائے اور فرمایا:

اے انصار کی جماعت! کیا بات ہے جو مجھے تمہاری طرف سے پہنچی ہے، تمہیں کیا ناراضگی ہو گئی ہے، کیا میں تمہارے پاس اس حالت میں نہیں آیا تھا کہ تم اگر اچھے انسان تھے تمہیں ہدایت دی اور فقیر تھے اللہ نے تمہیں غنی بنا دیا اور ایک دوسرے کے دشمن تھے اللہ نے تمہارے دلوں میں الفت پیدا کی؟

انصار نے کہا: کیوں نہیں اللہ اور اس کے رسول کے ہم پر اس سے زیادہ احسانات اور انعامات ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے انصار کیا تم میری بات کا جواب نہیں دو گے۔

انہوں نے جواب دیا: اے اللہ کے رسول ہم آپ کو کیا جواب دیں اللہ اور اس کے رسول ہی کے ہم پر احسانات و انعامات ہیں۔

آپ نے فرمایا: بخدا اگر تم چاہتے تو یہ بات کہہ دیتے اور اس میں تم سچے بھی ہوتے اور تمہاری تصدیق بھی کی جاتی کہ:

آپ ہمارے پاس اس حالت میں آئے تھے کہ آپ کو خطبہ لایا گیا تھا لیکن ہم نے آپ کی تصدیق کی اور آپ تنہا تھے۔ ہم نے آپ کی مدد کی،



آپ کو آپ کے شہر سے نکالا گیا تھا، ہم نے آپ کو ٹھکانا دیا، آپ عشتہ سال  
تھے تمہ نے آپ کے ساتھ غم خوار کی۔

اے انصار کی جماعت کیا تم نے اس وجہ سے اپنے دل میں کوئی بات  
مخسوس کی ہے کہ میں نے دنیا کی نعمتوں میں سے کوئی نعمت کسی قوم کو اس لئے  
دے دی تاکہ اس کی تالیف قلب ہو اور وہ بچے مسلمان ہو جائیں اور میں نے  
تمہارے اسلام پر بھروسہ اور اعتماد کیا، اے انصار کی جماعت کیا تمہیں  
یہ بات پسند نہیں ہے کہ لوگ اپنے ساتھ بکریاں اور اونٹ لے جائیں اور  
تم اپنے گھروں اپنے ساتھ اللہ کے رسول کو لے کر لو؟!

قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جان  
ہے اگر ہجرت دینی امور میں سے نہ ہوتی تو میں انصار کا ایک شخص ہوتا اور  
لوگ ایک گھاٹی اور راستہ پر چلیں اور انصار دوسری گھاٹی اور راستہ  
پر چلیں تو میں انصار کی گھاٹی اور راستہ پر ہیوں گا اے اللہ انصار  
اور انصار کی اولاد اور انصار کی اولاد کو اولاد پر رحم فرما۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان سے انصار پر بہت گہرا  
اثر ہوا اور وہ رونے لگے اور یہ کہنے لگے: ہم حصہ اور نصیب کے اعتبار  
سے اللہ کے رسول پر براہی ہیں۔

ابنہ بن عوف کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام پہنچا دیا گیا

چنانچہ وہ اسلام لانے کے لئے طائف والوں کی فوج سے چھپتا چھپاتا رسول اللہ  
صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچ گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے  
اہل و عیال اور اس کا مال اس کو واپس کر دیا اور وعدہ کے مطابق اس کو  
مواذنہ بھی دے دیے۔

محمد ﷺ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عروہ کے لئے مکہ مکرمہ روانہ  
ہوئے جب نمرہ کر چکے تو مکہ پر حضرت عتاب بن اسید کو اپنا خلیفہ مقرر  
کر دیا اور قرآن کریم کی تعلیم اور دین کے مسائل سکھانے کے لئے ان کے ساتھ  
حضرت معاذ بن جبل کو بھی خلیفہ بنا دیا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور مہاجرین و انصار مکہ مکرمہ سے مدینہ  
منورہ کی طرف اس حالت میں روانہ ہوئے کہ فتح مکہ کے انعام پر اللہ کا شکر  
ادا کر رہے تھے اور غزوہ خنین میں پٹائی اور غریب کے بعد اللہ نے ان کو  
جو ثوابت قدمی اور مال غنیمت وغیرہ عطا کیا اس پر اس کی حمد بیان کر  
رہے تھے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے اس سلسلہ میں قرآن کریم کی درج ذیل  
آیات بھی نازل فرمادیں:

﴿لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللَّهُ فِي  
مَوَاطِنَ كَثِيرَةٍ ۚ وَذِكْرُهُمْ  
حُنَيْنٍ إِذْ أَعْجَبَتْكُمُ

اللہ مدد کر چکا ہے تمہاری بہت  
سے میدانوں میں اور حنین کے دن  
جب تم اپنی کثرت پر غور ہوئے

## غزہ تبوک

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو جب اللہ تعالیٰ نے فتح مکہ کی نعمت سے نوازا تو آپ تباہیت مطلقہ اور خوشی کی حالت میں مدینہ منورہ میں آئے۔ فتح مکہ میں اسلام کے لئے بڑی بھلائی اور مسلمانوں کے لئے فتح مبین تھی۔ اس لئے کہ فتح مکہ کا صرف یہ اثر نہیں تھا کہ مکہ مکرمہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زیر اثر آگیا تھا۔ یا یہ کہ بیت اللہ کو مسلمانوں کے حج کے لئے کھول دیا گیا تھا، یا یہ کہ وہ قریشی جنہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس وقت سے منافقت اور دشمنی اور جنگ کی تھی جب سے آپ نبی بنائے گئے تھے اور اب وہ قریشی آپ کے فرمانبردار ہو گئے تھے اور آپ کے ہاتھ پر ایمان لے آئے تھے۔

بلکہ اس سب کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی تھی کہ مکہ مکرمہ وہاں کے پت کے سامنے جھکنے اور بیت اللہ کے بتوں سے پاک صاف ہونے اور قریش کے مسلمان ہونے کا ایک وہ اثر بھی تھا جو ہر اس عربی کے لئے ظاہر تھا جو بیت اللہ کا حج کرتا اور جزیرہ عرب میں مکہ کی حیثیت اور

کَسُوْا ثِيَابَهُمْ فَلَمْ يُنْعِنُ عَنْكُمْ  
ثِيَابًا وَصَافَتْ عَلَيْكُمْ الْأَرْضُ  
بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ دَلَّسْتَهُمْ  
مُذَبِّحِينَ ثُمَّ أَنْزَلَ اللَّهُ  
مَكِئَتَهُ عَلَى رَسُوْلِهِ وَحَسَنَ  
الْمُؤْمِنِينَ وَأَنْزَلَ جُثُوْدَ الْلَّهُ  
تَرَوْهَا وَعَذَّبَ الَّذِينَ  
كَفَرُوا وَذَلَّ الْكَافِرِينَ  
(التوبہ - ۲۵ و ۲۶)

پھر وہ تمہارے کچھ کام نہ آئی اور  
زمین باوجود اپنی فراخی کے  
تم پر تنگ ہو گئی، پھر بت گئے  
تم پیچھے پھر کر، پھر اللہ نے اپنی  
طرف سے اپنے رسول اور ایمان  
والوں پر تسکین اتاری اور فوجیں  
اتاریں جن کو تم نے نہیں دیکھا اور  
عذاب دیا کافروں کو اور بھی سزا  
ہے منکروں کی۔



عربوں میں قریش کے درجے سے باخبر ہو اس کے لئے اس سب سے زیادہ ایک اور فائدہ بھی تھا اور وہ یہ کہ مکہ کی فتح اور مسلمانوں کے حج کے لئے بیت اللہ کے کھلنے اور قریش کے اسلام سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کو پھیلنے اور منتشر ہونے اور اللہ کے اس دین کو جو اللہ نے آپ پر نازل فرمایا تھا اس کو باقی اور ہمیشہ ہمیشہ رہنے کی ضمانت مل گئی تھی۔

اس لئے فتح مکہ کے بعد عرب قبائل نے جلد ہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے اور اسلام قبول کر لیا اور اکثر قبیلہ والے خوشی خوشی اپنی مرضی سے آپ کے پاس اسلام قبول کرنے آ گئے۔

فتح مکہ اور غزوہ حنین کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بہت سے افراد اور مختلف وفد آئے اور ان لوگوں میں سے جو آپ کے پاس اپنی اطاعت کے اظہار اور اسلام کا اعلان کرنے آئے تھے

کعب بن زہیر بھی تھے جو اپنے اشعار کے ذریعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تجو کر کے آپ کو ایذا پہنچاتے تھے۔ جو اب تھا ان کے بھائی بصر بن زہیر نے ان کو پیغام بھیجا اور یہ حکایت کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان جیسے لوگوں سے جو آپ کو ایذا پہنچاتے اور آپ کی بُرائی کرتے تھے کس قدر ناراض تھے اور آپ نے کس طرح ان کے قتل کا حکم دیا تھا اور ان میں کی اکثریت جب لکھنؤ لے گئی اور اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کر دیا تو آپ نے اکثر کوعمان

فرمادیا اور بھیجے اپنے بھائی سے یہ درخواست کہ اگر وہ بھی انہی کے نقش قدم پر چلے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس توبہ و استغفار کے لئے آجائے یا یہ کہ کسی گناہم گشتے ہیں جلا کر دے تاکہ اپنے آپ کو اسلام کی اس گرفت سے بچا سکے جو قریش کے حکم کو جو جزیرہ عربیہ کو اپنے قابو میں لے لے۔

بیت اللہ پہنچے بھائی کعب کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ان مسلمان ہونے کا جو مشورہ دیا تھا اس کا کعب کے دل پر اثر ہوا اور اس نے جلد ہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عداوت چھوڑ دی اور آپ کے سامنے مسلمان ہونے کے لئے مدینہ منورہ پہنچ گیا۔

کعب مدینہ منورہ میں اپنے ایک تباخنے والے کے گھر مہمان بنا جب صبح ہوئی تو وہ خود اور وہ صاحب مسجد نبوی میں حاضر ہوئے جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہوئے تو کعب آگے بڑھے اور آپ کے سامنے بیٹھ بدل کر بیٹھ گئے اور کہنے لگے: اے اللہ کے رسول، کعب بن زہیر تو پر کرتا ہوا مسلمان ہو کر آیا ہے تاکہ آپ سے امان طلب کرے اس لئے اگر میں اس کو آپ کے پاس لے آؤں تو کیا آپ اس کی توبہ و معافی قبول کر لیں گے؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جی ہاں، کعب نے کہا: اے اللہ کے رسول میں کعب بن زہیر ہوں اور پھر آپ کے سامنے اپنا وہ مشہور

قصیدہ پڑھا جس کی ابتدا یوں ہوتی ہے:

بَاقَاتُ سَعَادَاتٍ نَفَقَتِ الْيَوْمَ مَبْتُوْلٌ مُتَمِّمٌ بِإِسْرَافِهِ لَمَّا لُفِدَ مَكْبُوْلٌ

اور پھر کعب اسلام لے آئے اور آپ نے انہیں معاف کر دیا۔

جو وفود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مسلمان ہو کر آئے ان میں سے مثنیٰ کا وفد بھی تھا جس کا سردار ایک شخص تھا جس کا نام زید الغیل تھا جو نہایت فضیل و کمال والا تھا حتیٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بارے میں یہ تک فرمایا ہے: میرے سامنے عرب کے جس شخص کی بھی منقبت اور فضیلت بیان کی گئی اور پھر وہ میرے پاس آیا تو میں نے اس کو اس سے کمتر ہی پایا سوائے زید الغیل کے اس لئے کہ ان میں جو کمالات ہیں وہ سب کے سب نہ بیان کئے گئے اور نہ مجھ تک پہنچائے گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زید الغیل کا نام تبدیل کر کے زید الغیر کر دیا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کی ایک جماعت کے ساتھ حضرت علی کو طعنی کے بُت کو توڑنے کے لئے بھیجا ان لوگوں کی آمد کی اطلاع عدی بن حاتم طائی کو مل گئی جو اپنی قوم میں بڑی شان و شوکت و حیثیت کا مالک تھا اور عیسائی تھا اور مسلمانوں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سخت دشمنی رکھتا تھا، چنانچہ وہ اپنے اہل و عیال اور مال کو لے کر جلد ہی سے شام کی طرف نکل گیا تاکہ مسلمانوں کے اس کے سر زمین پر قدم رکھنے سے

پہلے وہ اس علاقے کو چھوڑ چکا ہو۔

لیکن اس کی ایک بہن جس کا نام سفاد تھا وہ پیچھے رہ گئی اور اس کے ساتھ ز گئی اور وہ ان قبیلوں میں گرفتار ہو گئی جنہیں مسلمانوں نے حملہ کرنے اور طعنی کے بُت توڑنے کے بعد گرفتار کیا تھا اور مسلمان مالِ غنیمت لے کر مدینہ منورہ لوٹ آئے اور عدی کی بہن سفاد کو جس کے قریب اس جگہ بند کر دیا گیا جہاں قیدی عورتوں کو اس وقت تک رکھا جاتا تھا جب تک ان کے بارے میں فیصلہ نہ ہو جائے یا انہیں تقسیم نہ کر دیا جائے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واپس سے گذرے تو سفاد نے آپ کو قسم دی کہ اس کو آزاد کر دیں اور وہ کہنے لگی: اے اللہ کے رسول! میرے والد ہلاک ہو گئے (یعنی اس کے والد حاتم بن عدی جو عربوں میں جو دو کرم اور سخاوت میں مشہور تھے) اور واقعہ (آئے والے غائب ہو گئے) اس لئے آپ ہم پر احسان فرمائیے، اللہ تعالیٰ آپ پر احسان کرے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا: تمہارے پاس آئے والا کون ہے؟

اس نے جواب دیا: عدی بن حاتم، آپ نے فرمایا اے جو اللہ اور اس کے رسول سے نکل گئے والا ہے اور پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واپس سے سے تشریف لے گئے اور اس کی درخواست منظور نہ کی۔ سفاد نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کئی بار آزاد کرنے کا سوال کیا لیکن آپ نے ہمیشہ عرض

فرمایا حتی کہ قریب تھا کہ سفارذ آپ کو ماضی کرنے اور آپ سے معافی حاصل کرنے سے بالکل مایوس ہو جائے لیکن سفارذ نے پھر درخواست کی اور آپ سے پھر گزارش کی اور اسے اپنے مقصد میں کامیابی حاصل ہو گئی اور اسے اس کی فرمائش اور امید سے زیادہ مل گیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے معاف فرمادیا اور اس کو آزار نہ دیا اور اس کو اتنا مال دے دیا جس سے وہ اپنے بھائی کے پاس شام تک نہایت اعزاز و اکرام سے پہنچ جائے۔ سفارذ نے وہاں پہنچ کر اپنے بھائی عدی سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ نے جو اس کا اکرام کیا تھا اس کا تذکرہ کیا جس کا اس پر بہت اچھا اثر پڑا اور وہ عدی سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مدینہ پہنچا اور اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کر دیا۔

اور ان دنوں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قاصد اور ذکاۃ وصول کرنے والے جزیرہ عرب میں پھر رہے تھے ان میں سے ہر ایک اپنے مفروضہ کام میں مشغول تھا۔ ان میں سے بعض وہ تھے جو فتح مکہ کے بعد اس عشر کو وصول کر رہے تھے جبے آپ نے مالداروں پر مقرر کیا تھا کہ فتراہ کو دیا جائے اور اب چونکہ بیت اللہ اور اس سے متعلق دیگر چیزیں مسلمانوں کی زیر اہانت آگئی تھیں اس لئے مسلمانوں کے اعتراضات بڑھ گئے تھے۔

ان میں سے بعض وہ تھے جو ان قبائل سے جزیرہ وصول کیا کرتے تھے

جنہوں نے اسلام قبول نہیں کیا تھا۔ اور ان میں سے بعض وہ تھے جو اللہ کے دین کی دعوت دیتے اور لوگوں کو اس کی تعلیم دیتے تھے اکثر قاصدوں کا استقبال ہی نہ کیا۔ اگرچہ بعض لوگوں نے ان کو ناپسندیدہ طریقے سے واپس بھی کیا تھا۔

حضرت عمر بن العاص جلدی کے بیٹے جیفر اور عمرو کے پاس گئے جو وہاں کے اشراف تھے اور صدقات کو اغنیاء سے وصول کر کے فقراء پر تقسیم کر دیا، اور شریک سے دجن کی اکثریت اپنے سابقہ دین پر برقرار رہی۔ (جزیرہ وصول کر کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس واپس ہو گئے۔)

ذکاۃ اور جزیرہ جمع کرنے کے لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک قاصد خزاعہ اور بنو تمیم کے پاس گئے تو خزاعہ والوں نے اس قاصد کے سامنے اپنے مال کا بڑا حصہ اکٹھا کر دیا تاکہ وہ اس میں سے جتنا چاہے لے لیکن بنو تمیم نے اپنا مال ظاہر کرنے سے انکار کر دیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قاصد کو ڈرانے کی خاطر عمار بن لے کر آگئے۔ چنانچہ وہ مدینہ منورہ واپس ہو گئے اور اس واقعہ کی اطلاع نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دے دی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو تمیم کی اس حرکت پر ان کے جنگ کے لئے مسلمانوں کا ایک جماعت بھیج دی جس کے سردار عیینہ بن حصن تھے۔

اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عیدین اور ان کے ساتھی خجہ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بنو تمیم کے کچھ قیدیوں اور کچھ عورتوں اور بچوں کو گرفتار کر کے لے آئے۔ بنو تمیم نے اپنا ایک وفد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اپنے ان قیدیوں کے بارے میں گفتگو کے لئے بھیجا جنہیں مسلمان گرفتار کر کے قیدی بنا کر لے گئے تھے۔ چنانچہ جب وہ لوگ مدینہ منورہ میں مسجد نبوی میں پہنچے تو عجزوں کے پیچھے سے یہاں آپ کو اس طرح پکارنے لگے جس سے آپ کو تکلیف پہنچی، جب آپ باہر تشریف لائے اور ان کے ساتھ بیٹھ گئے تو انہوں نے اپنی طرف سے بات کرنے کے لئے ایک فصیح و بلیغ آدمی کو منتخب کیا: عطار دین صاحب نامی ان کے خطیب نے گفتگو شروع کی اور اپنی قوم کی نسب پر فخر کیا اور ان کے مناقب بیان کئے اور فضل و کمال کو ظاہر کیا اور یہ چیلنج کیا کہ کون ایسا عرب ہے جو ان سے سبقت لے جائے اور ان کے درجے کو پہنچ سکے تو خجہ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ثابت بن قیس کو اشارہ کیا (جو نہایت بلند آدمی اور مسلمانوں میں خطابت پر سب سے زیادہ عبور رکھنے والے تھے) کہ وہ بنو تمیم کے خطیب کو جواب دیں۔ حضرت ثابت مہر مہر ہوئے اور فی البدیہ ایسا کلام پیش کیا جس کی عبارت نہایت فصیح اور مفہوم نہایت بلیغ تھا جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مجلس میں موجود مسلمانوں کو بہت خوشی ہوئی۔ ان کی فصاحت

و بلاغت سے بنو تمیم نہایت متعجب ہوئے مگر انہوں نے یہ ناپسند کیا کہ فصاحت و بلاغت میں سبقت کا شرف و فخر ان کے علاوہ کسی اور کو حاصل ہو اس لئے انہوں نے اپنے شمار لاء برقان بن بدر کو آگے کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہنے لگے: ہمارے شاعروں کو اجازت دے دیجئے۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اجازت دے دی تو برقان کو بلا ہوا اور اپنی قوم کی بڑائی بیان کرنے لگا اور ان کے حسب و نسب پر فخر کے سلسلہ میں اس نے اشعار پڑھے جب وہ شعر کہ چکا تو خجہ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کے شاعر حضرت حسان بن ثابت سے اس کا جواب دینے کا مطالبہ کیا۔ چنانچہ حضرت حسان کھڑے ہوئے اور نہایت شاندار اور ایسے عمدہ شعر کہے جن میں مسلمانوں کے کلاموں پر فخر کیا گیا تھا اور ان کی عظمت کو بیان کیا گیا تھا۔

مجلس برخاست ہوئی تو مسلمان نہایت خوشی و سرور میں تھے اس لئے کہ بنو تمیم کے جواب میں حضرت ثابت و حسان نے نہایت عمدہ کلام انجام دیا تھا اور بنو تمیم ایک دوسرے سے خجہ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں یہ کہہ رہے تھے۔

ان صاحب کی غیب سے تائید کی جاتی ہے اور یہ مؤید ہیں اور ان کے لئے اوپر سے کلام لایا جاتا ہے، لہذا ان کا خطیب ہمارے خطیب سے

بڑا غلیب ہے اور ان کا شاعر ہمارے شاعر سے بڑا شاعر عرب اور وہ ہم سے زیادہ عقلمند و بدو بار ہیں اس لئے ان کے ہاتھ پر اسلام لے آؤ۔

اور اس طرح سے ان کے وہ افراد بھی اسلام لے آئے جو پہلے مسلمان نہیں ہوئے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے قیدیوں اور عورتوں کو واپس کر دیا اور ان سب کو عمدہ و اعلیٰ تحفہ و انعام دیا اور پھر جب آپ نے ان سے پوچھا کہ تم میں کوئی ایسا آدمی رہ گیا ہے جسے ہم نے انعام نہ دیا ہو؟ تو انہوں نے کہا قافلہ میں ایک چھوٹا بچہ ہے آپ نے فرمایا: اسے بھی بھیج دو اسے بھی انعام دے دیں گے۔

انہوں نے کہا: اے اللہ کے رسول وہ تو غلام ہے، اس میں کوئی تاہل شرفیات نہیں ہے آپ نے فرمایا: وہ ہمارے پاس آنے والوں میں سے ایک ہے اور اس کا حق ہے چنانچہ انہوں نے اس کو بھی آپ کے پاس بھیج دیا، اور آپ نے اسے بھی انعام دیا اور پھر سب کے سب اس حالت میں واپس ہوئے کہ ان میں سے ہر شخص کی یہ تمنا تھی کہ وہ اپنی جان اور مال کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا مندی کے لئے پیش کر دے۔

اور اس کے علاوہ دیگر وہ واقعات جن کا ہم نے تذکرہ کیا ہے یہ اس بات کی ایک مثال تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ بعض عرب قبائل میں دعوتِ دین کی قبولیت کا استعداد اور اس کے

فرائض کی پیروی میں ان کو مستعد پاتے تھے جیسے کہ بعض قبائل کی طرف سے خشونت سختی اور بڑے سلوک کو بھی برداشت کرنا پڑتا تھا۔

ان اوقات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکثر جزیرہ عرب کی شمال و دو جہاں شام کے ہنجر واقع تھے جن پر رومیوں کی بادشاہت تھی ان کی حفاظت اور ان کے حقوق بنانے پر غور و فکر کرتے رہتے تھے اور آپ کو یہ فکر دامن گیر تھی کہ مسلمانوں کو ان جماعتوں کے مقابلہ پر ایسا طاقتور بنادیا جائے کہ کوئی ان کی طرف نگاہ اٹھا کر نہ دیکھ سکے اور کسی کے دل میں ان پر غبر حاصل کرنے اور انہیں نقصان پہنچانے کا خیال نہ آئے۔

اسی لئے جیسے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ کو یہ خبر پہنچی کہ رومی جزیرہ عرب کی حدود پر حملہ کرنا چاہتے ہیں تاکہ ان سے اور مسلمانوں سے عزت و موت کا بدلہ لے لیں اور اس کی کسر نکال لیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فوراً ہی جزیرہ عرب کے طول و عرض میں یہ اعلان کر دیا کہ فوری طور سے رٹنے والوں کو جمع کیا جائے اور جو بھی رٹنے کی طاقت رکھتا ہو وہ تیاری کرے تاکہ رومیوں سے جنگ کرنے اور ان کو ان کے دائرہ میں محدود رکھنے کا انتظام کیا جاسکے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خلافِ عادت اس جہت کو مخفی رکھا جہاں جانا تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مرتبہ خلافِ عادت اخفاء

سے جو کام لیا تھا اس کی وجہ یہ تھی کہ جس جانب مسلمانوں کو جنگ کے لئے لے جانا تھا وہ دور تھی، سخت گرمی کا زمانہ تھا جس کی وجہ سے لشکر کو اچھی طرح سے تیار کرنا اور اس کی تیاری کی پوری دیکھ بھال کرنا ضروری تھا۔

اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مالد اور مسلمانوں کے پاس یہ پیغام بھیجا کہ وہ اپنے ذاتی مال سے لشکر کی تیاری میں حصہ لیں۔ چنانچہ اکثریت نے اس پیغام پر لبیک کہا اور اپنی وسعت اور گنجائش کے مطابق دل کھول کر اس کام کے لئے پیسہ دیا۔ حتیٰ کہ بعض حضرات نے قوتی سخاوت دکھائی کہ سب مال لے آئے چنانچہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اپنا تمام مال لے آئے، آپ نے جتنا اس میں سے لیتا تھا لے لیا اور باقی واپس کر دیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنا اوسا مال لے آئے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ایک ہزار دینار پیش کر کے جو اس زمانہ کے لحاظ سے ایک بہت بڑی چیز اور بڑا مال تھا۔

مخلص مسلمانوں کے مالد اور ان کے لشکر کی تیاری میں اس طرح سے حصہ لیا تھا۔ لیکن متوسط درجہ کے مسلمانوں نے عموماً اپنے آپ کو جنگ کے لئے تیار کیا اور نہ اس سفر کا بندوبست کیا بلکہ بعض نے اس سے بھی زیادہ یہ کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اونٹ کو سارے مسلمان سے لیں کر کے پیش کر دیا تاکہ آپ اس پر ایک یا دو آدمیوں کو

باری باری سوار کرائیں۔

لیکن جو مسلمان خستہ مال تھے اور خود اپنے لئے ساز و سامان اکٹھا نہیں کر سکتے تھے اور نہ اپنی مکمل تیاری کرنے پر قادر تھے تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور سامان سفر کی درخواست کی۔ چنانچہ جن کو آپ سامان سفر دے سکے وہ دیا اور جس کے لئے بندوبست نہ کر سکے اس سے معذرت کر دی اور وہ نہایت انفس و غم میں اس حالت میں واپس ہونے کو ان کی آنکھوں سے اس صدمہ کی وجہ سے آنسو بہ رہے تھے کہ انہیں اللہ کے راستہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد کرنے کو نہیں ملے گا وہ اتنا ملے کہ ان کا نام ہی بکامین لرز و ننے والے ہو گیا۔

مخلص مومنوں کی شان تو یہ تھی کہ انہوں نے اس طرح سے تیاری کی ان کے برخلاف جو منافق تھے یا جن کے دلوں میں بیماری تھی جوئی تھی۔ انہوں نے اس سخت گرمی اور لو کے زلزلے میں ٹھنکے کو بڑا سمجھا اور اس سے اعراض کیا اور اس کو ناپسند کیا کہ کھیتیاں پک چکی ہیں ان کو چھوڑ کر کس طرح جایا جیلنے، باغات کے پھل تیار ہیں ان کو کس طرح چھوڑ دیں اور پھر حدود و شام کی مسافت کو اس سخت گرمی کے زمانہ میں طے کرنا اور راستہ میں آنے والے گرم تپتے ہوئے ریت کو دوپہر میں عبور کرنا بڑے دل گردہ کی بات ہے۔



نفاق میں بعض اتنے آگے بڑھ گئے کہ لوگوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنگ کے لئے نکلنے سے یہ کہہ کر روکنے لگے کہ اس سخت گرمی میں نہ نکلو، اور ان میں سے بہت سے آدمی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے اور آپ سے لشکر کے ساتھ نہ جانے کی اجازت مانگی اور اس سلسلہ میں مختلف جیلے پہنچنے اور معذرت پیش کئے۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہو گیا کہ یہاں منافقوں کی ایک جماعت لوگوں کو جنگ پر جانے سے روکنے پر ابھار رہی ہے اور اس غرض کے لئے انہوں نے سوئم نامی یہودی کے مکان کو منتخب کیا ہے جہاں کٹھا ہو کر یہ لوگ اپنے پروگرام بناتے ہیں اور اپنے مقصد میں کامیاب ہونے کی تدبیریں سوچتے ہیں، چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کی ایک جماعت کے ساتھ حضرت طلحہ بن عبید اللہ کو بھیجا تاکہ اس کے گھر کو جلا دیا جائے لہذا ان حضرات نے ایسا ہی کیا اور یہ لوگ گنگ سے بچنے کے لئے دہاں سے بھاگ نکلے اور ان میں سے ایک شخص نے گھڑی جھٹ سے چلانگ لگا دی جس سے اس کی ٹانگ ٹوٹ گئی اور اس طرح سے یہ مزا اور یہ لوگ دوسرے منافقوں کے لئے عبرت کا سامان بن گئے۔

۲۔ ان کی ٹانگیں اور مختلف قبیلوں کے لوگ آگئے اور تمام مجاہدین مدینہ منورہ کے باہر اکٹھا ہو گئے، حضرت ابوبکر ان کے امیر تھے جیسا

لشکر کی تیاری مکمل ہو گئی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ کے اختلالات وغیرہ سے فارغ ہو گئے اور ان پر حضرت محمد بن مسلمہ کو مقرر فرمایا اور اپنے اہل و عیال کی ضروریات کے لئے حضرت علی کو مقرر فرمایا تو آپ مدد شام کی جانب لشکر کی تیاری کے لئے تشریف لائے تاکہ رومیوں کا مقابلہ کیا جاسکے۔ جنگ کے لئے نکلنے والے مسلمان مجاہدوں کی تعداد تیس ہزار تھی۔

واقعی یہ ایک بڑا لشکر تھا جس پر اگر مسلمان فخر کریں تو واقعی یہ لشکر اس لائق تھا، لشکر کی اتنی بڑی تعداد اس کے باوجود تھی کہ بہت سے حضرات پیچھے رہ گئے تھے اور بہت سے منافقین نے ساتھ جانے سے معذرت کر دی تھی۔

یہ عظیم الشان ٹھانٹیں مارتا ہوا لشکر روانہ ہوا اور وہ ایسے صحرا کو چھیرتا ہوا اجارہ تھا جس کے کنکروں سے قریب ہٹا کر آگ نکلنے لگے اور اس کی ریت سے شعلہ بھڑکنے لگیں، لیکن مدینہ منورہ میں کچھ ایسے لوگ بھی تھے جو گرمی سے بچنے کے لئے پیچھے رہ گئے تھے اور سایہ دار درختوں کے سائے اور پیتھے ہوئے پانی اور عمدہ و بہترین فضا سے لطف اندوز ہو رہے تھے، لیکن آپ بتلائیے کہ ان لوگوں کا شعور ایسی صورت میں کیا ہو گا جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھی گرمی اور دوپہر میں سفر کر

رہے تھے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ ان کی اکثریت اس بات سے خوش تھی کہ وہ پیچھے رہ گئے اور اپنے باغات کمیتوں اور گھروں میں موجود رہے اگرچہ اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ ان میں ایسے لوگ بھی تھے کہ جنہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں نہ نکلنے کا صدمہ اور اس پر ندامت تھی۔

حضرت غنیمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لے جانے کے بعد اپنے باغ میں گئے تو دیکھا کہ ان کی دونوں بیویوں نے وہاں اپنے اپنے چھپرے نیچے پانی کا چھڑکاؤ کر رکھا ہے اور ان کی خاطر وہاں پانی ٹھنڈا کر کے رکھا ہے اور کھانا تیار کیا ہوا ہے جب انہوں نے ان عورتوں کی اس کاریگری کو دیکھا تو کہا:

اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو صوب گری اور ہاؤں میں سحر کر رہے ہیں اور ابو غنیمہ ٹھنڈی چھاؤں تیار کھانے اور عورت عورتوں اور اپنے مال و دولت کے پاس بیٹھا ہوا ہے۔ وہ انصاف نہیں ہے تم دونوں میرے لئے زادراہ تیار کرو تاکہ میں ان کے ساتھ مل جاؤں۔

ان کی دونوں بیویوں نے ان کے لئے زادراہ تیار کیا اسے لے کر اپنے اونٹ پر سوار ہوئے اور نہایت تیزی سے روانہ ہوئے حتیٰ کہ لشکر کے ساتھ مل گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنے صحابہ سے کسی کے

بارے میں دریافت کرتے اور وہ صاحب نیچے رہنے والوں میں سے ہوتے تو آپ فرماتے تھے: اگر ان میں خیر ہوگی تو اللہ تعالیٰ ان کو تمہارے ساتھ مدد دے گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نکلنے کے بعد حضرت ابو غنیمہ کے علاوہ اور بھی کئی آدمی پیچھے رہے مگر آپ کے لشکر میں شریک ہو گئے جن میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ تھے جو مال مٹول یا سستی یا نفاق کی وجہ سے پیچھے نہیں رہے تھے بلکہ ان کے پیچھے رہنے کا سبب یہ تھا کہ ان کا اونٹ چلنے سے عاجز آ گیا تھا جس کی وجہ سے یہ اونٹ سے اتر کر لشکر کے تقاب میں پیدل چل پڑے تھے اور وہ مسافت انہوں نے پیدل چل کر قطع کی تھی۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوذر کو آتے دیکھا تو اس وقت آپ کا لشکر ایک منزل پر ٹھہرا ہوا تھا۔ چنانچہ انہیں دیکھ کر آپ نے فرمایا: عرض آمدید اے ابوذر! تم کس وجہ سے پیچھے رہ گئے تھے؟ حضرت ابوذر نے واقعہ بتلایا تو آپ نے فرمایا: اے ابوذر میرے اہل و عیال میں سے تمہارا پیچھے رہ جانا مجھ پر سب سے زیادہ شاق تھا۔ اے ابوذر اللہ تعالیٰ نے مجھ تک پہنچنے تک تمہارے ہر قدم کے بدلہ میں ایک گناہ معاف کر دیا۔

تنگی و محنت کا پرشور چلتا رہا اس کو تنگی کا لشکر اس لئے کہا جاتا تھا کہ اس کی تیاری میں بڑی تکلیف اٹھانی پڑی اور اس کو وسیع کرنے میں بہت

تغلی برداشت کرنا پڑی تھی یہاں تک کہ تمام حجر تک پہنچ گیا جہاں حضرت صالح علیہ السلام کی قوم ثمود کے مکانات کے نشان تھے جو کہ چٹانوں میں بنائے گئے تھے، یہ وہ قوم تھی جس نے اپنے نبی کی نافرمانی کی تھی تو اللہ تعالیٰ نے ان پر بھل گرا دی اور ان کو ہلاک کر دیا۔

وہاں موجود کمزیر پر لوگ اتر گئے اور غسل کرنے اور اپنے اونٹوں کو سیراب کرنے گئے اور کھانا پکانے اور آٹا گوندھنے کی تیاری شروع کر دی لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا، اس کمزیر کا پانی مت پیو نہ اس سے نماز کے لئے وضو کرو اور جو آٹا اس پانی سے گوندھ چکے ہر اس کو اونٹوں کو کھلا دو اس پانی سے تیار کی ہوئی کوئی چیز استعمال نہ کرو۔

لہذا لوگوں نے اس کمزیر کے پانی سے وضو کرنے سے اجتناب کیا اور جو برتن اس پانی سے بھرے تھے وہ خالی کر لئے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا، رات کو تم میں سے کوئی کیلے دھو لے اپنے ساتھ کسی ساتھی کو لے کر نکلا۔

شکوہ الوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس مشورہ پر عمل کیا اور وہ آفات سے محفوظ رہے لیکن دو آدمیوں نے اس پر عمل نہیں کیا ان میں سے ایک آدمی کسی ضرورت کے پورا کرنے کے لئے باہر نکلا تو اسے بھی نے ریت میں دفن کر دیا اور دوسرے آدمی کا اونٹ لگم ہو گیا تھا وہ

اس کی تلاش میں نکلا تھا کہ وہ انہیں اسے اڑا کر لے لیں صبح ہوئی اور شکر کوچ کر گیا، لوگوں کو پینے اور ضرورت کے پورا کرنے کے لئے پانی کی ضرورت تھی لیکن پانی موجود نہ تھا، چنانچہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی شکایت کی اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول اللہ! سے، ہمارے لئے دعا فرما دیجئے۔

اللہ ان پر بہت مہربان تھا، چنانچہ ابھی زیادہ وقت نہ گزرا تھا کہ انہوں نے دیکھا کہ بادل ان کے اوپر جمع ہو رہا ہے اور پھر خوب موسلا دار بارش برسی جس کی وجہ سے زمین تالاب بن گئی۔ چنانچہ ان لوگوں نے خود بھی سیراب ہو کر پانی پیا اور اپنی ضروریات بھی پوری کر لیں اور اپنے پاس موجود برتن بھر لئے اور خوش خوشی ایک دوسرے سے کہنے لگے: یہ اللہ کا مجوزہ ہے جو اللہ نے اپنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے فرمایا ہے۔ لشکر میں موجود منافقوں (جو لشکر کے ساتھ منافقت اور مال غنیمت حاصل کرنے کی مرض سے کئے تھے) میں سے ایک منافق نے کہا: یہ تو گرم بادل ہے۔

لشکر میں جو منافق موجود تھے انہوں نے اپنی ریاکاری اور منافقت کو نہ چھوڑا اور لوگوں کو جنگ سے باز رکھنے کی کوشش سے باز نہ آئے اور ان کی ہمتوں کو پست کرنے اور ان کی باطنی روح کو کمزور کرنے کے لئے ان

سے کہتے: کیا تم بنو الاسفر یعنی رومیوں کے بہادروں سے جنگ کو ایسی  
جنگ سمجھتے ہو جیسے عرب کی ایک دوسرے سے جنگ ہوتی ہے، بھگدڑ  
تو یہ نظر آ رہا ہے کہ کل آپ لوگ رومیوں میں بکڑے ہوئے ہوں گے۔  
مومنوں اور منافقوں کے درمیان ٹھکڑا سخت ہو گیا اور نبی کریم  
صلی اللہ علیہ وسلم اتنی دور بیٹھے تھے جہاں تک ان کی باتوں کی آواز نہیں  
پہنچ رہی تھی! پانچ آپ نے حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما  
سے فرمایا: اے عمار! ان لوگوں کو پکڑ لو اس لئے کہ انہوں نے گناہ کی بات  
کہا ہے۔

حضرت عمار ان لوگوں کے پاس گئے اور ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ  
نے اپنے رسول پر وحی نازل فرمائی تھی اس کا تذکرہ کیا۔ چنانچہ وہ رسول اللہ  
صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مندرت کرنے پہنچے۔ اے اللہ کے  
رسول ہم تو یہی باتیں اور مذاق کر رہے تھے۔

منافقین کی طرف سے ایک اور واقعہ بھی پیش آیا کہ ایک روز رسول  
صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی گم ہو گئی اور مسلمانوں کی ایک جماعت اسے تلاش  
کرتے ٹھکی میکن وہ ان کو نہ مل سکی تو عمارہ بن حزم کے ساتھ  
بیٹھنے والے شخص نذیر بن الضحیت نے اپنے ساتھ تیرے سے کہا: یہ محمد رسول اللہ  
علیہ وسلم! تو یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ تمہیں آسمان کے احکامات پہنچاتے ہیں۔

حالانکہ ان کو اپنی اونٹنی کا علم نہیں ہے کہ وہ کہاں ہے!!  
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت کے  
ساتھ بیٹھے ہوئے تھے جن میں حضرت عمارہ بن حزم بھی بیٹھے تھے چنانچہ آپ  
نے ان سے فرمایا: ایک شخص نے غلام فلاں بات کہی ہے اور ذہید نے اونٹنی  
کے بارے میں جو بات کہی تھی آپ نے وہ ذکر کر دی! اور بخدا مجھے تو اسی بات  
کا علم ہوتا ہے جو مجھے اللہ تعالیٰ بتلاتے ہیں اور یہ بات مجھے اللہ ہی نے  
بتائی ہے۔ پھر آپ نے ان کو وہ جگہ بتا دی جہاں اونٹنی موجود تھی۔ یہ  
حضرات دلوں گئے اور اونٹنی دلوں مل گئی اور یہ اس کو لے کر آ گئے۔

حضرت عمارہ بن حزم اپنے کجاوے کے پاس گئے اور جو لوگ دلوں  
موجود تھے ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس واقعہ اور اللہ  
نے آپ کو اونٹنی کی جگہ کے بارے میں جو بتایا تھا اس کا تذکرہ کیا، تو  
سامعین میں سے ایک صاحب نے کہا: بخدا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
نے جو بتایا ہے وہ بات ذہید ہی نے کہی تھی۔

چنانچہ حضرت عمارہ ذہید کی طرف متوجہ ہوئے اور اس کو مارنے  
اور اس کی گردن پر ٹپکے برسائے گئے اور یہ فرمانے لگے: اے اللہ کے بندوں  
میرے پاس آ جاؤ، عجیب بات ہے کہ میرے کجاوے میں ایک شیطان موجود  
ہے اور مجھے اس کا علم بھی نہیں ہے، اے اللہ کے دشمن تو میرے کجاوے

سے نکل جا تو میرے ساتھ نہیں چل سکتا۔

اور مسلمانوں کا لشکر جزیرہ عرب اور شام کی سرحد پر واقع تبوک نامی جگہ پر پہنچ گیا جو دمیوں کے ماتحت معاویہ بن ابی سفیان کے ہوا کہ دمی شہر کے اندر اپنے قلعوں میں بند اور محفوظ ہو گئے ہیں اور ان سے آتے سلتے مقابلہ نہیں ہو سکتا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کو جمع کیا تاکہ ان سے مشورہ کر لیں کہ آگے بڑھنا اور شام کے ان شہروں میں داخل ہونا چاہیے جہاں دمیوں نے مسلمانوں سے جنگ کرنے کے لئے اپنے آپ کو قلعہ بند کیا ہوا ہے یا نہیں۔ تو حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا: اے اللہ کے رسول! آپ کو اسے چلنے کا حکم دیا گیا ہے تو چلئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر تم چلے گے تو تم مل جانا تو میں تم سے اس بارے میں مشورہ ہی ذکر کرتا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ نے اس بارے میں مشورہ اور بحث و مباحثہ کیا اور یہ طے کیا کہ لشکر دمیوں کے شہروں میں داخل نہ ہو اور نہ فریضے نہ بڑھے اور اس فزود میں دمیوں پر مسلمانوں کا اتنا ڈر اور خوف پیدا ہو جانا اور ان کا انصار عرب ہونا ہی کافی ہے کہ وہ شہر کے اندر قلعوں میں بند نہ ہونے پر مجبور ہو گئے اور حکومت امتیابی کافی ہے کہ دمیوں اور دوسرے ممالک اور ان سے منسلک قبیلے والوں نے یہ جان لیا کہ مسلمانوں کو کتنی حکمت اور کتنی طاقت و

وقت حاصل ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کے اس عظیم الشان لشکر کو سرحد پر ہی نے ٹھہرے رہے اور کئی دن ٹھہرنے لگے لیکن وہاں اس قسم کا کوئی اشارہ نہ مل سکا جس سے یہ معلوم ہو کہ یہاں کوئی ایسا شخص مجھ سے جو آپ سے جنگ کرنے یا آپ سے تعرض کرنے کا ارادہ نہ کرے تو کیا اب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جزیرہ عرب کے سرحد کے باہر ملٹن و بے خطر تھے اور آپ کو اس پر دمیوں کی چڑھائی کا کوئی خطرہ نہیں تھا؟!

جی نہیں بات یہ نہ تھی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ظاہری صورتحال پر اکتفا نہیں کیا کہ دمی آپ سے ڈر گئے ہیں اور مسلمانوں کو کچھ کھنسنے لگے ہیں، بلکہ آپ نے سرحدوں کی حفاظت کو اپنے سامنے رکھا اور اس کی خاطر آپ نے ان سرحدوں کے اطراف میں واقع ملکوں اور حکومتوں سے معاہدے کئے چنانچہ آپ نے ایلہ کے حاکم یوحنا بن ربیعہ (جو کہ عیسائی تھا) کے پاس یہ پیغام بھیجا کہ یا تو وہ مسلمانوں کی اطاعت و فرمانبرداری کرے اور یا جنگ کے لئے تیار ہو جاؤ، چنانچہ یوحنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اس حالت میں آیا کہ اس کے سینہ پر سونے کی صلیب لگی ہوئی تھی اور اس نے اپنی فرمانبرداری و اطاعت کا اعلان کیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر جزیرہ معرکہ کر دیا جس کی مقدار تین سو دینار تھی اور آپ نے اسے جہد نامہ لکھ کر

وے دیا جس میں آپ نے اہل ایدہ اور بدو بحر میں جو ان کے ساتھ تھے ان کے لئے امان دینے کا اعلان تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح کا عہد نامہ اور امان اہل جرباء اور اہل اذرح کو بھی دیا تھا اور ان کے لئے جتنا جزیہ مناسب سمجھا وہ ان پر مقرر فرما دیا۔

دوسرے عیسائی امیر و حاکم اکید رہن عبداللہ کنذی کی جانب سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فیہ مطمئن تھے۔ چنانچہ اس سے جنگ کرنے کے لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالد بن ولید کے ساتھ پانچ سو شہیدوں کی ایک جماعت بھیجی اور اسے یہ وصیت کی کہ وہ اس سے فارغ ہونے کے بعد مدینہ میں مسلمانوں کے لشکر سے مل جائیں۔

اس کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جنس میں شکر کے ٹھکانے کی کوئی وجہ کچھ نہیں آئی۔ اس لئے کہ لشکر تجارت بڑا تھا جس کے لئے فدا اور دیگر ضروریات کی حاجت تھی اور وہابی کی مسافت اتنی طویل اور پُرسخت تھی جس کے لئے ان کے پاس موجودہ زادراہ اور کھانے پینے کی چیزیں بیشکل کافی ہوں۔

اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وہابی کا حکم دے دیا اور لشکر نے اپنے گھماوے کس لئے اور مدینہ کی جانب واپس ہولیا اور بہت سے مساکین

اس نکلنے میں جو ان کو خصوصیات اور فوائد اور منافع حاصل ہوئے ان پر ایمان رکھتے تھے اور بہت سے لشکر کے ساتھی ایسے بھی تھے جو ایک دوسرے سے بچے ہو رہے تھے کہ۔

اس سخت ترین گرمی میں اپنی کیتی ہاڑی کو جو کٹے اور باغات جن کے پھل توڑے جانے کے قریب تھے انہیں ہم کیوں چھوڑ کر نکلے تھے اور اب بغیر کھانا نہ اور مالِ غنیمت حاصل کئے بلا جنگ کئے واپس کیوں ہو رہے ہیں؟ منافقوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف باتیں بنانے اور اپنے دل کی بھڑاس نکالنے کا اچھا موقع لا تھا آگیا۔ چنانچہ ان میں سے ایک جماعت آپ کے کسی حکم کی مخالفت پر آمادہ ہو گئی اور بعضے تو اتنے آگے بڑھ گئے کہ وہ یہ سوچنے لگے کہ وہ آپ کو ایذا تک پہنچانے پر قادر ہیں۔

جیشِ عسرت کی واپسی پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو منافقین کا طعن سے اس قسم کی سخت مشکلات کا سامنا کرنا پڑا، لیکن آپ کے لئے یہ کوئی مشکل بات نہ تھی کہ آپ منافقوں کی درپردہ سازشوں پر قابو پالیں اور نہ آپ کے لئے یہ کوئی مسئلہ تھا کہ آپ اس کی تلافی کر لیں اور ان کی سازشیں و مکر کو ختم کر ڈالیں اور یہ کہ ان مفسد منافقوں پر کاری ضرب لگائیں۔

منافقوں پر سختی سے گرفت اور ان کو تنبیہ و زجر اور ان کے ساتھ کسی قسم کی نرمی برتنے کے سلسلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو عمل قدم اٹھایا

وہ یہ تھا کہ منافقوں کی ایک جماعت نے مدینہ منورہ سے کچھ فاصلہ پر بڑی اداں نامی جگہ پر ایک مسجد بنائی تھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ سے نکلے اور تبوک جانے سے قبل وہ آپ کے پاس یہ درخواست لے کر آئے کہ آپ اس میں نماز پڑھ کر اس کا افتتاح فرمادیں۔ چنانچہ انہوں نے کہا:

ہم نے بیماروں اور حاجت مندوں اور بارش اور ٹھنڈی رات کی وجہ سے ایک مسجد بنائی ہے اور ہم یہ چاہتے ہیں کہ آپ وہاں تشریف لے آئیں اور نماز پڑھ لیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں واپس تکب اختیار کرنے کو کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب خود تبوک سے واپس تشریف لے گئے اور آپ کو یہ صاف معلوم ہو گیا کہ یہ مسجد صرف اس غرض سے بنائی گئی ہے کہ منافق وہاں جمع ہوں اور اللہ کے کام میں تحریف و تبدیلی اور مضمون میں تفریق پیدا کرنے کی کوشش کر سکیں تو آپ نے واپس آئے ہی اس مسجد کو ڈھانے اور مہلے کے لئے کچھ حضرات بھیج دیئے۔

ان منافقین کی سرکوبی کے سلسلہ میں ایک ایسی شدید منہب تھی جو آپ نے ان کو سزا دینے کے لئے کمال تھی اور ان کی نفوس پر اس کا اتنا اثر ہوا کہ وہ ڈرنے اور کھیلنے لگے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ منورہ واپس پہنچے تھے تو آپ ان لوگوں کا خاصہ سبب بھی کرنا چاہتے تھے جو بغیر کسی عذر اور معقول وجہ کے آپ کے

ساتھ جنگ کے لئے نہیں گئے تھے پیچھے رہ جانے والے لوگ آپ کے پاس آکر نہ جانے پر عذر خواہی کرنے لگے اور ایسے عذر پیش کرنے لگے جو ان کے نہ جانے کا معقول عذر بن سکیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے پیش کئے ہوئے عذر قبول فرمائے اور ان سے انوائی کر لیا اور ان سے ان کے سچے یا جھوٹے ہونے کے سلسلہ میں کوئی بحث نہ کی اور حقیقت حال اور باطن کو اللہ کے حوالہ کر دیا۔

پیچھے رہ جانے والے حضرات میں سے تین حضرات، اکعب بن ماک، امرأۃ بن النبیع اور ہلال بن ابیہر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کے سامنے اس بات کا اعتراف کر لیا کہ وہ پیچھے رو گئے تھے اور انہوں نے اس سلسلہ میں کوئی عذر پیش نہیں کیا۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو یہ حکم دیا کہ ان سے اعراض کر لیں اور پچاس روز تک نہ ان سے بات چیت کریں اور نہ ان کے ساتھ کسی قسم کا معاملہ کریں۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جو غزوی کا یہ پیغام آ گیا کہ خالد بن ولید اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئے اور وہ بغیر کسی قابل ذکر جنگ اور مسلمانوں کے شہسواروں کو مشقت و تکلیف میں ڈالے بغیر دوسرے حاکم اکیدر کو گرفتار کرنے میں کامیاب ہو گئے ہیں۔

ہوا یہ تھا کہ حضرت خالد کی اس سے بڑھിച്ച اس طرح ہوئی کہ حضرت

خالد بن ولید دوم میں ایسی رات کو پہنچے جس میں چاندنی بجلی ہوئی تھی تو انہوں نے اکیڈم کو دیکھا کہ وہ اپنے محل کے باہر اپنے بھائی حسان اور اپنے خصوصی ساتھیوں کے ساتھ نیل گائے کا شکار کر رہے ہیں، حضرت خالد نے اپنے شہسواروں کے ذریعہ ان پر ہانک جھڑک دیا اور اکیڈم اور اس کے کچھ ساتھیوں کو گرفتار کر لیا اور پھر حضرت خالد نے اکیڈم سے یہ بات چیت کی کہ یا تو اس کے شہر کے دروازے مسلمانوں کے لئے کھول دئے جائیں یا یہ کہ پہلے اسے قتل کر دیا جائے اور پھر اس کے شہر پر حملہ کر دیا جائے۔

اکیڈم اور حضرت خالد کے درمیان اس بات پر مسلح جھگڑی کہ اس کے شہر کے دروازے کھول دئے جائیں اور حضرت خالد کو دو ہزار اونٹ آبی ہو کر پانی اور چار سو ذریعے اور چار سو نیزے دئے جائیں اور اکیڈم حضرت خالد کے ساتھ مدینہ ہاجر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عورت کرے گا اور پھر کوئی فیصلہ کرے گا۔

اکیڈم نے اپنے شہر والوں کو شہر کا دروازہ کھولنے کی بابت پیغام بھیجا تھا کہ اس کی جان بچ جائے، چنانچہ ان لوگوں نے شہر کے دروازے کھول دیئے۔ حضرت خالد و لوہوں تشریف لائے گئے اور ان کے اور اس شہر کے حاکم کے درمیان جو معاہدہ ہوا تھا اس کے مطابق ساز و سامان لے لیا۔

حضرت خالد نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خوشخبری سنانے کے لئے آدمی

بھیج دئے اور پھر دیکھتے ہی خود بھی اپنے ساتھ قبیلہ اور اس ساز و سامان کو لئے ہوئے جو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ان کے لئے تیار کر دیا تھا۔ مدینہ منورہ پہنچ گئے، اللہ تعالیٰ کے اس انعام۔۔۔۔۔۔ کو دیکھ کر اہل مدینہ بہت خوش ہوئے اور فرار سے حکم کے جسم پر بشمیں سونے کا کام کیا ہوا لباس نہایت تعجب سے دیکھ کر اس سے مزے لینے لگے۔ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اکیڈم سے اس بات پر مسلح کرئی کہ وہ جزیہ دیا کرے گا اور اس کو اور اس کے ساتھیوں کو آزاد کر دیا۔

حضرت خالد جو مال غنیمت لئے تھے وہ مال مسلمانوں کے لئے اس مال کے قائم مقام ہو گیا جو مسلمانوں کو غزوہ تبوک میں حاصل ہونے کی توقع تھی اور اس واقعہ سے منافقوں کو یہ عبرت حاصل ہوئی کہ انہوں نے اپنی زبانوں کو لگام لگا دی اور اپنی حدود پر قائم رہنے لگے۔

اس کے بعد جلد ہی منافقوں کی طاعت کھیل دی گئی اور ان کی قوت اس ستون کے گرنے سے پارہ پارہ ہو گئی جو انہیں قوت بہم پہنچاتا تھا اور سہارا دیا کرتا تھا اور وہ ستون ان کا سرور عبداللہ بن ابی تھا۔ عبداللہ بن ابی کی سازشوں اور منافقت کے باوجود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی غماز جنازہ پڑھی اور اس کی تدفین مکمل ہونے تک آپ وہیں کھڑے رہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض صحابہ نے جب عبداللہ بن ابی کی نفقت



اور آپ اور مسلمانوں کے خلاف مختلف مواقع پر اس کی سازشوں کے علم کے بعد بھی اس پر نماز جنازہ کے سلسلہ میں دریافت کیا تو آپ نے ارشاد فرمایا :  
اللہ تعالیٰ نے مجھ سے فرمایا ہے :

لَا اسْتَغْفِرُ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرُ لَهُمْ  
اِنْ تَسْتَغْفِرُ لَهُمْ سَبْعِينَ  
مَرَّةً فَلَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَهُمْ

(التوبہ - ۸۰)

اگر مجھے یہ معلوم ہوتا کہ میں اس کے لئے ستر مرتبہ سے زیادہ استغفار کروں تو اس کی مغفرت ہو جائے گی تو میں ستر سے زیادہ مرتبہ استغفار کر لیتا۔ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عبد اللہ بن ابی کے بیٹے سے فرمایا کہ جو بتائیت ہے اور بکے مسلمان تھے اور اس کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم وہاں تشریف لے آئے۔

یہ کچھ رہ جانے والے، یہ تین حضرات جن سے بات چیت اور معاملات کرنے سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع کر دیا تھا دنیا باوجود اپنی وسعتوں کے ان کے لئے تنگ ہو گئی اور ان میں سے دو حضرات اپنے گھروں میں بند ہو گئے اور گھر سے باہر نہ نکلتے تھے نہ کسی کے سامنے آتے تھے اور وہ دونوں عروہ بن ربیع اور بلال بن امیہ تھے۔

قیس سے صاحب کعب بن مالک تھے جو گھر سے نکلتے تھے بازار جاتے تھے لیکن ان سے کوئی بھی بات نہ کرتا تھا وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتے تو آپ ان سے منع پھیر لیتے تھے، جب ان پر دنیا مکمل طور سے تنگ ہو گئی اور تمام راستے مسدود ہو گئے تو انہوں نے اپنے لئے صلح پہلے کے اوپر ایک خیمہ لگالیا اور ان کے اوقات اس میں گزارتے تھے۔

ان تینوں حضرات پر جب پچاس دن اس حالت میں گزر چکے کہ وہ دنوں سے الگ تھک آسو پہاتے رہے حتیٰ کہ یہ فوت بھی آگئی کہ زیادہ رونے کے وجہ سے ان کی آنکھیں خراب ہونے کے قریب ہو گئیں، یہ تینوں مالوی اور انسوس کی حالت میں تھے کہ ان میں سے ہر ایک کے پاس خوشخبری سنانے والے نے آکر خوشخبری سنائی۔

حضرت کعب کہ جب خوشخبری سنانے والا خوشخبری دینے آیا تو وہ اس وقت صلح پہاڑ کی چوٹی پر تھے۔ چنانچہ انہوں نے فوری اپنے اوپر کے پرے سے اس خوشخبری سنانے والے کو دے دیے اور پھر جلدی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھاگ کر مسجد گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خوشی سے بحرِ برد روشن دیکھتے چہرے سے ان سے یہ کہتے ہوئے ملاقات کی :

تمہیں وہ سب سے زیادہ بہترین دن مبارک ہو جو تم پر پیدا ہونے کے بعد سے اب تک آیا ہے۔ حضرت کعب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا :

ہے اللہ کے رسول کیا یہ معافی آپ کی طرف سے ہے یا اللہ تعالیٰ کی طرف سے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، نہیں یہ معافی اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے۔

اور اس طرح سے اللہ تعالیٰ نے ان تینوں کو معاف فرما دیا اور ان کو بھی جو سختی کے وقت پہنچنے اور گمراہی کے قریب پہنچنے کے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ اس طرح قبول فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ آیات نازل فرمائیں:

«لَقَدْ تَابَ اللَّهُ عَلَى الْمَشْجُورِ وَالْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ الَّذِينَ تَابَ فِي سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْكُمْ بَلْ مَا كَادَ يَزِيغُ قُلُوبَ كَرِيفٍ وَنَهَمَ اللَّهُ تَابَ عَلَيْهِمْ إِنَّهُ بِهِمْ رُؤُوفٌ وَجِيدٌ ذَلَّلَ الثَّلَاثَةَ الَّذِينَ تَابَ عَلَيْهِمْ لَمْ يَغْلَبُوا حَتَّى إِذَا خَافَتْ عَلَيْهِمُ الْكُوفُورُ بَنِي دُحَيْنَ وَهَاجَتِ عَلَيْهِمُ الْغُفُورُ وَخَلَقُوا أَنْ لَمْ يُكَلِّمُوا إِلَّا أَعْيُنُهُمْ تَتَكَلَّمُ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ حَسِيمٌ

«وَاللَّهُ يَسِّرُ الْيُسْرَى»

## کمال تکمیل

«يَسْقُونَ عَلَيْهِمْ طَلْقًا مِمَّا سَوَّاهُ قُلُوبُ الْأَنْصَارِ وَالْمُهَاجِرِينَ تَابَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ حَسِيمٌ» (الحجرات - ۱۶)

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ان وفود اور جماعتوں کے بارے میں جو ان کے پاس آکر اسلام لائے تھے اور خود بخود مومن بن رہے تھے وہ لوگ جن کے پاس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کی دعوت دینے کے لئے کسی کو نہیں بھیجا تھا ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر جو آیات نازل فرمائی تھیں ان سے ایک یہ آیت بھی تھی اور یہ صورت حال اس وقت پیدا ہوئی تھی جب مسلمانوں کو جزیرہ حبشہ میں ایسی قوت و عظمت حاصل ہو گئی تھی جسے دیکر کبعض قبائل یہ سمجھنے پر مجبور ہو گئے تھے کہ ان کا بھلا اور

زندگی کا دار و مدار اللہ کے دین کی پیروی اور مسلمانوں کے ساتھ مل جانے میں ہے۔ اور بعض قبیلہ دہلے یہ سمجھ گئے تھے کہ دعوت اسلام کے پہلے بغیر اسلام قبل کرنے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ان کا خود بخود جانا یہ ان کا آپ پر کوئی احسان ہے اور اس کی وجہ سے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ کہہ سکتے ہیں کہ: ہم آپ کے پاس خود بخود اپنے طور پر بغیر آپ کے دعوت دئے اور جانے لگے ہیں جو ہمارا احسان ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ آیت نازل فرمائی تاکہ یہ ان لوگوں کا جواب بن جائے جو آپ پر اپنے ایمان لانے کا احسان جھٹکتے ہیں اور ان سے کہہ دیا جائے کہ:

اَلَا تَتَذَكَّرُوْا اَعْلٰی اِسْلَامًا مُّكَدِّرًا لِّیْہِمْ  
یُسُفُّوْا عَنْہِیْکُمْ اَنْ تَصَدَّ اَکْثُ  
لِلْاَیْمَانِ اِنْ کُنْتُمْ صَادِقِیْنَ ۝

(المحجرات - ۱۷)

جو وہود آپ کے پاس اگر مسلمانوں کو رہے تھے اگرچہ ان میں سے بعض ایسے بھی تھے جو کسی مقصد و غرض کی خاطر یا کسی حاجت کے سلسلہ میں آئے تھے لیکن ان میں اکثریت ان لوگوں کی تھی جو اللہ اور اس کے رسول پر سچے دل اور صحیح طور سے ایمان لانے تھے اور ان کے اسلام قبول کرنے میں کسی قسم

کی ریاکاری تھی نہ نفاق و احسان جھٹلاتا۔

قبیلہ ثقیف کے سرداروں میں سے ایک سردار عروہ بن مسعود ثقیفی بھی تھے جو طائف میں اس وقت موجود تھے۔ جب آپ نے اس کا معاہدہ کیا تھا چنانچہ جب یہ واپس آئے اور ان کو یہ معلوم ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے طائف کا معاہدہ کیا تھا اور ہجرت آپ طائف سے اس خیال سے چلے گئے کہ کسی اور موقع پر اسے فتح کر لیا جائے گا عروہ فری طور سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مدینہ منورہ گئے اور اسلام قبول کیا اور یہ درخواست کی کہ انہیں ان کی قوم کی طرف تاحد بنا کر بھیج دیا جائے تاکہ وہ ان کو اسلام کی دعوت دے سکیں اور اللہ پر ایمان لانے کو ان کے لئے محبوب بنانے کی کوشش کر سکیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چو تک یہ معلوم تھا کہ ثقیف دہلے اپنے دین کے سلسلہ میں نہایت سخت اور متعصب اور بتوں کے گرویدہ ہیں اس لئے آپ نے ان سے کہا: اے عروہ وہ لوگ تمہیں مار ڈالیں گے۔ حضرت عروہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: اے اللہ کے رسول وہ مجھے اپنا اولاد اور اپنی جانوں سے زیادہ چاہتے ہیں۔

حضرت عروہ طائف کے لئے روانہ ہو گئے اور رات میں وہاں پہنچے اور سیدھے اپنے گھر کا رخ کیا اور لات نامی اپنے اس بہت کی طرف قطعاً کوئی توجہ نہ کی جس کی وہ لوگ پوجا اور تعظیم کیا کرتے تھے اور اس کے اگر درطواف کرتے تھے

ثقیف والوں نے جب یہ دیکھا تو بہت غمب کیا اور عروہ کی اس حرکت کو بہت برا سمجھا اور اس کا سبب دریافت کرنے کے لئے ان کے پاس گئے۔

حضرت عروہ رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں کو اپنے مسلمان ہونے کی اطلاع دی اور ان کو بھی اسلام قبول کرنے کی دعوت دے دی تو وہ لوگ ان کو برا بھلا کہنے لگے اور مذہب اور عقیدہ بدلنے پر ان کو الزامات لگانے لگے اور ان کے پاس سے رخصت ہو کر آپس میں اس خطرناک صورت حال اور نازک مسئلہ پر باہمی مشورہ کرنے لگے اور اس کے سدباب کے لئے تدابیر سوچنے لگے۔

صبح ہوئی تو حضرت عروہ نے یہ پختہ ارادہ کر لیا کہ وہ اپنی قوم کے سامنے اسلام کی حقانیت اور اپنے آبائی دین و مذہب کے باطل ہونے کو ضرور بیان کر دیں گے، چنانچہ وہ اپنے گھر کے ایک اونچے حصے پر کھڑے ہوئے اور قوم کو پکارا اور ان کو نماز اور صرف اللہ کی عبادت کی دعوت دی۔

حضرت عروہ کی وہ قوم جو اپنے مذہب اور اپنے عقیدہ پر سختی سے عمل پیرا ہونے اور قائم رہنے اور اس کی طرف سے ہر مصلحت میں مصروف تھی وہ باوجود عروہ کی حیثیت و منزلت کے پہچاننے اور اس کی قدر دانی کے وہ نہ ان کی بات سن سکے اور نہ اس پر سکوت و خاموشی اختیار کر سکے اور وہ لوگ ان کو برا بھلا کہنے لگے اور ان کو تبلیغ دینے لگے اور ان میں سے ایک شخص نے ان کو اپنے شیر کا نشانہ ملایا جو ٹھیک نشانے پر لگا اور وہ شہید ہو گئے۔

اور اس طرح سے حضرت عروہ رضی اللہ عنہ اپنی قوم کے ہاتھوں اس حالت میں شہید ہوئے کہ وہ اسلام کا دعوت دے رہے تھے جس کے سلسلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اپنے نبی کریم کر دیا تھا، ان کی روح ان کے جسم سے اس حالت میں پرواز کر گئی کہ ان کی نفس مطمئن اور قلب ودل راضی تھا اور وہ اپنے ارادہ و روح پر اپنی قوم اور اہل و عیال سے یہ کہہ رہے تھے: اللہ تعالیٰ نے مجھے بہت بڑی عزت کی دولت عطا فرمائی ہے اور مجھے شہادت کا درجہ گھر بیٹھے دے دیا اور مجھے بھی وہی درجہ ملے گا جو ان شہداء کو نصیب ہوا ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر سے پاس سے روانہ ہونے سے قبل شہادت پا گئے، پھر عروہ نے یہ وصیت کی کہ ان کو بھی ان شہداء کے ساتھ ہی دفن کر دیا جائے چنانچہ ان کے اہل و عیال نے انہیں ان شہداء کے ساتھ دفن کر دیا۔

کیا عروہ کے اس طرح قتل کرنے میں کوئی ایسی خاص بات یا کاسیاتی تھی جس نے ثقیف والوں سے اسلام کے اس اثر کو ختم کر دیا ہو جس سے وہ ڈر رہے تھے اور خوف زدہ تھے اور کیا اس قتل کے ذریعہ سے ان ثقیف والوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس دعوت کو اپنے سے دور کر دیا تھا جس کی وجہ سے ان کے سرداروں میں سے ایک سردار قتل کئے گئے تھے؟! ہرگز نہیں، ایسا ہرگز نہ ہوا اس لئے کہ ابویہ بن عروہ اور ان کے

چچازاد بجائی قارب بن الا نسود کچھ دنوں کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے اور آپ کے ہاتھ پر شرف باسلام ہو گئے اور پھر چند بیٹے بھی نگذرے تھے کثیف والوں نے اپنے آپ کو ہر طرف سے اسلام میں گھرا ہوا پایا، اس لئے کہ اور اور کے قبیلے اسلام قبول کر چکے تھے اور چاروں طرف کے مسلمان مشرکین ثقیف سے جنگ کرنے کے منظر کشی تھے اور ان کے قافلہ والوں کے راستے میں ثقیف والوں کا راستہ روک لیا کرتے تھے اور ان کے قافلہ والوں کے راستے میں اُسے آجاتے تھے اس وجہ سے ثقیف والے ذاتی جانوں کو محفوظ پاتے تھے اپنے مال و دولت کو۔

ثقیف والوں نے اس موضوع پر غور و فکر کیا اور یہ طے کیا کہ اس سلسلہ میں بات چیت کرنے کے لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اپنے سردار و یار سے عبد یاسیل کو بھیجا جائے، عبد یاسیل کو اپنی جان کا خطرہ ہو گا کہ نہیں ایسا دیکھو کہ اس کا بھی وہی خشر ہر جو حضرت عروہ کا اپنی قوم سے تھا واپس ہونے پر ہر اتنا ۱۰ سال لئے انہوں نے ثقیف کا نشانہ بن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جانے سے انکار کر دیا مگر اس صورت میں جانے پر تیار ہونے کہ ان کے ساتھ کچھ اور آدمی بھی بھیجے جائیں تاکہ ان میں سے ہر شخص واپس اپنی قوم کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہنے ہوئے مسادہ کے سلسلہ میں ملین کر سکے۔

عبد یاسیل پانچ آدمیوں کے ہمراہ مدینہ کے ارادہ سے روانہ ہو گئے۔

مہربان منورہ کے قریب ان لوگوں کو حضرت معمر بن شیبہ رضی اللہ عنہ نے دیکھ لیا اور وہ کچھ گئے کہ یہ لوگ اپنی قوم کی طرف سے قاصد اور پیغامبر ہیں کہ اگر ہے ہیں اور ان کی قوم نے انہیں اس لئے بھیجا ہے تاکہ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے صلح کے سلسلہ میں بات چیت کریں اور یہ لوگ آپ کے سامنے اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کریں۔

چچا پھر حضرت معمرہ جلدی سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچے تاکہ آپ کو یہ خوش کن خبر دے سکیں۔ راستہ میں حضرت معمرہ کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ مل گئے اور انہوں نے ان کی اس جلد بازی کا مشاہدہ کیا تو بات معلوم کی اور جلدی کی وجہ پوچھی تو انہوں نے ثقیف والوں کے وفد کی آمد کی اطلاع ان کو دی، یہ سن کر حضرت ابوبکر اتنے خوش ہوئے کہ انہوں نے حضرت معمرہ سے فرمایا میں تمہیں خدا کی قسم دیتا ہوں کہ تم مجھ سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نہ جاؤ تاکہ یہ خوشخبری میرا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ سکوں۔ اور حضرت ابوبکر جلدی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے اور آپ کو ثقیف کے وفد کے آنے کی اطلاع دی اور حضرت معمرہ ثقیف والوں کے پاس چلے گئے اور ان کو یہ بتلایا کہ جب وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوں تو اسلام کے مطابق کس طرح سلام کریں۔

وفد ثقیف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور

اس کے باوجود کہ حضرت میسرہ ان کو اسلام کے مطابق سلام کرنے کا طریقہ بتلا چکے تھے لیکن پھر بھی انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو زمانہ جاہلیت کی عادت کے مطابق سلام کیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم دیا کہ مسجد کے ایک کنارے پر ان کے لئے خیمے لگا دیئے جائیں اور ان کے اور آپ کے درمیان واسطہ لاکام خالد بن سعید بن عاص انجام دیں گے۔

ثقیف کے یہ قاصد ان خیموں میں ٹھہر گئے اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کے ساتھ نماز پڑھتے تو یہ لوگ آپ کی آواز غور سے سنتے اور جب مسلمان اپنی نماز پڑھتے اور تجوید سے قرآن کریم تلاوت کرتے اور اللہ کی بڑائی و عظمت بیان کرتے تو یہ لوگ اسے سنتے تھے، خالد بن سعید ان کے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان واسطہ کے فرائض انجام دے رہے تھے۔ چنانچہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نعمت میں ان کا پیش کیا ہوا معاہدہ نامہ لاتے اور پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کا جواب بکھراتے تھے وہ اس کے لئے کہ ان کے پاس پہلے جاتے تھے۔

عبد یلیل اور اس کے ساتھیوں نے آپ کے ساتھ صلح اور اپنی قوم کے اسلام لانے کے لئے جرمشروط پیش کی تھیں ان میں یہ بھی تھا کہ تین سال تک ان کے لات نامی بت کو نہ توڑا جائے اور یہ کہ انہیں نماز کی جھوٹ

دے دی جائے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو قطعی طور سے رد کر کے اس بات کے ماننے سے بالکل انکار فرمایا۔

ثقیف کے قاصدوں نے دوبارہ درخواست کی کہ ان کے بت لات کو دو سال تک چھوڑ دیا جائے لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ٹھکرا دیا۔ انہوں نے پھر ایک سال کی مدت کی درخواست کی آپ نے اسے بھی نامنظور فرمایا۔ انہوں نے ایک ماہ کی مدت مانگی تو آپ نے اسے بھی سختی سے انکار فرمایا۔

ان لوگوں نے پھر یہ درخواست کی کہ انہیں نماز سے مستثنیٰ کر دیا جائے اور نماز معاف کر دی جائے تو آپ نے فرمایا: جس دین میں نماز نہ ہو اس میں کوئی خیر و بھلائی نہیں ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قطعی فیصلہ اور اس سختی سے انکار کو دیکھتے ہوئے اور آپ کے اس عزم مصمم کو سامنے رکھتے ہوئے ان لوگوں نے یہ سمجھ لیا کہ انہیں اپنے مطالبہ سے دستبردار ہو کر وہ سب کچھ قبول کرنا پڑے گا جو تمام مسلمانوں پر لازم ہے لیکن پھر بھی انہوں نے آپ سے یہ درخواست کی کہ ان کو ان کے بتوں کو اپنے ہاتھوں سے توڑنے سے مستثنیٰ کر دیا جائے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا: ٹھیک ہے ہم تم کو یہ سہولت دے دیتے ہیں کہ تم اپنے بت خود اپنے ہاتھ سے نہ توڑو۔

عید یا میل اور ان کے ساتھی مسلمان جو گئے اور یہ واقعہ رمضان کا ہے۔  
چنانچہ انہوں نے مسلمانوں کے ساتھ باقی ماندہ روز سے بھی رکھے حضرت بلال رضی اللہ عنہ ان کی افطاری اور سوئی کا سامان ان کو پہنچایا کرتے تھے اور وہ لوگ اب نہایت اطمینان سے مسلمانوں کا کھانا کھاتے لگے تھے اس سے پہلے ان کے پاس جو کھانا ملے جایا جاتا تھا تو وہ اسے اس وقت تک نہ کھاتے تھے جب تک حضرت خالد اس کھانے سے نہ کھالیں اس خوف سے کہ کہیں مسلمانوں نے اس کھانے میں زہر وغیرہ ملا دیا ہو۔

جب ان ثقیف والوں کے واپس جانے کا وقت قریب آ گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اور ثقیف کے درمیان صلح نامہ لکھ کر ان کو دے دیا اور ایک نو عمر صحابی حضرت عثمان بن عامر کو ان کا امیر بنا دیا جو باوجود نو عمری کے قرآن کریم کے سیکھنے کے بہت حریص اور دین کی محنت میں نہایت بڑا مرتبہ رکھتے تھے۔

ثقیف کے ان افراد کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو سفیان بن حرب اور مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہما کو بھیج دیا جن کی ثقیف والوں سے رشتہ داری تھی اور وہ ان کے رشتہ دار اور متعلقین رہا کرتے تھے تاکہ بجائے ثقیف والوں کے یہ وہ دونوں نامی بت کو توڑ ڈالیں۔

عید یا میل اور ان کے ساتھی مخالف پہنچے اور قوم کے سامنے صلح نامہ

پیش کیا جس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مسابہ ہوا اور حضرت ابو سفیان و حضرت مغیرہ لات کو توڑنے کے لئے آگے بڑھے حضرت مغیرہ نے اس بت کو توڑنے کے لئے کمال اپنے ہاتھ میں پکڑ لیا اور اس کو توڑنے لگے۔ ثقیف کی عورتیں یہ دیکھ کر رونے پڑیں اور ہر عورت دافوسس سے اس منظر کو دیکھتے رہے لیکن ان میں اتنی ہمت نہ تھی کہ وہ حضرت مغیرہ کو اپنے معبود و خدا بت کو توڑنے سے روک سکیں۔

اور اس طرح سے حجاز کا وہ آخری بت بھی توڑ دیا گیا جس کی پوجا پاٹ ہوتی تھی اور نہایت منہ عناد کے بعد بالآخر مخالف والے بھی مسلمان ہو گئے جس سے اسلام کو ایک بڑی فتح نصیب ہوئی۔

دُود اور جماعتیں خوش خوشی مسلمان ہونے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مسلسل آتی رہیں جن میں سے بعض شروع شروع میں اس لئے مسلمان ہو رہے تھے کہ انہیں اسلام کی قوت و سطوت اور دیدہ بہ کا ڈر تھا اور بعض ایسے تھے جو صرف اور صرف اسلام و ایمان کی خاطر آپ کے پاس آکر مسلمان ہو رہے تھے۔

اس نیز و تند سیلاب کے دوران جو قریب تھا کہ تمام جزیرہ کو اپنی لپیٹ میں لے لے۔ حج کا موسم آ گیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر کو مسلمانوں کے ساتھ حج کے لئے بھیج دیا۔ چنانچہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تین

سو حجاج کرام کو نے گریبت اللہ کے ارادہ سے مکہ مکرمہ کی جانب نکل پڑے اور  
اسی طرح مشرکوں کی کچھ جماعتیں اپنے قبیلوں اور گھروں سے بیت اللہ کے ارادہ  
سے روانہ ہو گئیں۔

بھلا آپ ہی بتلائیے کہ وہ بیت اللہ جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ  
وسلم نے بتوں سے پاک کر دیا تھا کیا وہ اب بھی بت پرست مشرکوں کے لئے عبادت گاہ  
بن سکتا تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان مشرکوں کے درمیان پہلے سے یہ  
معاہدہ تھا کہ جو بھی بیت اللہ کے ارادہ سے آئے گا اس کو روکا نہیں جائے گا  
اور اشہر حرام بنی مکہ کو بھی کسی سے کوئی خوف و خطر نہ ہوگا۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر سورۃ برادرۃ نازل فرمائی جس  
میں اس بات کا بیان تھا کہ اس سال کے بعد مشرکوں سے کوئی ٹکڑہ نہ لیا جائے  
رہے گا سوائے اس معاہدہ کے جو ان سے ایک وقت معززہ ہو گا کیا گیا ہو  
تو وہ معاہدہ اس وقت تک کے لئے برقرار رہے گا جب تک اس کا وقت  
گزر نہ جائے۔ یہ سورت اس وقت نازل ہوئی تھی جب حضرت ابوبکر مکہ مکرمہ  
کے لئے جاکے تھے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کو حضرت ابوبکر کے پیچھے  
مکہ مکرمہ بھیجا کہ اوقات کے میدان میں جب سب لوگ اکٹھا ہوں تو وہ لوگوں  
کو وہ آیات پڑھ کر سنا دیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر

نازل فرمائی تھیں جب حضرت علی حضرت ابوبکر سے ملے تو حضرت ابوبکر نے حضرت علی سے  
پوچھا: آپ کو امیر بنکر بھیجا گیا ہے یا مامور بنا کر؟ تو حضرت علی نے فرمایا: نہیں  
بلکہ مامور و مقرر بنا کر صرف اس لئے بھیجا ہے تاکہ میں لوگوں کے سامنے ان آیات  
کو پڑھ کر سنا دوں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمائی ہیں۔  
لوگ جب نبی میں مناسک حج ادا کرنے کے لئے جیں ہو گئے تو حضرت علی  
نے کھڑے ہو کر سورت برادرۃ کی وہ آیات سنا دیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول  
پر نازل فرمائی تھیں، جن میں مشرکین سے کئے گئے تمام معاہدے ختم کر دئے گئے  
تھے سوائے ان معاہدوں کے جو ایک وقت معززہ تک کے لئے تھے نیز اس  
سورت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ایک بیعت اور راستہ متعین کر  
دیا گیا تھا اور آپ کی تعلیمات و ارشادات کے مطابق اسلام کی بقا و مضبوطی  
کے لئے مسلمانوں کو ہر اس شخص سے جہاد کا حکم تھا جو اسلام کو کمزور کرنے کی  
کوشش کرے یا اس پر اثر انداز ہو سکتا ہو۔

حضرت علی جب ان آیات کو تلاوت کر چکے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ  
وسلم نے انہیں بتائی تھیں تو انہوں نے فرمایا: اے لوگو جنت میں کوئی لافوظ  
نہ ہوگا اور اس سال کے بعد کوئی مشرک حج کرنے نہیں آئے گا اور نہ کوئی رہنے  
شخص طواف کر سکے گا (اگر مشرکوں کی عادت یہ تھی کہ وہ اپنا لباس اتار کر بیت  
کا طواف کیا کرتے تھے) جس شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی معاہدہ



کیا ہوا ہو تو وہ وقت مقررہ تک برقرار رہے گا اور آج سے چار ماہ تک تمام لوگوں کو مہلت دی جاتی ہے تاکہ ہر قوم اپنے ملک و وطن پہنچے جائے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جب لوگوں کے ساتھ مناسک حج ادا کئے تو وہ حضرت علی اور اپنے دیگر رفقاء اہل بیت کے ساتھ مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہو گئے اور دوسرے عرب مسلمان اپنے قبیلوں کو لوٹ گئے اور تمام مشرکین بھی اپنے گھروں کو واپس ہو گئے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کی زبانی انہیں جو پیغام بھیجا تھا اس کے بارے میں سوچنے لگے کہ اب اس سال کے بعد وہ لوگ بیت اللہ کے قریب نہ جا سکیں گے اس لئے کچھ ناپاک اور نجس ہیں۔

اور یہ کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ معاہدہ کر لیں کہ جب تک وہ توبہ کر کے مسلمان نہ ہو جائیں اس وقت تک وہ نہ مسلمانوں کے قریب جائیں گے اور نہ کوئی ایسا کام کریں گے جس سے ان کے اسلام پر اثر پڑتا ہو یا عقیدہ میں گڑبڑ ہوتی ہو مگر یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے جنگ کریں اور یہ سب کچھ اس وقت محتاج نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صرف اس سے ہی جنگ کرتے تھے جو آپ سے جنگ کرے اور جو آپ سے جنگ نہ کرے تو آپ بھی اس سے جنگ نہ کرتے تھے۔

مشرکین نے کہا: دوسرے سے پوچھا: بتلاؤ اب جب کہ قریش بھی اسلام لے آئے بتلاؤ اب تم لوگ کیا کرو گے؟!

واقعی بات یہی تھی کہ وہ لوگ اب بھی مسرت میں کیا کر سکتے تھے جبکہ اہل مکہ اسلام لے آئے تھے اور ان پر مشرکوں سے جنگ کرنا اور ان کو بیت اللہ سے روکنا فرض ہو گیا تھا۔

مشرکوں نے ایک دوسرے سے پوچھا: تمام عرب اسلام لے آئے ہیں اب بتلاؤ تم کیا کرو گے؟!

بات باطل ٹھیک تھی اس لئے کہ تمام جزیرہ عرب مسلمان ہو چکا تھا سوائے بعض ان قبیلوں اور جماعتوں کے جو حق تنہا تو اسلام کے اس ٹھکانے مارتے ہوئے سمندر کا مقابلہ کر سکتی تھیں اور نہ اس کے سامنے آ سکتی تھیں۔ اس لئے کہ وہ ایک ایسا سیلاب بن گیا تھا جو نہایت تیز و تند اور کفر و شرک کی بجائے کفر کرنے والا تھا۔

مشرکوں کے وفود یکے بعد دیگرے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر مسلمان ہونے لگے اور پھر اس دن کے بعد سے دیکھی مشرک نے بیت اللہ کا حج کیا اور نہ ہی کسی برہمن شخص نے طواف کیا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اللہ کے دین میں داخل ہونے کے لئے جو دفود اور جماعتیں فرج و رفرج آ رہی تھیں آپ ان کا استقبال کرتے ان کو مسلمان بناتے اور انہیں دین اسلام کی تعلیمات سے باخبر کرنے اور ان کی تعلیم و ارشاد کے لئے ان کے پاس معلمین بھیج دیتے۔

چنانچہ آپ نے میرے تعلق رکھنے والے مین کے بادشاہوں کے ان  
قاصدوں کا استقبال کیا جو اسلام قبول کرنے آئے تھے اور اسی طرح کندہ کے ان  
دو فرد کا بھی جو اتنی سواروں پر شمل تھا جنہوں نے ہاروں میں کٹھمی کی ہوئی تھی اور  
آنکھوں میں سرسری لگایا ہوا تھا اور انہوں نے کناروں پر رشیم ملے ہوئے کا مدار  
چبے بہن رکھے تھے، چنانچہ جب وہ لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں  
حاضر ہوئے تو آپ نے ان سے فرمایا:

کیا تم لوگ مسلمان نہیں ہو چکے ہو؟ انہوں نے کہا: کیوں نہیں؟ تو آپ  
نے فرمایا کہ پھر تمہارے لباس میں یہ رشیم کیوں لٹکا ہوا ہے؟ چنانچہ انہوں  
نے رشیم ہٹا کر نکال لیا اور اسے چھینک دیا۔

اس طرح یحیٰ بن مسعود کا بنو صنیعہ کا ایک وفد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
کے پاس آیا۔ چنانچہ جب یہ لوگ مدینہ منورہ پہنچے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم  
کی خدمت میں اپنا اسلام پیش کرنے کے لئے حاضر ہوئے اور اپنے کباہوں کے  
پاس اپنا ایک آدمی سلیمہ بن حبیب کو بھیج دیا۔

جب وفد والے اپنا اسلام پیش کر چکے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے  
ان کو وہ دے دیا جو کہ دینا چاہتے تھے تو انہوں نے نبی کریم صلی اللہ سے اپنے ساتھی  
سلیمہ کا تذکرہ کیا اور یہ بتلایا کہ وہ اسے اپنے کباہوں اور سواروں کے پاس  
جھوڑائے ہیں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سلیمہ کے لئے بھی اتنا انعام دینے

کا حکم دے دیا جتنا ان میں سے ہر شخص کو دینا تھا اور فرمایا:  
وہ منزلت و مرتبہ کے اعتبار سے تم سے کم تر تو نہیں ہے اور اس کی وجہ یہ  
تھی کہ وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ وصالان کی حفاظت کے لئے وہاں ٹھہرا تھا۔  
یہ وفد سہارن پور کا ایک جوان تھا جو گیا اور ان لوگوں نے سلیمہ سے وہ الفاظ  
ذکر کر کے لئے عزت آپ نے اس کے بارے میں ارشاد فرماتے تھے، یہ لوگ جیسے  
یہ کام پہنچے تو سلیمہ کو منع ہو گیا اور اسلام سے پھر گیا اور اس نے یہ اعلان کر دیا  
کہ وہ بھی نبی ہے اور نبوت میں اس کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک کر  
دیا گیا ہے اور دلیل یہ پیش کی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے ساتھیوں سے  
یہ کہا تھا کہ وہ منزلت کے اعتبار سے تم سے کم تر نہیں ہے۔

اور پھر سلیمہ اس غرض سے متفق و سبب کام کہنے لگا تاکہ اس کے ذریعہ سے  
قرآن سے مشابہت اور مخالفت اختیار کرے اور لوگوں کو اپنے اوپر ایمان لانے  
اور اس کی تصدیق کرنے کی دعوت دینے لگا اور اللہ نے جو چیزیں حرام کی تھیں  
ان میں سے کچھ کو اس نے ان کے لئے حلال کر دیا۔

پھر سلیمہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اپنے دو قاصدوں کے  
ذریعہ ایک خط بھیجا جس میں یہ لکھا تھا:

یہ خط اللہ کے رسول سلیمہ کا اللہ کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے  
نام ہے، آپ پر سلام ہو، دعویٰ مقصد یہ واضح کرنا ہے کہ مجھے اس نبوت میں آپ

کے ساتھ شریک کر دیا گیا ہے اور آدمی سرزمین ہماری ہے اور آدمی قریش کی لیکن قریش زیادتی کرنے والی قوم ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب خط کے مضمون کا علم ہوا تو آپ کے چہرہ مبارک پر غصہ کے آثار نمایاں ہو گئے اور آپ نے ان دونوں قاصدوں سے فرمایا: تم دونوں کیا کہتے ہو؟ ان دونوں نے کہا: ہم وہی بات کہتے ہیں جو ہمارے ساتھی نے کہی ہے تو آپ نے فرمایا: بخدا اگر یہ بات نہ ہوتی کہ قاصدوں کو قتل نہیں کیا جاتا تو میں تمہاری گردن اڑا دیتا اور پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے میلہ کے خط کا یہ جواب دیا کہ:

«إِنَّ الْأَكْثَرَ لِلَّهِ يُؤَيِّدُهُمَا  
مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ»

(الاعراف - ۱۳۸)

جھوٹی نبوت کا دعویٰ کرنے کا سزا صرف اس جھوٹے شخص سے لکھا گیا ہے کہ وہی ختم نہیں ہوا بلکہ اسی طرح کا جھوٹا دعویٰ ہر مومن نے منع کیا ہے اور نجد میں ہوا سکہ کے سربراہ علیہ السلام نے بھی کیا تھا لیکن یہ دونوں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں اپنے اس جھوٹے دعویٰ کو مکمل کھلا علی الاعلان پیش کرنے کی جرأت نہ کر سکے۔

خاتمہ لوگوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حکم کھلا مخالفت کی اور

آپ سے عداوت کا اعلان کیا تھا ان میں سے عامر بن طفیل بھی تھا جو ان لوگوں میں سے تھا جنہوں نے ہرمعون کے واقعے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان صحابہ کرام بنی اللہ جنہم کے ساتھ دھوکہ دے کر فرار کیا تھا جو اہل نجد کو تعلیم دینے اور دین کے مسائل سکھانے جا رہے تھے تو اس عامر نے لوگوں کو ان کے ملکوں سے بڑا کر دیا تھا اور اس طرح سے ان کو شہید کر دیا گیا تھا۔

عامر بن طفیل اپنی قوم کی ایک جماعت کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مسلمان ہونے کے لئے حاضر ہوا ان لوگوں میں ایک شخص ار بدن قیس نامی بھی تھا، عامر اور ار بدن کی نیت یہ تھی کہ اگر موقع مل گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دھوکہ کر کے آپ کو نقصان پہنچائیں گے۔

لیکن جب ان کا وفد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر مسلمان ہو گیا اور عامر اور ار بدن کو اپنا منصوبہ کامیاب بنانے کا موقع نہ ملا تو عامر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ کہتا ہوا روانہ ہو گیا کہ: بخدا میں آپ کے ملکات پیادہ پا اور شہسواروں کی اتنی بڑی فوج لاؤں گا کہ آپ کا شہر اس سے کچھ بچ بچ جائے گا۔

جب وہ چلا گیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے یہ کہہ کر دعا مانگی: اے اللہ مجھے عامر بن طفیل سے محفوظ رکھ۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کے دعا قبول فرمائی اور عامر اپنے شہر واپس نہ پہنچ سکا اور راستہ میں ہی اس کی گردن پر طاعون کا حملہ ہوا تو اس کے ساتھیوں نے بنو سلول کی ایک عورت کے گھر اسے اس لئے ٹھہرا دیا کہ وہ چلنے سے عاجز ہو گیا تھا۔ اس پر اس نے اپنے ساتھیوں سے کہا: اے بنو عامر کیا الیا غدر نکلا ہے جیسا اونٹ کے نکلنا ہے اور میری موت بنو سلول کی ایک عورت کے گھر میں آنے کی اور پھر جلد ہی اس طاعون کی وجہ سے وہ ہلاک ہو گیا۔

لیکن اربہ اپنی قوم کے پاس پہنچ گیا، اس کی قوم نے اس سے پوچھا: اربہ کیا خبر لائے ہو؟ ان کی مراد یہ تھی کہ ان کے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان کیا بات چیت ہوئی ہے؟ تو اس نے کہا: کچھ نہیں، میں تو یہ جانتا ہوں کہ وہ اس وقت میرے پاس ہوں اور میں ان پر اتنے تیرہ سالوں کہ وہ ختم ہو جائیں۔

اربہ یہ گفتگو کرنے کے بعد دو تین دن ہی زندہ رہا اس لئے کہ یہاں پر کہ ایک روز وہ اپنے ایک اونٹ کو لے کر اپنے کی نیت سے نکلا تو اس پر آسمان سے بجلی گری اور وہ جل کر مر گیا۔

اس قسم کے لوگوں کی ایسی قابل ذکر حیثیت نہ تھی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو برحقان کر سکیں اور نہ وہ اس حیثیت میں تھے کہ وہ اسلام پر الیا اثر فرما سکیں جس سے اسلام کو ان سے کوئی خطرہ ہوا، اس لئے رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم اپنے پیغام رسالت کو تمام لوگوں تک پہنچانے کے لئے چھوٹی چھوٹی جماعتیں غیر مسلموں کے پاس بھیجتے رہے اور جزیرہ عرب کے مختلف اطراف میں وہاں کے باشندوں میں دین اور اسلام کی تعلیمات پھیلانے کے لئے اپنے قاصدوں اور داعیوں کو بھیجتے رہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے داعی اور پیغامبر ادھر ادھر بھیجے اور ان میں سے ہر ایک کو ان چیزوں کی خصوصی وصیت کی جو انہیں ان قوموں کے ساتھ اپنا تعلق جن کی طرف انہیں بھیجا گیا تھا، چنانچہ آپ نے جب حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو اہل یمن کی جانب اسلام کی تعلیمات اور احکامات کی تعلیم دینے کے لئے بھیجا جہاں یہودیوں اور عیسائیوں کی بھی آبادی تھی تو آپ نے حضرت معاذ سے فرمایا: نرمی اور آسانی کرنا سختی نہ کرنا اور لوگوں کو خوشخبری سنانا متغیر نہ کرنا اور دیکھو تم اہل کتاب کی ایک ایسی قوم کے پاس جا رہے ہو جو تم سے یہ پوچھے گی کہ جنت کی چابی کیا ہے؟ تو تم کہنا لا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ (نہیں ہے کوئی معبود سوائے اس ایک اللہ کے جو ایک اکیلے ہے اس کا کوئی شریک نہیں ہے)۔

بخران کے عیسائیوں کے بہت سے آدمی مسلمان ہو گئے اور ان میں سے جو لوگ مسلمان نہیں ہوئے تھے ان کو اسلام کی دعوت دینے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو بھیجا۔ چنانچہ وہ بھی

جلد ہی مسلمان ہو گئے اور ان کا ایک وفد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور انہوں نے آپ کے پاس حاضر ہو کر اس بات کی شہادت دی کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور یہ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔

اسی طرح آپ نے تین سو شہسواروں کے ساتھ حضرت علی کو اہل یمن کی اس جماعت کے پاس بھیجا جنہوں نے اسلام کی دعوت قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ چنانچہ آپ نے حضرت علی کو ان کو اسلام کی دعوت دینے کے لئے بھیجا اور اس طرح سے اسلام کی دعوت کو عام کرنے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے قاصدوں اور داعیوں کو بھیجتے رہے حتیٰ کہ جزیرہ عرب میں اسلام اپنی بلندی کو پہنچ گیا۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جب لوگوں کے ساتھ حج کیا تھا اس پر جب ایک سال کا عرصہ گزر گیا تو اب آپ کو حج کے لئے لوگوں کے ساتھ نکلنا تھا تاکہ لوگوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ مناسک حج میں کیا کیا کرنا چاہیئے اور تمام مسلمان اسی کے مطابق مناسک حج ادا کرتے رہیں۔

سز دس ہجری میں جب ذوالقعدہ کا مہینہ آگیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو سو گرج کی تیاری کا حکم دے دیا اور اسی ذوالقعدہ کا مہینہ ختم نہیں ہوا تھا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک لاکھ سے زیادہ مسلمانوں کے

ساتھ بیت اللہ کے ارادہ سے روانہ ہو گئے اور آپ کے ساتھ آپ کی تمام ازواج مطہرات بھی تھیں اور ہدی کے طور پر ذبیح کرنے کے لئے اونٹنیوں کی ایک بڑی تعداد بھی تھی۔

سبحان اللہ! وہ تمام مسلمان جو ہر جانب اور ہر جہت سے اس اجتماع کے لئے اکٹھے ہوئے تھے وہ کس قدر خوش اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت اور محبت میں حج بیت اللہ کے لئے جانے پر وہ کتنے مسرور ہوں گے!! اور پھر جزیرہ عرب کے ان مسلمانوں کے اس عظیم اجتماع کو دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کس قدر فرحت ہو رہی ہوگی اور آپ کی دعوت و رسالت کے اس ثمرہ کو دیکھ کر آپ کو کتنا مسرور حاصل ہو رہا ہوگا!!

ذوالحلیفہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تمام مسلمان حاجی اکٹھے ہو گئے جن میں سے اکثر اپنے ساتھ قربانی کا جانور بھی لائے تھے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ذوالحلیفہ میں ایک چادر باندھ کر اور ایک چادر اوڑھ کر احرام باندھا اور آپ کے ساتھ ہی تمام مسلمانوں نے بھی احرام باندھ لیا اور ذوالحلیفہ ہی سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حلیہ پڑھنا شروع کر دیا اور آپ کے ساتھ ساتھ مسلمانوں نے بھی اسے دہراتا شروع کر دیا:

لَبَّيْكَ اللَّهُمَّ لَبَّيْكَ لَبَّيْكَ لَا شَرِيكَ لَكَ لَبَّيْكَ۔

میں حاضر ہوں اے اللہ میں حاضر ہوں، میں حاضر ہوں، آپ کا

کوئی شریک نہیں میں حاضر ہوں۔

إِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ نَفْكَ وَالْمَدْحَ لَا شَرِيكَ لَكَ

بے شک تمام تعریفیں اور نعمتیں اور حکومت آپ ہی کی ہے آپ کا کوئی بھی شریک نہیں ہے۔

إِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ وَالشُّكْرَ لَكَ لَبَّيْكَ، لَبَّيْكَ  
كَاشْرِيكَ لَكَ لَبَّيْكَ۔

بے شک تمام تعریفیں اور نعمتیں اور شکر آپ ہی کے لئے ہے، میں حاضر ہوں، میں حاضر ہوں آپ کا کوئی شریک نہیں میں حاضر ہوں۔

سمان اللہ کتنی بڑی تعداد میں مسلمانوں کی آوازیں اس مبارک تجلیہ کو دربار ہی میں اور کتنے ہی دل اس کی عظمت کے سامنے جھکے ہوئے تھے، اور کتنی ہی نفوس پر اللہ کی ہیبت طاری تھی۔

حجاج کرام مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان کی مسافت طے کرنے لگے اور مسجد یا پڑاؤ میں نماز کے ادا کرنے سے لے اترتے اور پھر اپنے سفر پر روانہ ہو جاتے حتیٰ کہ ایک جگہ پہنچنے جس کا نام مرقہ ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں سے حج اور عمرہ کی زیارت کرنی اور اپنے صحابہ میں یہ اعلان کرا دیا کہ جس شخص کے پاس کوئی جانور نہ ہو تو وہ عمرہ کا احرام باندھے حج کا احرام نہ باندھے۔

مبارک قافلہ جب مکہ مکرمہ پہنچا تو وہاں کے چاروں گز رکھے تھے۔

چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ کے ساتھ بیت اللہ کی طرف روانہ ہو گئے اور وہاں پہنچ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ کے سامنے تشریف لائے اور حجر اسود کا استلام کیا اور پھر کعبہ کے ارد گرد طواف کیا۔ مرقہ کے تین چکر دوں میں دو گز چلے تھے، پھر مقام ابراہیم کے پاس آئے اور وہاں دو رکعت نماز پڑھی اور پھر دوبارہ کعبہ کی طرف لوٹے اور حجر اسود کا استلام کیا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت عمر بن الخطاب کو حجر اسود کے استلام کی خاطر مزاحمت کرتے دیکھا تو آپ نے فرمایا: اسے عمر تم طاقت ور آدمی ہو اس لئے حجر اسود پر مزاحمت کر کے کمزوروں کو تکلیف نہ پہنچانا۔

اگر جگر مل جائے تو حجر اسود کا استلام کر لینا اللہ اس کو دوسرے دینا دینے دوسرے ہی اس کے سامنے جا کر استلام کر لو اور اللہ کا نام لے کر تکبیر پڑھو۔

پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ سے نکل کر صفا کی جانب تشریف لے گئے اور اس پر چڑھے اور اللہ کی تجبیر اور توحید بیان کی اور پھر وہاں سے اتر کر مردہ کی جانب سہی کی اور لوگوں سے یہ فرمایا: اسے لوگو صفا اور مردہ کے درمیان سہی کر دو اس لئے کہ صفا اور مردہ اللہ کے شمار میں سے ہیں۔

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مردہ پر چڑھے اور وہاں بھی وہی کیا

جو صفا پر کیا تھا، پھر وہاں سے اترے اور صفا و مروہ کے درمیان سعی کی حتیٰ کہ  
سعی کے سات پھر پھر سے کرنے اور پھر جب آپ اور تمام مسلمان سعی سے  
خارج ہو گئے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں یہ اعلان کرنے کا حکم  
دیا کہ: جس کے پاس ہدی (قربانی کا جانور) نہ ہو وہ اپنا احرام کھول لے،  
ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جن لوگوں کے پاس ہدی نہ تھی ان پر یہ بات شاق گذر  
رہی تھی کہ وہ اپنے عمرہ کا احرام کھول دیں اور ایک ساتھ حج و عمرہ نہ کریں،  
اس لئے مناسک حج میں پہلے ایسا ہوا کرتا تھا کہ حاجی ایک ہی احرام میں عمرہ  
و حج کر لیا کرتا تھا چاہے اس کے ساتھ ہدی ہو یا نہ ہو، اس لئے اب ان  
حضرات کو اس میں تردد ہوا کہ احرام کھولیں یا نہ کھولیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب ان کے اس تردد کی اطلاع ملی تو آپ  
نے فرمایا: اگر میں اپنے اس کام کو از سر نو کرتا تو ایسا نہ کرتا اور اپنے ساتھ  
ہدی لے کر نہ آتا اور صرف عمرہ کر کے احرام کھول دیتا اور پھر ہدی خریدتا اور  
حج کے لئے احرام باندھ لیتا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ کے پاس اس حالت میں تشریف  
لے گئے کہ آپ پر غصہ ہوا، اس کا ذکر کیا گیا تھا اس لئے کہ مسلمانوں نے آپ کے  
حکم کو نافذ کرنے میں تردد سے کام لیا تھا، یہ حالت دیکھ کر حضرت عائشہ  
رضی اللہ عنہا نے آپ سے پوچھا: اے اللہ کے رسول آپ کو کس شخص نے غصہ

دلا رہا ہے؟ خدا اسے جہنم میں داخل کرے، تو آپ نے فرمایا: کیا تمہیں معلوم  
ہو کہ میں نے لوگوں کو ایک کام کا حکم دیا تھا لیکن وہ لوگ اس میں ہیں و  
پیش کر رہے ہیں؟!

بہر حال جو لوگ مکہ مکرمہ بجز ہدی کے آئے تھے انہوں نے احرام کھول  
دیا اور ان احرام کھولنے والوں میں اہبات المؤمنین یعنی آپ کی ازواج مطہرات  
اور آپ کی صاحبزادی حضرت فاطمہ بھی تھیں۔

مذہب اہل حق پر حضرت علی بن ابی طالبؓ میں سے احرام باندھ کر  
مکہ مکرمہ اس ذمہ داری کو پورا کر کے پہنچے جس کی غرض سے ان کو رسول اللہ  
صلی اللہ علیہ وسلم نے بھیجا تھا اور وہ یہ تھی کہ وہ اہل یمن کی ایک جماعت کو  
اسلام کی دعوت دیں۔ ان لوگوں نے پہلے تو حضرت علی کی بات نہ مانی اور ان  
سے جنگ کی جس کی وجہ سے حضرت علی ان سے جنگ کرنے پر مجبور ہوئے  
اور ان کو ان پر فتح حاصل ہوئی اور بالآخر وہ لوگ مسلمان ہو گئے اور جب  
یہ واپس لوٹے تو ان کو یہ اطلاع ملی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے  
تشریف لے جا چکے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے اپنے لشکر پر اپنے ساتھیوں میں  
سے ایک ساتھی کو مقرر کر دیا اور خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے جا ملے۔

جب حضرت علی مکہ مکرمہ پہنچے اور اپنی اہلیہ حضرت فاطمہ کے پاس گئے  
اور دیکھا کہ انہوں نے احرام کھول دیا ہے اور رگداریاں سے آراستہ ہیں

تو انہوں نے ان سے پوچھا تم نے ایسا کیوں کیا؟ انہوں نے فرمایا: مجھے میرے  
ابا جان نے اس کا حکم دیا تھا۔

حضرت علی نے اپنے سفر کے حالات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سنائے  
اور ان لوگوں کے اسلام کے بارے میں خبر دی جن کی طرف انہیں بھیجا گیا تھا تو  
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر اللہ کی حمد و ثنا بیان کی اور پھر حضرت علی سے  
فرمایا: اے علی جان اور جا کر بیت اللہ کا طواف کرو اور جیسے تمہارے ساتھیوں  
نے احرام کھول دیا ہے تم بھی عمرو کے احرام کھول دو۔ حضرت علی نے عرض کیا:  
اے اللہ کے رسول میں نے احرام باندھتے وقت یہ کہا تھا کہ: اے اللہ میں وہ  
احرام باندھ رہا ہوں جو آپ کے نبی و رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے باندھا ہے۔  
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا کہ کیا تمہارے پاس  
بدی ہے؟ حضرت علی نے فرمایا: جی نہیں۔ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان  
کو اپنی بدی میں شریک کر لیا اور اس طرح سے حضرت علی نے اپنا احرام  
برقرار رکھا اور اس احرام سے مناسک حج بھی ادا کر لئے۔

پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور ہالاج کلام منی کی جانب روانہ ہو گئے  
اور جنہوں نے اپنا احرام کھول لیا تھا انہوں نے دوبارہ احرام باندھ لیا۔

جب ذوالحجہ کی نویں تاریخ کا سورج طلوع ہوا تو رسول اکرم صلی اللہ  
علیہ وسلم تصوان نامی اپنی اونٹنی پر سوار ہوئے اور آپ اور تمام مسلمان

جل عزت کے پاس تلبیہ اور تکبیر پڑھتے ہوئے پہنچ گئے۔  
اور عزت کے قریب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا خیمہ لگا دیا گیا اور  
آپ زوال تک وہیں ٹھہرے۔ جب پھر آپ اپنی اونٹنی پر سوار ہو کر اوی  
کے چلے گئے جسے میں پہنچ گئے اور وہاں کھڑے ہو کر آپ نے مسلمانوں کی جماعت  
سے ہدایت ملنے اور ان میں خطاب کیا جن کو آپ کے پیچھے سے حضرت ربیعہ  
بن ابیہ بن سخت دہراتے جا رہے تھے تاکہ اس کو وہ تمام مسلمان سن لیں جو  
اس جیسے سلیم اجتماع میں آج تک کبھی اکٹھا نہیں ہوئے تھے۔ چنانچہ ان  
حضرات نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا خطبہ سنا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ خطبہ واقعی اسلام کا ایک دستور تھا  
جس پر عمل کرنا مسلمانوں پر واجب تھا۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
نے ان الفاظ سے خطبہ کی ابتدا فرمائی۔

اے لوگو میری بات غور سے سنو مجھے معلوم نہیں ہے ہو سکتا ہے کہ میں  
اس جگہ تم سے اس کے بعد کچھ بھی نہ مل سکوں۔

پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کو دین کی باتیں بتلانے لگے  
اور کتاب اللہ اور اس کے رسول کی سنت پر عمل کرنے اور اس سے مغضوبی  
سے بچنے کی دعوت دی اور یہ بتلایا کہ لوگوں کے مال اور ان کی عزت و  
آبرو ورنہ ان کی جان کی حفاظت کریں اور امانتیں ان کے ماکوں کو واپس



کودیں اور سرد اور قتل سے نہیں۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خطبہ میں یہ بھی واضح فرمادیا کہ مسلمان کا اپنے مسلمان بھائی سے کیسا تعلق ہونا چاہیے اور انسانوں کے ساتھ کیا برتاؤ ہونا چاہیے اور آپ نے لوگوں میں مساوات کا اعلان فرمادیا اور واضح کر دیا کہ انسان ہونے کے اعتبار سے جتنی غلام اور قریشی سردار میں کوئی فرق نہیں ہے اور اس خطبہ میں آپ نے یہ بھی فرمایا: اے لوگو تمہارا رب ایک ہے تمہارا باپ بھی ایک ہے تم سب حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہو اور حضرت آدم کو مٹی سے بنایا گیا تھا۔

اللہ کے نزدیک تم میں سب سے سوزوہ شخص ہے جو تم میں سب سے زیادہ متقی و پرہیزگار ہو، کسی عربی کو کسی عجمی پر فضیلت حاصل نہیں ہے سوائے تقویٰ کے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنا خطبہ پڑھتے ہوئے آپ نے فرمایا: اے اللہ کیا میں نے تیرا پیغام پہنچا دیا؟ تو لوگوں نے ہر طرف یہ جواب میں کہا: جی ہاں اے اللہ کے رسول! تو آپ نے فرمایا: اے اللہ آپ گواہ بن جائیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب خطبہ مکمل کر چکے تو ظہر و عصر کی نماز پڑھنا شروع کر دی تو لوگوں کو اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان مبارک پڑھ کر سنایا:

«رَأَيْتُمْ مَآ كَلْتُمْ لَكُمْ دِينَكُمْ»  
 «وَأَنْتُمْ عَلَىٰكُمْ نِعْمَتِي»  
 «وَرَضِيتُمْ لَكُمْ الْإِسْلَامَ دِينًا»  
 (المائدہ - ۳)  
 تمہارے لئے اسلام کو دین۔

یہ سن کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس لئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کے تلاوت کرنے سے انہوں نے یہ بخوبی سمجھ لیا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا رسالت کا کام اب مکمل ہو چکا ہے اور اب آپ منقرض دنیا سے رخصت ہو جائیں گے۔

عرفات سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام مسلمان مزدلفہ کی جانب روانہ ہو گئے اور مزدلفہ میں رات گذاری اور صبح کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مشعر حرام گئے اور چھ مئی کے راستے میں جمعات کو کنکریاں ماریں۔

اور مئی میں ہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تربیٹھ اور نینیاں ذبح کیں جو آپ کی عمر مبارک کے برابر تھیں، پھر اپنا سرمہ منڈایا اور اس طرح آپ کے تمام مناسک حج پورے ہو گئے اور دوسرے تمام مسلمانوں نے بھی اپنے مناسک حج پورے کر لئے۔

پھر مدینہ منورہ کے حجاج کرام نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت و صحبت میں مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ جانے کے لئے رخصت ہو گئے۔

بعض حضرات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس حج کو حجۃ الوداع کہتے ہیں اس لئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ بیت اللہ اور جبل عرفات کو اس حج میں آخری مرتبہ دیکھا تھا۔

اور بعض حضرات اس کو حجۃ البلاغ کہتے ہیں اس لئے کہ اس حج میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ تمام احکامات مکمل طور سے لوگوں تک پہنچا دیئے تھے جن کا اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا تھا اور وہ دین اسلام تھا۔ اور بعض حضرات اس کو حجۃ الاسلام یا حجۃ التمام بھی کہتے ہیں۔

اس لئے کہ اس حج میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے لئے ان کے دین کو مکمل اور اپنی نعمتوں کو ان پر تمام و کامل کر دیا تھا۔



## کمال انسانیت

«رَأَيْتُمُ الْمَكَّةَ لَيْلَةَ الْفَيْتَةِ»  
 «وَأَنَّكُمْ مَشَيْتُمْ عَلَيْهَا نِعْمَ مَشْيًا»  
 «وَرَأَيْتُمْ لَكُمْ الْإِسْلَامَ مَوْجِدًا»  
 (المائدة - ۳)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حج کے موقع پر مسلمانوں کو یہ آیت کریمہ تلاوت کی کہ سنائی میں وہ سنزدہں جو ہی کے اواخر میں آپ کے ساتھ حج بیت اللہ کے لئے گئے ہوئے تھے، آپ نے حج میں جو جو کام کرنا چاہیئے وہ تمام مناسک حج ان کو سکھلا اور بتلا دیئے اور اس سے پہلے بیت اللہ کو جنوں اور مورتیوں سے پاک کر دیا تھا اور یہ سب کچھ اس کے بعد ہوا تھا جب آپ کی قوم کے وہ مکہ والے جنہوں نے آپ کو تکلیفیں پہنچائیں اور آپ سے جنگ کی تھی وہ اللہ کے دین اسلام میں داخل ہو چکے تھے اور تمام جزیرہ عرب اسلام کے سامنے سرخٹوں ہو کر ملتے اسلام میں داخل ہو چکا اور اس کی تعلیمات کی پیروی کرنے لگا تھا اور اس نے یہ گواہی دے دی تھی کہ اللہ تعالیٰ وعدہ لا فیکین

ہے اس کے ساتھ کوئی شریک نہیں ہے۔

اور اس طرح سے اللہ تعالیٰ نے آپ کے نور کو پورا اور مکمل اور دین اسلام کو مسلمانوں کے لئے کامل کر دیا تھا اور ان پر اپنی نعمتیں پوری کر دی تھیں اور رسالت اپنے منہبہا کو پہنچ چکی تھی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے فریضہ کو ادا کر دیا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جس مقصد کے لئے بھیجا تھا وہ پورا ہو چکا تھا اور جن دین کی دعوت کے لئے آپ کو بھیجا گیا تھا وہ مکمل ہو چکی تھی آپ تیس سال تک لوگوں کو اس کی دعوت دیتے رہے اور ایک ایسے علاقے میں جہاں کے لوگ بُت پرست تھے جن کو سمجھ کر کرتے تھے اس طویل عرصے میں آپ ان کے ساتھ دین اسلام کے پھیلانے کے مسئلہ میں جہاد کرتے رہے۔

تیس سال کا وہ طویل عرصہ جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایذا و قتلین پر صبر کیا اور ہر قسم کی تکلیف و پریشانی برداشت کیں اور اپنے گھر بار کو چھوڑا اور شہر سے ہجرت کی اور بار بار موت سے ٹکرائے اور بڑی بڑی مصیبتیں اور آزمائشیں جھیلیں لیکن ان سب کے باوجود آپ کا نفس مطمئن اور دل پرسکون رہا اور آپ کو یہ مکمل یقین رہا کہ اللہ تعالیٰ ضرور بالفرض وہ آپ کی مدد کرے گا اور خواہ مخواہ وہ جہاد کا زمانہ کتنا

ہی طویل کریں نہ ہو ملتے جبر بھی اللہ تعالیٰ آپ کو تنہا ہرگز نہ چھوڑے گا۔ چاہے ان مشرکوں کی ایذا میں کتنی ہی کیوں نہ ہو مگر اس نہیں آپ صرف اللہ تعالیٰ وہ لاکھوں کی عبادت کی دعوت دے سکتے تھے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی ایک انسان تھے، لیکن آپ ایک ایسے انسان تھے جس کا کوئی خاص دہن و بلند مقصد وہ نہ ہوتا ہے اور اپنے مقصد کو حاصل کرنے اور ہر ہن تک پہنچنے میں آپ پر جو ایذائیں اور پریشانیاں آ رہی تھیں آپ ان کی مصلحت پر رواہ نہ کرتے تھے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی اس دنیا میں ایک کامل ترین مثال زندگی تھی۔ آپ کی زندگی کسی انسان کی نہ زندگی نہ تھی جو اس نے میتا ہے تاکہ اللہ کی ملامت کردہ چیزوں سے غافلہ اٹھائے، دنیا کی ملامت و پاک چیزوں سے تالپندگی یا ان سے بے رغبتی کی بنا پر دور رہے، بلکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ایک ایسی مثال زندگی تھی جو ہر اس شخص کے لئے نور تھی جو اللہ تعالیٰ کی رضا کا طالب ہو آپ کی زندگی مسلمانوں کے لئے ایک مشعل نور اور کامل نمونہ تھی اور آپ کی زندگی ایک ایسی زندگی تھی جو ایسے رسول کے لائق تھی جسے اس دنیا میں ایسے پیغام اور رسالت کے پہنچانے کے لئے بھیجا گیا ہو جس کا پیغام اس کا فرض منصبی قرار دے دیا گیا ہو اور اس پر یہ واجب کر دیا گیا ہو کہ وہ اس پیغام کی طرف تمام ان طریقوں اور وسائل سے دعوت دے جو اس پر تو

عالی روح اور امین و ہبیل نفس کے ساتھ متعارف نہ ہوں جسے اللہ تعالیٰ نے منتخب فرمایا تھا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اگر دنیا سے پہلے رفیقی اختیار کی تھی اور اس کی نعمتوں اور طوبیات سے مدد موٹا تھا تو وہ اس لئے کہ آپ کا مقصد روح مطہر و نیک و نیا سے وہ نہ تھا جو عام لوگوں کا ہوتا ہے اور آپ کا بدن دوسرے لوگوں سے بالکل مختلف تھا۔

اور اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کی نعمتوں میں سے کچھ حصہ لیا تھا اور اس کی فرد تازیگی میں سے اپنے نفس کو کچھ حصہ دیا تھا تو وہ صرف اس طرزی سے تھا تا کہ مسلمانوں پر وہ چیزیں حرام نہ ہو جائیں جو آپ نے اپنے لئے حرام کر لی تھیں اور آپ یہ چاہتے تھے کہ اپنے صحابہ کے لئے وہ چیزیں مباح کر دیں جو اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے لئے مباح کر رکھی ہیں خدا آپ نے خود اپنے آپ کو ان سے دور کیوں نہ رکھا ہو۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی تمام زندگی دنیا کی زیب و زینت اور اس کے ظاہر کے بجائے اس کی حقیقت اور اس کے جوہر کی طرف متوجہ رہے اور آپ کے اس فعل اور دنیا سے پہلے رفیقی اور ذہد میں جو حکمت تھا اس کو کھنڈ وہی سمجھ سکتے ہیں جس نے دنیا کی خواہشات کو چھوڑ دیا ہو اور اس کے سامنے

سامان سے دور ہو اور دنیا کی جو چیزیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زیر استعمال تھیں جنہیں آپ دنیا کا سارو سامان سمجھتے تھے اس کی حقیقت

کو ہی شخص سمجھ سکتا ہے جو غور و فکر اور بار بار کتب میں سے کاسم پینے والا ہو اللہ کے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جن کو اللہ تعالیٰ نے تمام لوگوں میں سے منتخب فرمایا تھا وہ کیا نوش فرمایا کرتے تھے؟ اور کیا پینا کرتے تھے؟ اور آپ کا بچرنا اور بسر کیا تھا؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکثر جو کھانا کھایا کرتے تھے وہ کھجور اور پانی یا کھجور اور دودھ تھا اور گیہوں یا جو کی روٹی بھی مسلسل دو دن سے زیادہ آپ نے نہیں کھائی اور آپ اور آپ کے اہل و عیال پر بسا اوقات پھرا پورا مہینہ نہ گزر جاتا تھا لیکن روٹی اور گوشت پکانے کے لئے چر لہا جلائے تک کی کثرت نہ آتی تھی اور آپ کو جو بھی کھانا پیش کیا جاتا آپ اس کی برائی کبھی بھی نہ کرتے تھے بلکہ اگر دل چاہتا تو اسے کھا لیتے ورنہ چھوڑ دیتے تھے۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا لباس عام طور سے روٹی یا اون یا جٹ سے بنا ہوا کرتا اور چادر ہو کر تھی تھی اور آپ کا چرنا معمولی سے ہلکے چمڑے کا بنا ہوا ہوتا تھا اور آپ بوقت ضرورت اپنے کپڑوں میں بیوند لگانے اور جوتا ٹانگنے کو بڑا نہ سمجھتے تھے اور آپ کا لہجہ وہی کہ جو ایک بڑی چادر یا کھجور کی چھال بھرا ہوا لگا جاتا تھا۔

ایک انصاری عورت ایک مرتبہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ میں داخل ہوئیں اور انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بستر کو دیکھا تو ان کو

یہ بڑا معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس جیسے معمول سے بستر پر آرام فرمائیں چنانچہ وہ اپنے مگر گئیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ایک ایسا بستر لے آئیں جس میں اون بھرا ہوا تھا۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بستر کو دیکھا تو حضرت عائشہؓ سے پوچھا:

اے عائشہؓ یہ کیا ہے؟ تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ ایک انصاری عورت نے آپ کے آرام کرنے کے لئے یہ بستر بھیجا ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا: یہ بستر ان کو واپس لوٹا دو حضرت عائشہؓ کو یہ بھڑکنا اچھا معلوم ہوا تھا اور وہ جانتی تھیں کہ یہ ان کو مل جائے اس لئے انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کو نافذ کرنے میں کچھ تاخیر نہ کی حتیٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے کئی بار یہ فرمایا: اے عائشہؓ اس بستر کو واپس لوٹا دو اس لئے کہ بچہ اگر میں چاہتا تو اللہ تعالیٰ میرے ساتھ سونے اور چاندی کے پہاڑ بھلا دیتے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے ایک مرتبہ آپ کے بستر کو اس طرح بچھا کر لیٹنے کے لئے جس کی پٹری کی دو تہہ کر دیا کرتی تھیں انہوں نے اس کی چار تہہ کر دیں تاکہ سونے کے لئے اور زیادہ آرام دہ ہو جائے جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس پر آرام فرما ہوئے اور صبح ہوئی تو آپ نے دعا مانگی فرمایا: تم نے میرے لئے رات کیا بچھا دیا تھا؟

حضرت حفصہؓ نے فرمایا: اے اللہ کے رسول وہ آپ کا بستر ہی تھا البتہ ہم نے یہ کیا تھا کہ بجائے دوسری تہہ کرنے کی چوتھی تہہ کر دی تھی تاکہ اور زیادہ نرم ہو جائے۔

تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بستر کی پہلے کی طرح ہی دوسرا بچھا لیا کرو اس لئے کہ اس کی نرمی نے مجھے اتنا کوجہر کی ناز کے لئے اٹھنے سے روک دیا۔

ایسے موقف اور ایسے عظیم کردار کے بارے میں زبان کیا کہہ سکتی ہے اور قلم کیا کھ سکتا ہے؟ ہم زبان سے کچھ کہہ سکتے ہیں اور نہ قلم اس کی ترجمانی کر سکتا ہے اس لئے کہ یہ عظیم اشان موقف اس عظیم ہستی کے حق جو انسانیت کے کمال کو پہنچی ہوئی تھی جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنا رسول بنانے اور خاتم الانبیاء مقرر کرنے کے لئے منتخب فرمایا تھا۔

لیکن اب ذرا اس پہلو کو بھی دیکھنے کی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے صحابہ اور قوم اور خدام اور غلاموں اور گھروالوں کے ساتھ کس طرح کا برتاؤ اور کیا کیفیت تھی؟

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ اور قوم پر نہایت مہربان الفت کرنے والے اور ہمدرد تھے۔ ان سے بشاش بشاش چہرے کے ساتھ ملتے اور خود سدا م کرنے میں پہل کرتے اور بیماروں کی بہار پر ہی کرتے اور ان کی

ضروریات کا خیال کرتے تھے اور اگر کوئی ضرورت منہ شخص آپ کے پاس کسی ضرورت سے آتا اور آپ نماز پڑھتے ہوئے تھے تو آپ اپنی نماز منقطع کر دیتے اور اس کی ضرورت دریافت فرماتے تھے اور جب اس کی حاجت پوری کیجئے تو پھر دوبارہ نماز شروع کر دیتے۔ کسی کے ساتھ اس طریقہ سے ہرگز نہ ملتے جو اسے ناپسند ہو اور آپ کو یہ اچھا معلوم نہیں ہوتا تھا کہ آپ کے پاس کوئی شخص کسی کی شکایت لے کر آئے۔ آپ یہ فرمایا کرتے تھے: میں یہ پسند کرتا ہوں کہ جب میں تمہارے پاس سے جاؤں تو میرے دل میں کسی کے متعلق کوئی بات نہ ہو۔

اور جب آپ کو یہ اطلاع ملتی کہ کسی شخص نے کوئی ایسی بات کہی ہے جو آپ کو پسند نہیں ہے اور آپ اس بات کی تردید کرنا چاہتے ہیں اور اس کا قطعاً ہونا لوگوں کے سامنے بیان کرنا چاہتے تھے تو فرمایا کرتے: لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ اس طرح کہتے ہیں، میں نہیں فرمایا کرتے تھے کہ فلاں شخص کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ اس طرح کی بات کہتا ہے۔

آپ کو یہ بات قطعاً پسند نہیں کہ لوگ آپ کی تعظیم کے لئے اپنی جگہ سے کھڑے ہو جائیں اور اس سے مسند میں آپ یہ فرمایا کرتے تھے: تم لوگ اس طرح کھڑے ہو جاؤ جس طرح غبی ایک دوسرے کی تعظیم کے لئے کھڑے ہوتے ہیں۔ ایک روز ایک شخص نے آپ کو یہ کہہ کر آواز دی: اے ہمارے سردار

اور ہمارے سردار ہمارے!

تو آپ نے ارشاد فرمایا: میں نے اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں لہذا میری تعریف و مدح میں اس طرح مبالغہ آمیزی نہ کرو جس طرح عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ بن مریم کی تعریف میں مبالغہ کیا تھا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے غلاموں اور خادموں کے ساتھ نہایت شفقت اور رحمت سے پیش آیا کرتے تھے اپنے آزاد کردہ غلاموں سے رحمت و ران کی عزت کرتے تھے حتیٰ کہ ان کی اولاد تک کی عزت کیا کرتے تھے اور اپنی دودھ پلانے والی آیا حضرت ام یمن کے ساتھ حسن سلوک فرماتے تھے اور یہ فرمایا کرتے تھے کہ: میری والدہ کے بعد میرے لئے ام یمن معزز ہیں۔

اور ان کے بارے میں فرمایا کرتے تھے کہ: یہ میرے اہل و عیال میں سے باقی رہنے والوں میں سے ہیں۔

ایک روز حضرت ام یمن نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پانی پیتے ہوئے دیکھا تو آپ سے فرمایا: اچھے بھائی پانی پلا دیجیے۔

حضرت عائشہ کو ام یمن کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ کہنا اچھا معلوم نہ ہوا تو انہوں نے ام یمن سے کہا: کیا تم اللہ کے رسول سے ایسی بات کہتی ہو؟ تو ام یمن نے یہ دیکھتے ہوئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کا کس قدر خیال کرتے ہیں کہا: جو خدمت ان کی میں نے کی ہے وہ بہت زیادہ ہے، تو

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے ام ایمن تم نے بالکل سچ کہا، اور آپ ان کے بیٹے پانی لئے اور ان کو پلا دیا اور حضرت زید بن حارثہ جو آپ کے آزاد کردہ غلام تھے اسے جو آپ محبت کرتے تھے وہ بالکل ظاہر اور مکمل ہوئی تھی آپ نے حضرت زید کا کالاج ام ایمن سے کر دیا تھا۔

اسی طرح آپ ان کے بیٹے اسماعہ بن زید کے ساتھ بالکل اسی طرح محبت اور شفقت و الفت سے پیش آتے تھے جس طرح آپ اپنی بیٹی حضرت فاطمہ کے بیٹے سے پیش آیا کرتے تھے اور ان دونوں کے سلسلہ میں اللہ تعالیٰ سے آپ یہ فرماتے تھے: اے اللہ میں ان دونوں سے محبت رکھتا ہوں آپ بھی ان سے محبت رکھئے۔

اور آپ حضرت اسماء کے بارے میں فرمایا کرتے تھے: حج اللہ اور اس کے رسول سے محبت رکھتا ہے اسے چاہئے کہ اسماء بن زید سے محبت رکھے اور بسا اوقات ایسا ہوتا تھا کہ آپ اسماء کو اپنے پیچھے اپنی سواری پر بٹھالیا کرتے تھے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام حضرت ابورافع غزوہ خیبر میں آپ کے ساتھ تھے ایک رات سردی بہت شدید ہو گئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ سے فرمایا: جس شخص کے پاس لحاف ہو تو وہ اپنے ساتھ لے آئے اور کہی اپنے لحاف میں شریک کر لے۔

حضرت ابراہیم کیلئے رہے اور کوئی ایسا آدمی نہ پایا جو ان کو اپنے لحاف میں لے لے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنے لحاف میں شریک کر لیا۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے دس سال تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اس طویل عرصہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان پر کبھی ناز نہ کیا تھا۔ ہونے اور اگر انہوں نے کبھی کوئی کام خلاف مرضی کر بھی لیا تو آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ تم نے ایسا کیوں کیا؟ اور اگر کوئی کام بھی نہ کر سکے تو آپ نے یہ نہ فرمایا: کیا کیوں نہ کیا؟ اور آپ حضرت انس رضی اللہ عنہ کے گھر جایا کرتے تھے اور ان کے چھوٹے بھائیوں کے ساتھ دل لگی فرمایا کرتے تھے اور جب نماز کا وقت آ جاتا تو انہی کے گھر نماز پڑھ دیتے تھے اور تمام گھر والے بھی آپ کے ساتھ نماز پڑھ دیتے۔

جنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خوش طبعی اور دل لگی کی باتوں سے یہ واقعہ بھی ہے کہ ناہر نامی ایک نہایت بد شکل دیہاتی تھے۔ وہ بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس وقتاً فوقتاً آیا کرتے تھے، جنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان سے محبت کرتے اور ان کے ساتھ شفقت و مہربانی سے پیش آتے تھے اور جب وہ اپنے گاؤں واپس جاتا چاہتے تھے تو آپ ان کی ضرورت کی چیزیں ان کو مہیا کر دیا کرتے تھے۔ ایک روز ان کو بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بازار میں سلمان

بچتے ہوئے دیکھا۔ چنانچہ آپ ان کے پیچھے سے آئے اور ان کو منبر پر سے ہٹا لیا۔ زہر کو یہ معلوم نہ ہو سکا کہ انہیں کس نے دبوچا ہے اس لئے وہ یہ کہنے لگے کہ کون صاحب ہیں؟ کون صاحب ہیں؟ مجھے پھوڑ دیجئے۔

جب زہر متوجہ ہوئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچان لیا تو انہوں نے اپنی بیوی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ اطہر سے ملنے کو بہت بڑا اعزاز اور تعظیم نعمت سمجھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے دل لگی کرتے ہوئے فرماتے گئے: اس عہد کو کون خرد تہا ہے؟ تو انہوں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول اگر آپ مجھے چھپا چاہیں گے تو پھر تو آپ مجھے کھوٹا اور کم قیمت بنا دیں گے! آپ مسکاتے گئے اور فرمایا: لیکن میں نے زہر تم اللہ کے یہاں کو بیت قیمتی ہو۔

اس طرح سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پیش آنے اور وہ گھومنے پر وکلاؤں اور خادموں کے ساتھ بیٹھے میں بھی کوئی ڈانٹ نہیں کرتے تھے اور نہ ان سے دل لگی اور مذاق کرنے میں کوئی نرم نرمکس کرتے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مگر میں ہوا کرتے تھے تو آپ بڑوں کے ساتھ رحمدل اور مہجوں کے ساتھ شفیق ہوا کرتے تھے اپنے نواسروں کے ساتھ ان کی نگہداشت اور ان کے ساتھ نہایت پیار و محبت سے کھیلا کرتے

تھے اور آپ کی الفت و محبت اور شفقت و مہربانی کو دیکھ کر بچے آپ سے پیٹ جاتے اور آپ سے مانوس ہو جاتے تھے۔ اسی طرح آپ کی صاحبزادی حضرت زینب کی بیٹی یعنی آپ کی نوای امام الخضرہ چاہتی تھیں کہ آپ ان سے دل لگی کرتے رہیں اور کھیلتے رہیں۔ ایک روز آپ نماز پڑھ رہے تھے تو امام آپ کے کانہ سے پرچھو گئیں آپ انہیں لئے لئے نماز پڑھتے رہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ازواج مطہرات کے ساتھ بھی ایک رحمدل مثالی شوہر تھے اور ان کے لئے آپ ایک شریف بھائی کے قائم مقام اور ایک محبت و احسان کرنے والے شفیق باپ کی طرح تھے۔

آپ کی ازواج مطہرات کو آپ کے یہاں وہ حیثیت حاصل تھی جو اس سے قبل نہ کسی بیوی کو اپنے شوہر کے یہاں حاصل ہوئی ہوگی اور نہ کسی بہن کو اپنے بھائی کے یہاں اور نہ کسی بیٹی کو اپنے باپ کے پاس، اس لئے کہ اسلام آنے سے قبل مرد و عورت کی منزلت و حیثیت کو کچھ سمجھتے ہی نہ تھے اور نہ اس کی رائے کو کوئی حیثیت اور وزن دیتے تھے حتیٰ کہ جب اسلام آگیا تو اس نے عورت کا اکرام کیا اور اس کے ساتھ اچھے برتاؤ کی وصیت کی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواج مطہرات کے مرتبہ کو بلند دیا کیا اور اپنے اوپر ان کا حق لازم کیا اور ان کو اس درجہ تک پہنچا دیا کہ ان میں سے بمعنی آپ سے اپنی کسی بات کے بارے میں بحث مباحثہ تک کر لیا



کرتی تھیں اور بعض معاملات میں آپ سے بار بار مراجعت کرتیں حتیٰ کہ بعض دفعہ آپ اس پر ناراض بھی ہو جایا کرتے تھے۔

ایک روز حضرت عمر کی اہلیہ نے اپنے شوہر حضرت عمر سے بحث کی اور ان کے سامنے کسی معاملہ میں اپنی رائے پیش کی تو حضرت عمر نے ان سے کہا: تمہارا اس سے کیا تعلق ہے؟ میں جو کام کرنا چاہتا ہوں تم اس میں بیچ میں دخل کیوں دے رہی ہو؟!

تو ان کی اہلیہ نے ان سے کہا: اسے خطاب کے بیٹے تبت ہے آپ پر آپ یہ پسند نہیں کرتے کہ آپ سے بحث کی جائے حالانکہ آپ کی بیٹی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بحث و مباحثہ کرتی ہے حتیٰ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پورا پورا دن اس پر ناراض بھی ہو جاتے ہیں۔

حضرت عمر نے جیسے ہی اپنی بیوی کی یہ بات سنی وہ اپنی بیٹی حفصہ (جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ تھیں) کو پاس لائے اور ان سے کہا: اے میری بیٹی کیا تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بحث کرتی ہو جس پر آپ پورا پورا دن ناراض رہتے ہیں؟!

حضرت حفصہ نے فرمایا: ہذا ام تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بحث و مباحثہ کرتے ہیں۔

حضرت عمر کو غصہ آگیا اور انہوں نے فرمایا: یاد رکھو میں تمہیں اللہ

اور اس کے رسول کی ناراضگی سے ڈرتا ہوں اے میری بیٹی تم ان کو دیکھ کر دھوکہ میں نہ پڑنا جن کو ان کے حق اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تقویت نے ناز میں مبتلا کر دیا ہے یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا۔

یہاں سے حضرت عمرؓ کی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری اہلیہ حضرت ام سلمہؓ سے ان کا رشتہ داری یعنی ان کے پاس گئے تاکہ ان سے حصہ اور بی بی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری ازواج مطہرات کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ معاملہ ویرتاؤ کے بارے میں دریافت کریں تو حضرت ام سلمہ نے ان سے فرمایا:

اے خطاب کے بیٹے تم پر تعجب ہے تم ہر چیز میں مداخلت کرتے ہو اور اب یہ چاہتے ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی ازواج مطہرات کے معاملات میں بھی دخل اندازی کرو، حضرت ام سلمہ نے حضرت عمر سے ایسی گفتگو فرمائی کہ جس سے حضرت عمر کو ہوش آگیا مگر پھر بھی حضرت عمر اپنی بیٹی حفصہ کے بارے میں کہاں خاموش ہونے والے تھے جب کہ ان کو یہ بھی معلوم ہو گیا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضگی کا سبب بھی بنتی ہیں اور نہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس وقت جانے سے رک سکتے تھے اور نہ خاموش رہ سکتے تھے جب ان کو یہ معلوم ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت پر اپنی اہلیہ کی طرف

سے کچھ اٹھے۔

ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حسب عادت مسجد تشریف نہیں لائے تو حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما نے آپ کے پاس داخلہ کی اجازت چاہی تاکہ تحقیق کر سکیں کہ آپ مسلمانوں کے پاس کیوں تشریف نہیں لائے۔ جب ان دونوں حضرات کو داخلہ کی اجازت مل گئی اور یہ آپ کے پاس گئے تو دیکھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ مبارک پر تکبر کے اثرات ہیں اور آپ کے ارد گرد آپ کے بعض ازواج مطہرات بیٹھی ہوئی ہیں تو حضرت عمر نے یہ سمجھ لیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت پر حجاز ہے یہ ازواج مطہرات کی کسی بات کو وجہ سے ہے۔

لہذا حضرت عمرؓ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس تکبر کو ختم کرنے کے لئے سوچا کہ کوئی ایسی بات کریں جس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہنس جائیں۔ چنانچہ انہوں نے کہا: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس بارے میں کیا مانتے ہیں کہ اگر میری بیوی خارجہ کی بیٹی میرے نان نفقہ کا مطالبہ کرے اور میں اس کی گردن پر ایک تختہ لٹا دوں تو بتلائیے اس کا کیا حکم ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسکرائے اور آپ نے اپنی ازواج مطہرہ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا: یہ دیکھو یہ میرے ارد گرد بیٹھی ہیں اور نان نفقہ کا سوال کر رہی ہیں۔

چنانچہ حضرت ابو بکر حضرت عائشہ کی طرف رخ کرے اور ان کی گردن پر ہاتھ مارا اور حضرت عمر خضد کی طرف بڑھتے اور انہوں نے ان کے ساتھ بھی یہی معاملہ اختیار کیا اور وہ دونوں یہ کہنے لگے: تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس چیز کا سوال کرتی ہو جو ان کے پاس موجود نہیں ہے؟!

تو ان سب نے کہا کہ بخدا اب ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہیں بھی اس چیز کا سوال یا مطالبہ نہیں کریں گے جو ان کے پاس موجود نہ ہو۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جو بعض ایسی چیزیں مانگیں تھیں جن آپ کے پاس نہ تھیں یہ چیز اللہ تعالیٰ کو پسند دلائی۔ چنانچہ اس سلسلہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی پر یہ آیات نازل فرمائیں۔

﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّأَزْوَاجِكَ  
وَإِن كُنْتُمْ غَيْرَ فِى الْحَيَاةِ الدُّنْيَا  
وَإِنْ يَنْتَحِبْنَ عَلَيْكُمْ فَرَأَيْتُمْ  
وَأَمْسَحُوا بِرُءُوسِهِمْ فِيكُمْ﴾  
اور اگر تم متفقہ طور پر اس کے ہاں کو مقصود رکھتی ہو تو آؤ میں تمہیں کچھ تسخ (ذخیرہ) دے دوں گا کہ وہ اپنے کے ساتھ نہ چلتے اور اگر تم مقصود رکھتی ہو اللہ کو اور اس کے رسول کو اور عالم آخرت کو تو اللہ نے تمہیں سے ایک کرداروں کے لئے جو عظیم تیار کر رکھا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے اس حکم کے مطابق جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج مطہرات کو اختیار دیا تو ان سب کی سب نے ملائی کر دے کہ اللہ اور اس کے رسول اور آخرت کے گھر کو پسند کیا اور اسے ہی ترجیح دی ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کا آپ سے اختلاف انہی باتوں پر نہیں رک گیا تھا بلکہ ان میں آپس میں بھی اختلاف ہو جایا کرتا تھا۔ مثلاً یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عدل والصفات اور برابری و مساوات کو نہ کے یا وجود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سلسلہ میں بعض پر غیرت کیا کرتی تھیں۔ چنانچہ اس قسم کے واقعات میں سے ایک واقعہ یہ پیش آیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعض ازواج مطہرات نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے خلاف با بھی اتحاد کر لیا اور یہ بھی ہوا کہ حضرت عائشہ اور رضی اللہ عنہا نے ازواج مطہرات نے حضرت زینب بنت جحش کے خلاف جماعت بنائی ، اور اسی طرح حضرت عائشہ و حفصہ نے مصر کے متو قس نے یہودیہ میں آپ کو جو باہمی دہی تھی اس کے خلاف جماعت بنائی اور ان حضرات کو اس بات پر بھی غیرت آتی تھی کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد ماریہ سے ہو جائے جب کہ ان میں سے کسی ایک سے بھی کوئی اولاد نہیں ہوئی تھی ۔

چنانچہ جب حضرت ماریہ کے یہاں بچہ پیدا ہوا ، حضرت ماریہ نے حضرت ابراہیم کو بتا دیا تو وہ سب کی سب اس غیرت کو چھپانے کی طاقت نہ رکھتی تھیں

اور اس وقت ان کا شعور و احساس جو تو بچا جس کے مشاہدہ ساتھ اسے نہ چھپا سکیں یا وجود اس کے کہ وہ دیکھ رہی تھیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت ابراہیم کی پیدائش سے کس قدر خوشی حاصل ہو رہی ہے اور باوجود اس کے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت زیادہ محبت رکھتی تھیں اور آپ کی خوشی سے بہت خوش ہوئی تھیں ، حتیٰ کہ یہاں تک ہوا کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابراہیم کو حضرت عائشہ کے پاس دیکھانے کے لئے لے گئے اور آپ نے ان سے نہایت خوشی کی حالت میں یہ پوچھا :

اسے عائشہ کیا تم مجھ میں اور اس میں مشابہت نہیں دیکھ رہی ہو ؟ جب آپ نے یہ فرمایا تو باوجود اس کے کہ حضرت عائشہ یہ سمجھتی تھیں کہ ان کی اس بات کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر بڑا اثر پڑے گا لیکن غیرت کی وجہ سے انہوں نے یہ جواب دیا کہ : مجھے تو آپ دونوں میں کوئی مشابہت نظر نہیں آ رہی ہے ۔

اور پھر جب آپ نے ان سے بچے کے نشو و نما اور خوبصورتی وغیرہ کے بارے میں دریافت فرمایا تو انہوں نے جواب دیا : سمجھو مجھ وہ غذا حاصل کرے گا جو ابراہیم کو مل رہی ہے تو اس کا نشو و نما بھی اچھا ہوگا اور شکل و صورت بھی ۔

حضرت ابراہیم کی پیدائش پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابراہیم کو

دودھ پلانے کے لئے ایک دودھ پلانے والی کے پاس بھیج دیا تھا اور ان کو  
بکھر بکریاں دے دی تھیں تاکہ ابراہیم کو ان کا دودھ پلائیں اور حضرت ابراہیم  
کی پیدائش سے آپ کو اس قدر خوشی ہوئی تھی کہ آپ نے فقراء و مساکین پر صدقہ  
کیا اور اپنی آذر کو وہ باندی ام سلمیٰ جنہوں نے حضرت ماریہ کی دالی کے فرائض  
انجام دئے تھے۔ ان کا خوب اکرام کیا اور ان کے شوہر جو آپ کے آزاد کردہ  
غلام اور افس تھے جنہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت ابراہیم کی  
خوشخبری سنائی تھی ان کا بھی خوب اکرام کیا۔

جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ازواج مطہرات سے زہی  
محبت اور شفقت کا برتاؤ کرتے تھے اسی طرح آپ ان کے ساتھ بردہاری و  
حرم والا برتاؤ بھی کیا کرتے تھے اور بوقت ضرورت حکمت سے ان کے ساتھ  
سخن بھی کیا کرتے تھے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج مطہرات  
کے ساتھ جو سب سے سخت برتاؤ کیا تھا وہ یہ تھا کہ آپ نے ان سب کو ایک  
جینے تک چھوڑے رکھا نہ آپ معمول کے مطابق مردانہ ان کے پاس جلتے  
تاکہ ان کے حالات و ضروریات کو معلوم کریں اور نہ ان دفون میں آپ  
نے کسی کے گھبرات گذری جبکہ آپ پہلے ان میں سے ہر ایک کے یہاں  
ایک رات گذار کر سے بید آپ نے ان میں سے ہر ایک سے کاندہوشی  
اختیار کی اور خود ایک چھوٹی سی کوٹھڑی میں چلے گئے جس میں جلتے کے لئے

کچھ کے ایک تھے پر چھٹا پڑتا تھا اور جب اس کو ٹھری میں ہوتے تو اس  
کے دروازے پر آپ کا غلام رباح بیٹھا یا کرتے تھے اور ان کے علاوہ کوئی  
اور آپ کے پاس نہ آتا تھا۔

ان دنوں مسلمان نہایت بے چینی اور تکلیف میں گرفتار تھے اس لئے  
کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نہایت تکلیف اور پریشانی میں مبتلا دیکھ  
رہے تھے اور وہ یہ جرات نہیں کر پاتے تھے کہ آپ سے آپ کی ازواج مطہرات  
کے سلسلہ میں کوئی بات کریں۔

جب اس حالت پر چند دن گذر گئے اور آپ اس طرح مسلمانوں کے  
معاملات پر توجہ دیتے رہے ان کی ضروریات پوری کرتے رہے اور آپ کی  
طرف سے کوئی ایسی بات ظاہر نہیں ہوئی جس سے یہ ظاہر ہو کہ آپ اپنی ازواج  
کو معافی کرنے والے ہیں تو لوگوں میں یہ بات پھیل گئی کہ رسول اللہ صلی اللہ  
علیہ وسلم اپنی ازواج کو طلاق دینے والے ہیں۔

مسلمان سنت پریشان ہو گئے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے  
صحابہ نے جب یہ بات سنی تو نہایت غمگین ہو گئے، بھلا بتائیے کہ جب عام  
حضرات کا یہ حال تھا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جو خسر تھے ان پر کیا بیت  
رہی ہوگی اور پھر خود ازواج مطہرات کی کیا کیفیت ہوگی؟!

حضرت عمر بن الخطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے زیادہ

اس حالت پر نہ چڑھ سکے، چنانچہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کے معاملات سے فارغ ہوئے تو حضرت عمر اس کمرے کی جانب گئے جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گوشہ نشین تھے اور حضرت عمر نے حضرت ربیع کو جو حجرے کے دروازے پر بیٹھے تھے آواز دی تاکہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کے داخلہ کی اجازت مانگ لیں۔ حضرت ربیع نے حضرت عمر کو کوئی جواب نہ دیا تو حضرت عمر سمجھ گئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت نہیں دی ہے۔ چنانچہ عمر نے دوبارہ آواز دی اور اجازت مانگی تو بھی ربیع کی طرف سے کوئی جواب نہ ملا۔

کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عمر کو اجازت نہیں دیں گے؟  
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس وقت جو تکلیف پہنچ رہی تھی وہ کتنی شدید تھی ۱۰ دروازے کی طرف سے جو آپ کو دیکھ پہنچتا تھا وہ کتنا شدید درد تھا۔

حضرت عمر نے اس ارادہ سے کہ ان کی آواز براہ راست نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچ جائے بلند آواز سے فرمایا: اے ربیع تم اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے میرے لئے اجازت مانگ لو۔ میرا خیال یہ ہے کہ آپ نے یہ سمجھا کہ شاید میں جلد ہی وجہ سے آیا ہوں۔ لہذا اگر آپ مجھے یہ حکم دیں کہ میں جلد ہی اگر دن اٹھا دوں تو میں ضرور اس کی گردن اڑا دوں گا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر کو اجازت دے دی اور حضرت عمر اس جگہ پہنچ گئے جہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم موجود تھے وہاں پہنچ کر حضرت عمر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اطراف پر نظر ڈالی تو حضرت عمر کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔۔۔! کس چیز نے حضرت عمر کو رونا دلایا۔

حضرت عمر کو رونے والی چیز یہ تھی کہ انہوں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک چٹائی پر لیٹے ہوئے ہیں جس کے نشانات آپ کے پہلو پر بن گئے تھے اور وہاں پر سوائے ایک مسطح بھرچا اور ذرا سی ہنسی کے اور کوئی چیز موجود نہیں تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر سے پوچھا: اے عمر تمہیں رونا کیوں آرہا ہے؟

حضرت عمر نے اس کو بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا اے نبی کیوں نہ رونوں جب کہ میں یہ دیکھ رہا ہوں کہ آپ کے جسم مبارک پر اس چٹائی کے نشانات بن گئے ہیں اور آپ کی اس کوٹھری میں مجھے سوائے اس کے جو میرے سامنے ہے اور کوئی چیز نظر نہیں آرہی ہے اور یہ قیصر و کسری پھلوں اور نہروں میں میرے کر رہے ہیں اور آپ اللہ کے رسول ہیں اور یہ آپ کی کوٹھری ہے؟!!

تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عمر کیا تمہیں یہ پسند

نہیں ہے کہ ان کا فروں کو نہ نیا مل جائے اور آخرت ہمارے حصے میں آجائے؟  
حضرت عمرؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: اے اللہ کے  
رسول ازواج مطہرات کی کون سی بات آپ پر شاق اور خلاف طبع گزری ہے؟  
اگر بالفرض آپ نے انہیں طلاق دے دی ہے تو کیا ہوا اللہ اس کے فرشتے  
اور حضرت جبرئیل و میکائیل اور میں اور ابو بکر اور تمام مسلمان تو آپ  
کے ساتھ ہیں۔

پھر حضرت عمرؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت فرمایا کہ  
کیا آپ نے ازواج مطہرات کو طلاق دے دی ہے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ  
وسلم نے نفی میں جواب دیا۔

تو حضرت عمرؓ نے فرمایا: اے اللہ کے رسول میں مسجد میں داخل ہوا تو  
دیکھا کہ مسلمان نہایت غم و پریشانی میں بیٹھے ہیں اور چہ بچہ کی حالت میں  
لنگریاں زمین پر مار رہے ہیں اور یہ کہہ رہے ہیں کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ  
وسلم نے اپنی ازواج مطہرات کو طلاق دے دی ہے تو اے اللہ کے رسول  
کیا میں جا کر ان کو یہ بتا دوں کہ آپ نے ان کو طلاق نہیں دی ہے؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں اگر چاہتے ہو تو بتا دو۔  
پھر حضرت عمرؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کرتے رہے حتیٰ کہ  
آپ بشاش بنشاش اور خوش خوش ہو گئے اور مسکلائے گئے اور آپ کا قصہ

ختم ہو گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت خیرؓ کو کھڑی سے نکلے  
اور سیدھے مسجد گئے اور نہایت بلند آواز سے مسلمانوں کو یہ اطلاع دی کہ رسول اللہ  
صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج مطہرات کو طلاق نہیں دی ہے۔

لوگوں نے یہ سنا کہ اللہ کی حمد و ثنا بیان کی اور وہ نہایت خوش  
ہوئے اور عوفیؓ کا وجہ سے ان کے تم کا سارا بوجھ اتر گیا۔ اور اللہ تعالیٰ نے  
اپنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ان کے ازواج مطہرات کے بارے میں  
قرآن کریم کی آیات نازل فرمائیں جن کی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم  
کی ازواج مطہرات کو اپنے کئے پر سخت نہامت اور شرمندگی ہوئی اور رسول اللہ  
صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ازواج مطہرات کے پاس اس حالت میں تشریف لائے  
کہ وہ اپنے کئے پر نادم اور اللہ کے دربار میں سوز و غم و توبہ میں مشغول تھیں۔  
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے صحابہ اور خاندان و اولیٰ اہل بیہال  
گھر بار اور خادموں اور غلاموں کے ساتھ یہ طریقہ تھا اور اسی طرح آپ  
کا برتاؤ تمام لوگوں کے ساتھ تھا۔ نرمی اور شفقت اور اچھا برتاؤ اور  
بروباری اور ضرورت پڑنے پر محبت کے ساتھ گرفت اور سختی۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ نرمی و شفقت در محمدی اور اچھا  
برتاؤ صرف لوگوں اور انسانوں کے ساتھ ہی خاص نہ تھا بلکہ حیوانات  
کے ساتھ بھی آپ اسی طرح کا نرمی اور در محمدی کا برتاؤ کیا کرتے تھے۔ چنانچہ

کتنی مرتبہ ایسا ہوا کہ آپ نے پناہ کی تلاش میں آنے والی بی کے لئے  
دروازہ کھول دیا اور کتنی مرتبہ اپنے اونٹوں کی دوا دارو اور علاج کیا اور اپنے  
گھوڑے کو اپنے کتے کی کاستین سے کتنی ہی مرتبہ سات کیا، اسی طرح آپ  
اور لوگوں کو بھی حیوانات کے ساتھ نرم برتاؤ اور رحمہ کی کامیاب کرنے کا  
حکم دیا کرتے تھے۔

ایک مرتبہ آپ اپنے شکر کے ساتھ ایک کتیا کے پاس سے گذرے  
جو اپنے بچوں کی وجہ سے جھونک رہی تھی۔ چنانچہ آپ نے اپنے ساتھیوں  
میں سے ایک ساتھی کو حکم دیا کہ وہ اس کے پاس اس وقت تک کھڑا رہے  
جب تک تمام شکر گذر نہ جائے تاکہ شکر کا کوئی فرد اس کو یا اس کے  
بچوں سے تعرض نہ کرے، ایک مرتبہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ایک ایسے  
اونٹ پر سوار ہوئیں جس پر اس سے پہلے سفر نہیں کیا تھا۔ چنانچہ انہوں نے  
اس پر سختی شروع کر دی تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: تمہیں  
چاہیئے کہ اس کے ساتھ نرمی برتو۔

یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے کمال انسانیت کے چہرہ  
نظر نے ہیں جو علیٰ ہر چیز پیش کر دیتے گئے۔

وہ ہیں وہ انسان کامل حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور یہ ہی  
وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے رسالت کی شایستگی

کے لئے منتخب فرمایا تھا، یہی وہ عظیم ہستی محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جو بچپن سے  
ہی عفت و پاکدامنی اور صداقت و راستی میں مشہور و معروف تھے۔ یہی  
وہ اللہ کے رسول ہیں جنہوں نے اللہ کے دین کے لئے دشمنوں سے جہاد  
اور جنگ کی یہاں تک کہ وہ وقت آپہنچا جس میں ان کی جنگ و جہاد  
کامیابی سے ممکن ہوئی اور انہوں نے خود اس اسلام کو جزیرہ عرب میں  
پھیلا دیا۔ یہی ہیں انہوں نے مسلسل ۲۳ سال جہاد و جہد کی تھی اور  
تب نے متبادلہ فرمایا کہ لوگ دین اسلام میں فوج در فوج، جماعت در  
جماعت داخل ہو رہے ہیں جس سے آپ کے سینے کو ٹھنڈک اور نفس کو خوشی  
حاصل ہوئی اور دل الطینان و سکون سے لبریز ہو گیا۔

یہ مدت جس میں فضا در رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت اور  
رسالت کے لئے سازگار اور راہ ہموار تھی کیا یہ تمام مدت آپ کی نجی اور  
ذاتی زندگی کے اعتبار سے الطینان بخش اور پرسکون تھی؟

یہ مدت جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پیغام رسالت  
کے اعتبار سے الطینان و سکون کا سانس لیا تھا، مدت آپ کی نجی و  
خصوصی زندگی کے اعتبار سے پرسکون و تھی؟ اس لئے کہ اس عرصہ میں  
ایسے واقعات پیش آئے تھے جنہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی  
ذات پر بڑا گہرا اثر ڈالا تھا اور آپ پر ایسے حادثات گذرے تھے جن

کی وجہ سے آپ یہی جہن کا اتنا وسیع اور عظیم دل بجا دیا گیا تھا۔  
 اس عرصہ میں جبکہ اسلام فتح مکہ کی وجہ سے چمک رہا تھا  
 اور اللہ تعالیٰ کی مدد اور فتح قدم قدم پر ساتھ تھی اور رسول اللہ صلی اللہ  
 علیہ وسلم کی حمد و ثنا کی تیج پڑھ رہے تھے عظیم اس موقع پر رسول اللہ  
 صلی اللہ علیہ وسلم کی بڑی صاحبزادی حضرت زینب کا انتقال ہو گیا۔ واقعہ  
 یہ ہوا تھا کہ حضرت زینب اس وقت سے ہی بیمار ہو چکی تھیں اور پریشانی  
 تھیں جس وقت ان کے ساتھ وہ حادثہ پیش آیا جب انہوں نے مکہ مکرمہ  
 سے مدینہ منورہ ہجرت کرنا چاہی تھی تاکہ اپنے والد ماجد کے پاس جاسکیں  
 یہ واقعہ غزوہ بدر کے بعد کا ہے، اس موقع پر اسلام نے ان کے اور  
 ان کے شوہر ابوالعاص ابن الربیع کے درمیان تفریق اور علیحدگی کر دی  
 تھی لیکن قریش نے ان کو مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ جانے سے اس لئے روکنا  
 چاہا تاکہ ان کے والد کو اس سے دکھ پہنچے، چنانچہ قریش کی ایک جماعت نے ان  
 کو اس وقت مکہ واپس لوٹانا چاہا جبکہ وہ اپنے دیار کثابہ بن الربیع کے  
 ساتھ مکہ چھوڑ چکی تھیں اور بتا رہی کہ ان کے سامنے اس جماعت کے  
 افراد جلد سے بیمار بن اسوئے میرا لے کر آگے بڑھا اور ان کو خوف زدہ کیا  
 جس کی وجہ سے حضرت زینب گھبرا گئیں، وہ اس وقت حمل سے تھیں اس  
 خوف و وحشت کی وجہ سے ان کا حمل بھی متاثر ہو گیا۔

اس واقعہ کے بعد حضرت زینب مدینہ منورہ پہنچیں  
 کہ وہ نہایت کمزور اور بیمار تھیں، ان کے شوہر مدینہ پہنچنے کے بعد ان کے  
 شوہر بھی مدینہ منورہ آ گئے اور اسلام قبول کر لیا۔ ابوالعاص نہایت امانت  
 آدمی تھے، قریش کے لئے اسان تجارت لے کر نکلتے تھے جب تجارت سے  
 فارغ ہوتے اور مکہ مکرر کی نیت سے واپس لوٹے تو ان کے راستے میں  
 مسلمانوں کی ایک جماعت آئے آگئی اور جو حکم مسلمانوں اور قریش کے درمیان  
 وضع ہوا تھا پل رہی تھی اس لئے مسلمانوں کی اس جماعت نے ان کا مال اور سامان  
 تجارت لوٹ لیا۔ ابوالعاص مسلمانوں کی قید و بند سے بچ نکلنے میں کامیاب  
 ہو گئے اور رات کی تاریکی میں مدینہ منورہ پہنچے اور حضرت زینب کے پاس  
 گئے اور ان سے اجازت مانگی اور ان کی پناہ میں داخل ہوتا چلا چنانچہ حضرت  
 زینب نے ان کو پناہ دے دی۔  
 حضرت زینب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو یہ بتا  
 دیا کہ انہوں نے ابوالعاص کو پناہ دی ہے چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
 اور مسلمانوں نے ان کے ابوالعاص کو پناہ دینے کو منظور کر لیا اور ابوالعاص  
 سے کوئی تعرض نہیں کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کی اس  
 جماعت کے پاس جس نے ابوالعاص کا مال اور سامان تجارت لوٹ لیا تھا یہ  
 پیغام بھیجا:



یہ شخص جیسا کہ تم لوگوں کو معلوم ہے ہمارے پاس ہماری پناہ میں ہے اور تم لوگ اس کے مال کو لوٹ چکے ہو، اگر تم اس پر احسان کرو اور اس کے مال کو واپس لوٹا دو تو ہمیں یہ بات پسند ہے اور اگر تم لوگ واپس نہ کرنا چاہو تو یہ اللہ کا انعام ہے جو اللہ نے تمہیں دیا ہے اور تم اس کے زیادہ حقدار بھی ہو، ان سب حضرات نے کہا کہ اے اللہ کے رسول ہم ان کا مال ان کو واپس لوٹاتے ہیں۔

مسلمانوں نے ابراہیمؑ کا مال واپس لوٹا دیا، ابراہیمؑ وہ مال لے کر قریش کے پاس گئے اور جن جن کا مال اور سامان تجارت تھا وہ اس کو واپس لوٹا دیا اور پھر قریش سے کہا:

اے قریش کی جماعت کیا تم میں سے کسی شخص کا کوئی مال میرے ذمہ آتا ہے جو اس نے اب تک مجھ سے لیا ہو؟ ان سب نے کہا: جی نہیں اللہ آپ کو جزائے خیر دے، ہم نے آپ کو نہایت خیر لیا اور دیانت دار بھی پایا ہے۔

یہ سن کر ابراہیمؑ نے کہا میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں، جب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھا تو مجھے اسلام لانے سے سوائے اس کے کسی چیز نے نہیں روکا کہ تم لوگ یہ گمان کرو

کہ میں اسلام اس لئے قبول کر رہا ہوں کہ تمہارے مال دولت کو منہم کر لوں لہذا جب اللہ تعالیٰ نے تمہارے مالوں کو تم تک پہنچا دیا اور میں اس خیر سے سبکدوش ہو گیا تو اب میں نے اسلام کو قبول کر لیا ہے۔

اور پھر ابراہیمؑ کے لوگوں سے رخصت ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مدینہ منورہ حاضر ہوئے اور آپ کے سامنے اسلام قبول کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی اہلیہ حضرت زینبؓ کو دوبارہ ان کے نکاح میں دے دیا، حضرت زینبؓ تکالیف اور بیماریوں کا مسلسل نشانہ بنی رہیں حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے پڑوس کے لئے منتخب فرمایا۔

اور اس طرح سے حضرت زینبؓ رضی اللہ عنہا اپنی بہن حضرت رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ساتھ جا میں جن کا انتقال اس سے قبل اس وقت ہو چکا تھا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ بدر سے واپس ہو رہے تھے اور ان کو ان کے والد کے مدینہ منورہ پہنچنے سے قبل ہی وطن کر دیا گیا تھا، حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی اہلیہ تھیں ان کی وفات کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان کی شادی اپنی دوسری صاحبزادی حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا سے کر دی تھی، حضرت زینبؓ کی وفات کے واقعہ سے بھی غمی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

کو سخت صدمہ پہنچا تھا اور ان کے ساتھ احتمال کا آپ کی طبیعت پر گہرا اثر  
تھا اور وفات سے قبل انہوں نے جو تکالیف اور بیماریاں بھیلی تھیں اس کا  
بھی آپ کی طبیعت پر بہت اثر ہوا تھا۔

ابھی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے ساتھ احتمال کا اثر نبی کریم صلی اللہ  
علیہ وسلم کی طبیعت سے دور نہ ہوا تھا کہ حضرت ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا  
کی وفات سے آپ کا غم از سر نو تازہ ہو گیا۔

اللہ اللہ اس مختصر سے وقفہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کسی  
کسی پریشانیوں، اُپس اور آپ کے احساس اور پُر شفقت دل پر کیسے کیسے  
عملوں کا حملہ ہوا۔

حضرت ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بھی احتمال ہو گیا اور ان کی وفات  
کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد میں سے سوائے حضرت فاطمہؑ کے  
جو کہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے لئے نواح میں تھیں اور آپ کے  
نومو لو د صاحبزادے حضرت ابراہیمؑ کے اور کوئی موجود نہ تھا۔

کچھ دنوں تک وقت میں گزرنا رہا کہ ان دنوں آپ ان چھٹوں  
اور دوقد کے استسبال میں مشغول رہے جو جزیرہ عرب کے اطراف سے اسلام  
قبول کرنے کے لئے آ رہے تھے۔ جزیرہ عرب کے اسلام قبول کرنے والوں  
کے ساتھ پیچھے کے لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

اجمعیں میں سے ایسے لوگوں کو منتخب فرمایا کرتے تھے جو ان کے ساتھ جائیں  
اور ان لوگوں میں کام کریں جنہوں نے اسلام قبول کیا تھا تاکہ فوسلم وفود  
اور جامعیں اسلام پر رقبہ اور امن اور تحفہ ان کو دین کے مسئلے مسائل  
بتلاتے رہیں۔

اس کے ساتھ ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی کیا کہ بعض  
وہ قابل جنہوں نے اب تک اسلام قبول نہیں کیا تھا ان کو اسلام کی دعوت  
دینے کے لئے مسلمانوں کی مختلف جماعتیں ان کی جانب بھیجیں تاکہ وہ لوگ  
یا تو اسلام قبول کر لیں اور یا مسلمانوں کے ماتحت جزیرہ دے کر زندگی گزاریں  
اور ان لوگوں کا مسلمانوں پر کسی قسم کا اثر نہ پڑے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بذات خود ایک بڑے شکوہ کے لئے جزیرہ  
جو کہ کے لئے نکلے تاکہ رو میوں کے مقابلہ پر جزیرہ عرب کی حدود محفوظ ہو  
جائیں، لیکن مسلمانوں کا پر شکوہ جنگ کے واپس لوٹ آیا اور رو میوں کے  
شکر نے اس سے کسی قسم کا تعرض نہیں کیا، جس کا اثر یہ ہوا کہ ان علاقوں میں  
معنوی اعتبار سے مسلمانوں کا عرب قائم ہو گیا اور ان کی ہیبت لوگوں کے  
دلوں پر بیٹھ گئی۔

اور ٹھیک اس وقت جب کہ اسلام اپنے عروج کو پہنچا ہوا تھا اور  
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی نصرت و مدد سے پرسکون و مطمئن تھے، ان

اور کات میں آپ اپنے بے شمار مشاغل اور درپیش مہمات میں سے کچھ وقت نکالنے کی کوشش فرماتے تھے تاکہ مالیر (ایک ملک کا نام ہے جہاں آپ نے حضرت ماریہ کو ٹھہرایا ہوا تھا) جا کر اپنے صاحبزادے حضرت ابراہیم کا دیدار کر سکیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اس بیٹے کی وجہ سے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس وقت عطا فرمایا تھا جب آپ کی ان اولاد میں سے جو حضرت خدیجہ سے تھی سوائے حضرت فاطمہ کے اور کوئی بقید حیات نہ تھا، آپ نہایت اجتماع سے اس کے نشوونما اور بڑھنے پلنے کی دیکھ بھال کیا کرتے تھے۔ اور آپ جب اس کو اپنی گود میں اٹھاتے تو اس کی مسکراہٹ دیکھ کر خوشی سے آپ کا دل پھولوں نہ سماتا۔

حضرت ابراہیم نے اپنی زندگی کا ڈیڑھ سال یا اس سے کچھ اور کا عرصہ ملے لیا اور اس تمام عرصہ میں آپ ان سے ملنے وقتا فوقتہ جاتے رہتے اور ان سے پیار و دل لگی کرتے رہتے اور ان کو جو آپ سے بہت ہی دلکش مشابہت تھی اسے نہایت خوشی سے ملاحظہ فرماتے۔

ایک سال اور چند ماہ کا وہ عرصہ بھی میں حضرت ابراہیم زندہ رہے تھے یہ ایک ایسا روشن و شادخوار وقت تھا جس سے آپ کی نفس کو نشاط حاصل ہوتی اور دل اطمینان و سکون اور فرحت و خوشی سے لبریز ہو جاتا تھا لیکن وقت نے بڑی جلدی کر ڈی تھوڑے ہی عرصہ میں ہی ختم ہو جانے۔

چنانچہ حضرت ابراہیم جیاد پڑ گئے اور ان میں اس شامہ پید ہو گیا کہ ان کی زندگی کے لائے پڑ گئے اور جان بچنے کی کوئی امید باقی نہ رہی اور آپ کے اہل و عیال ان کی تیمارداری اور دیکھ بھال کے لئے بروقت ان کے چاروں طرف کھڑے رہتے تاکہ ان کی دیکھ بھال مکمل ہو اور ان کی بیماری میں کچھ تخفیف ہو لیکن تمام غنیمتیں لڑائی گان گئیں اور مرض بڑھتا ہی گیا، حتیٰ کہ ذریت یہاں تک پہنچ گئی کہ اب سب کو یہ نظر آنے لگا کہ وہ ابراہیم جنہوں نے ایک عرصہ تک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچانی اب وہ زندہ نہ رہ سکیں گے اور منقریب اس دنیا سے کوچ کر جائیں گے۔

جس وقت حضرت ابراہیم کی روح پرواز کر رہی تھی اور وہ اپنی والدہ کی گود میں تھے اس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بلا لیا گیا۔ چنانچہ آپ تشریف لائے اور ان کو اپنی گود میں لے لیا جنم و اندوہ کی وجہ سے دل ٹوٹے ٹوٹے ہوا جا رہا تھا اور آپ اس چہرے پر نظرسں جمائے ہوئے تھے جو آپ کو دیکھ کر ہر وقت ہشاش بشاش رہتا تھا اور اس منہ کی طرف دیکھ رہے تھے جو آپ کو دیکھ کر سکریا کرتا تھا اور آپ کے سامنے وہ آنکھیں پھیں جو آپ کی طرف اطمینان و سکون و پیاد بھری نظروں سے دیکھا کرتی تھیں اور آپ اس وقت یہ فرما رہے تھے:

اے ابراہیم جو اللہ کی طرف سے تم کو پہنچے والا ہے ہم تم کو اس سے

ہرگز نہیں بچا سکتے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آپ کی گود میں ہی حضرت ابراہیم نے دم توڑ دیا اور آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے اور حضرت ماریہ اور ان کی بیوی سیرین غم و اندوہ کی وجہ سے آہ و بکا اور رونے میں مشغول تھیں۔ حضرت ابراہیم کے جسم کی حرکت جب بالکل ختم ہو گئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں سے بے ساختہ آنسو بہنے لگے اور آپ نے فرمایا۔

اے ابراہیم اگر یہ بات نہ ہوتی کہ موت کا آنا حق ہے اور موت اپنے وقت مقررہ پر ضرور آتی ہے اور بعد والوں کو پہلے والوں کے ساتھ ضرور ملنا ہے۔ تو ہم تم پر اس سے زیادہ غم کرتے، اے ابراہیم تم پر فراق کی وجہ سے ہم سخت غم و ملال میں ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ کو دلاسا دینے اور تسلی کی خاطر آپ کے ارد گرد جمع ہو کر آپ سے یہ عرض کرنے لگے! اے اللہ کے رسول کیا آپ رونے سے متناہی نہیں فرماتے تھے؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میں نے رونے اور ٹپکے ہونے سے ہرگز منع نہیں کیا تھا بلکہ میں نے تو زور زور سے آواز بلند کئے کرنے سے منع کیا تھا۔ انھوں نے آنسو بہتے ہیں اور دل ٹپکے ہوتا ہی ہے اور ہم صرف وہی بات زبان پر لائیں گے جو اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے والی ہو۔ شک ہم سب

اللہ ہی کے ہیں اور ہم سب کو اسی کے پاس واپس کرنا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کس کہنے والے نے کہا: اے اللہ کے رسول آپ اللہ کے حق کو ہم سب سے زیادہ پہچانتے والے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مجھ پر جو کچھ اثر دیکھو ہے ہو یہ رحمت اور شفقت کا اثر ہے اور جو شخص دوسروں پر رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جاتا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ماریہ کے پاس گئے اور ان کو تسلی اور دلاسا دیا اور فرمایا: ابراہیم کے لئے اللہ تعالیٰ نے جنت میں ایک دودھ پلانے والی مقرر فرمادی ہے۔

حضرت ابراہیم کو غسل دیا گیا اور جنت البقیع (قرستان کا نام ہے) لے جانے کے لئے ایک چھوٹی سی چارپائی پر رکھ دیا گیا اور آپ کے چچا حضرت عباس اور دوسرے مسلمان آپ کے ساتھ ہونے اور وہاں پہنچ کر آپ نے حضرت ابراہیم کی نماز جنازہ پڑھی اور ان کو دفن کر دیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے دست مبارک سے ان کی قبر کی مٹی برابر کی اور اس پر پانی چھڑکا اور اس پر نشانی لگا دی اور یہ فرمایا: اس سے نہ کوئی فائدہ پہنچتا ہے اور نہ نقصان میں یہ زندہ رہنے والوں کی آنکھوں کو غمناک کرنے کا ذریعہ بنتی ہے اور انسان جب کوئی کام کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کو یہ بات پسند ہے

کہ انسان اسے مکمل اور اچھے طریقے سے کرے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابراہیم کی قبر کی مٹی سے ہاتھ جھاڑ کر مدینہ منورہ واپس تشریف لے آئے اور آپ نے غم کے سامنے نہ ہتھیار ڈالے اور نہ صدمہ و غم کو اپنے اوپر سوار کیا اور اس دردناک حادثہ کی وجہ سے آپ نے دعوت اسلام سے کسی لمحہ بھی قطع نظر نہ کیا اور نہ مسلمانوں کے کاموں کے انجام دینے میں کسی قسم کی کمی کی، حالانکہ آپ اس چاند کو دفن کر چکے تھے جس کی شایاں آپ کی نفس و قلب کو ایک نقص سے صدمہ تک منور و پرسکون بنا چکی تھیں اور بھر وہ چاند جلد ہی منہ موڑ کر روپوش ہو گیا تھا۔

جس دن حضرت ابراہیم کا انتقال ہوا اس روز سورج کو زمین ہوا اور مسلمانوں کے خیال میں اس کی وجہ سوائے اس کے اور کوئی نہ تھی کہ حضرت ابراہیم دنیا سے رخصت ہوئے ہیں چنانچہ انہوں نے کہا یہ سورج گرہن حضرت ابراہیم کی وفات کا وجہ سے ہی ہوا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مسلمانوں کی یہ بات سنی تو ارشاد فرمایا:

إِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ  
آيَاتَانِ مِنْ آيَاتِ اللَّهِ  
پے شک چاند و سورج اللہ تعالیٰ کے  
نشانوں میں سے دو بڑی نشانیاں ہیں

لَا تَخْشَفَنَّ مَوْتَ أَحَدٍ  
وَلَا لِحَبِيبِهِ فَإِذَا بُعِثْتَ  
فَإِنَّكَ فَافِزٌ حَقًّا إِلَى  
ذِكْرِ اللَّهِ بِالصَّلَاةِ .  
کسی کے مرنے یا جینے کی وجہ سے  
بے فکر نہیں ہوتے لہذا جب تم یہ  
صورت حال دیکھو تو فوراً جلدی سے  
نماز کے ذریعہ اللہ کے ذکر میں مشغول  
ہو جایا کرو۔

سبحان اللہ ایسے نازک موقعوں پر آپ کی سہی کتنی عظیم الشان  
تھی اور سخت سے سخت مواقع پر آپ کیسے جلیل القدر و باہمت تھے،  
صلی اللہ علیہ وسلم



## رحمت نبوی

سنہ ۱۰ ہجری میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فریضہ حج کی ادائیگی کے ارادہ سے مدینہ منورہ سے مکہ منکرم کی جانب روانہ ہوئے، آپ کے ہمراہ ایک لاکھ سے زائد جانثار مسلمان تھے۔

اس حج کو بعض مسلمان "حجۃ الوداع" کہتے ہیں، اس لئے کہ اس حج میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری مرتبہ مکہ منکرم بیت اللہ مسجد حرام اور جبل عرفات کو دیکھا تھا۔ بعض مسلمان اس کو "حجۃ الوداع" بھی کہتے ہیں اس لئے کہ اس حج میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ سب کچھ لوگوں تک پہنچا دیا تھا جس کے پہنچانے کا اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا تھا اور وہ دین اسلام تھا۔

اسی حج میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ عظیم الشان خطبہ دیا تھا جو بجا طور پر اسلام کا دستور کہلاتا ہے جس کی ایتہ آپ نے اس فرمان مبارک سے کی تھی: اے لوگو! میری بات غدر سے سنا، اس لئے کہ مجھے معلوم نہیں ہے ہو سکتا ہے اس سال کے بعد اس جگہ تم سے کچھ کمی ملاقات نہ ہو سکے اور اس وقت اللہ تعالیٰ نے آپ پر جو آیت قرآنیہ نازل

﴿سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَبِحَمْدِكَ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ أَعْلَمُ أَنَّكَ أَنْتَ اللَّهُ الْغَنِيُّ الْغَنِيُّ﴾

اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ  
مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ  
وَعَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مُجِيدٌ،  
وَبَارِكْ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ  
كَمَا بَارَكْتَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ  
حَمِيدٌ مُجِيدٌ

(نہانی)

فرمانی تھی وہ عداوت فرمائی:

اِنَّ اَوَّلَ مَا اَمَلْتُ لَكُمْ وَ يَتَكَلَّمُ  
وَأَسْمَعْتُ عَلَيْكُمْ يَنْعَمَتِي  
وَرَحْنِي لَكُمْ اَكْسَلَهُ دِيْنًا  
احسان اور میں نے اسلام کو تمہارے

(المائدہ - ۳)

یہ سن کر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ زاد و قطار رونے لگے اس لئے کہ انہوں نے یہ محسوس کر لیا تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذمہ داری پوری ہونے والی ہے اور آپ بہت جلد اس دنیا سے رخصت ہونے والے ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حج ادا کر کے مدینہ منورہ واپس لوٹ گئے اور آپ مسلمانوں کو یہ بتلا چکے تھے کہ شاید اس سال کے بعد دوبارہ ان سے ملاقات نہ ہو سکے اور ان کو وہ آیت بھی پڑھ کر سنائی تھی جو قرآن کریم کی وحی کے اختتام پر اللہ تعالیٰ نے آپ پر نازل فرمائی تھی جس میں قرآن کے فذلیہ سے اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے دین کو کامل و مکمل کر دیا تھا اور اپنی نعمتوں کی تکمیل فرمادی تھی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جاکسی شک و شبہ کے یہ جانتے تھے کہ اللہ کی طرف سے جس پیغام رسالت کو پہنچانے کے لئے آپ کو منتخب کیا گیا تھا وہ پورا ہو چکا ہے اور جس مقصد کے لئے آپ کو بھیجا گیا تھا آپ نے اسے پورا

کر دیا ہے اور آپ نے جہاد کیا یہاں تک کہ اللہ نے دین اسلام کے نور کو کامل و مکمل کر دیا۔ چنانچہ اسلام جزیرہ عرب میں پھیل چکا تھا اور اب وہ اس امت میں تھا کہ اس پر شرک کے غلبہ و منافقوں کے نفاق و دجل سے کوئی خطرہ نہیں تھا۔

لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مسلمانوں نے وہ صورت حال بھی تھی جو آپ کو فکر مند کرتی رہتی تھی اور آپ اس کے سلسلہ میں غور و فکر کرتے رہتے تھے اور وہ یہ کہ رومی جزیرہ عرب کی شمالی حدود پر مسلط تھے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی طرف سے فکر لگی رہتی تھی اگرچہ وہ کسی موقع پر بھی مسلمانوں کے خلاف فتنہ حاصل نہ کر سکے تھے لیکن پھر بھی آپ ان کی طرف سے متفکر تھے۔

غزوہ موتہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام حضرت زید بن حارثہ اور آپ کے چچا حضرت جعفر بن ابی طالب اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم جیسے حضرات جام شہادت نوش کر چکے تھے جیسے بعد دیگرے مسلمانوں کے ہر گروہ تھا جس نے انوں میں سے تھے۔ لیکن اس صورت حال کے باوجود حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نہایت ہوشیاری اور حسن تدبیر سے مسلمانوں کے لشکر کو کمزور کر کے اس طرح واپس ہونے کے لئے کہ جس کی وجہ سے وہ عرب قبائل جو شام میں مقیم تھے بہت متاثر ہوئے جس کا بڑا اثر یہ ہوا کہ ان میں سے بیشتر

قبائل اسلام میں داخل ہو گئے اور رومی لشکر مسلمانوں کے لشکر پر فتح و کامیابی حاصل کر سکا۔

فروہ جبکہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تیس ہزار مسلمانوں پر مشتمل لشکر کو لے کر شام کی حدود کی طرف روانہ ہوئے اور یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب آپ کو یہ اطلاع ملی کہ رومی عرب کی حدود پر آکر لڑنے کی تیاری میں مصروف ہیں۔ چنانچہ جب آپ ان سے مقابلہ کے لئے تھے تو رومیوں کے لشکر کرنے مسلمانوں کے لشکر کے سامنے آنے کی جرأت نہ کی بلکہ اپنے شہر کے اندر بھاگنے قلعوں میں بند ہو گئے جس کو دیکھ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے وہاں ٹھہرنے کو غیر ضروری سمجھا اور واپس لوٹ آئے۔ اس سب کے باوجود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رومیوں کے لشکر میں سوچتے رہتے تھے اور آپ عرب کے حدود کے سلسلہ میں ان کی طرف سے پتھر و مٹھن نہ دیتے اور نہ آپ ان کی حرص و لالچ سے بے فکر تھے اس لئے کہ آپ محسوس کر رہے تھے کہ وہ دیکھ رہے ہیں کہ اسلام و رومی لشکروں میں داخل ہو رہے اور مختلف شہروں میں پھیل رہے اور بہت سے بادشاہ اور حکام اور پادشاہ عیسائی خوشی خوشی اسلام قبول کر رہے ہیں اور جو لوگ اسلام قبول نہیں کرتے ہیں اسلام نہ ان سے ان کا آزادی سلب کرتا ہے اور نہ ان کے معاملات میں دخل اندازی کرتا ہے بشرطیکہ وہ اس کی تعلیمات کی پیروی کرتے رہیں اور

مقرر کردہ چیز یہ مسلمانوں کو ادا کرتے رہیں۔

اس صورت حال کے پیش نظر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شام بھیجنے کے لئے ایک لشکر تیار کرنے کا حکم دیا اور اس کا امیر حضرت اسامہ بن زید بن حارثہ کو مقرر فرمایا۔ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ چونکہ چھوٹی عمر کے تھے اس لئے مسلمانوں کی ایک جماعت نے آپس میں یہ سرگوشی کی۔ حضرت اسامہ ہمارے جن ادبیین کے امیر کیسے نہیں گے؟ لوگوں کی یہ سرگوشیاں اور آگے بڑھیں اور آپس میں ایک دوسرے سے نہایت تعجب کے سوال کیا جانے لگا۔ حضرت ورنے اس کو محسوس کر لیا اور ان حضرات کی تردید کی اور پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کو یہ بات بتلائی۔ یہ سن کر آپ مسجد میں تشریف لائے اور فرمایا: بخدا اگر تم لوگ اسامہ کی امدت پر اعتراض کر رہے ہو تو یہ کوئی تعجب خیز بات نہیں اس لئے کہ تم لوگ اس سے پہلے ان کے والد کی امارت پر اعتراض کر چکے ہو، خدا کی قسم وہ امیر بننے کے حقدار تھے اور ان کے بیٹے ان کے بعد امیر بننے کے حق دار ہیں۔ اس لئے ان کے بارے میں اچھا معاملہ کرنے کی وصیت قبول کرو۔ یہ تمہارے ممتاز و پسندیدہ اور اچھے لوگوں میں سے ہیں اور پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے حضرت اسامہ کو جھنڈا اٹھایا اور ان کو وصیت کرتے ہوئے یہ فرمایا اور



اے اسامہ اللہ کا نام لے کر اللہ کے راستے میں جنگ کرو اور تیزی سے چلتا تاکہ تم دشمن کے مطلع ہونے سے پہلے ان تک پہنچ جاؤ اور رہنماؤں اور راستہ جاننے والوں سے مدد لیتے رہنا اور حالات پر مطلع ہونے کے لئے ہمارے کو پہلے بھیج دینا اور آگے بڑھتے رہنا یہاں تک کہ تم اپنے گھوڑوں سے ان جگہوں کو روند ڈالو جہاں تمہارے والد کو شہید کیا گیا تھا، دشمن پر صبح سویرے حملہ کر دینا اور غصے بھرا اور کسی بچے اور عورت کو قتل نہ کرنا، پھر جب اللہ تعالیٰ تمہیں فتح وغلبہ عطا فرمادے تو واپس لوٹ آنا اور زیادہ عرصہ وہاں مت ٹھہرنا۔ حضرت اسامہ کے لشکر نے سفر کی تیاری شروع کر دی اور مدینہ منورہ کے باہر پڑاؤ ڈالا تاکہ کام لوگ مکمل طور سے تیار ہو جائیں اور اسلحہ وغیرہ اکٹھا کر لیا جائے۔

انہی دنوں میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پیغمبر کے درو فکوس کیا جس کی وجہ سے آپ کے خواب کی شکایت چھپا ہو گئی اور آرام کرنا مشکل ہو گیا۔ چنانچہ ایک رات آپ اپنے گھر سے اس حالت میں نکلے کہ آپ کے ساتھ آپ کے غلام ابو موسیٰ کے علاوہ اور کوئی نہ تھا۔ گھر سے نکل کر آپ چلتے رہے اور مدینہ منورہ کے باقی حصے قریب قریب تمام مسلمانوں کے قریب میں آئے اور جہاں کے درمیان کھڑے ہو کر قرآنوں سے خطاب کے آپ کے فرمایا۔

السلام علیکم یا اهل المقابر اسے قرآن والوں پر سلامتی ہو اور لیجی لکم ما اصبحتہ فیہ وہا اصبحت الناس فیہ اقبلت اللہ کقطع الليل المظلم متبع آخرھا اولھا الاخرۃ شریک الاولی۔

پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن والوں کے لئے دعا و مغفرت مانگی اور پھر حضرت ابو موسیٰ کے ساتھ مدینہ منورہ واپس آ گئے۔ اس واقعہ کے بعد ابو موسیٰ بہت بے شک و یقین ہو گئے کہ یہ اطلاع دی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یقیناً قرآن کے قریب قریب والوں کے لئے مغفرت کی دعا مانگنے کے بعد ان سے کہا تھا کہ ابو موسیٰ بے شک ہے دنیا کے خزانوں کی کنیاں وہی گئیں اور دنیا میں ہمیشہ رہنے اور پھر جنت کے انتخاب کرنے کے درمیان اختیار دیا گیا تو ان سب کے درمیان اور اپنے رب کی ملاقات اور جنت کے درمیان اختیار دیا گیا ہے۔

تو ابو موسیٰ بہت ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: میرے ماں باپ آپ پر قربانی ہوں آپ دنیا کے خزانوں میں ہمیشہ رہنے کی چاہیاں لے لیجئے اور پھر آخر میں جنت کو پسند فرمایا لیجئے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا ہرگز نہیں اسے ابو موسیٰ یہ خدا کی قسم میں اپنے رب کی ملاقات کو اختیار کرتا ہوں۔ صبح کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اہلیہ وسلم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس سے گزرے تو دیکھا کہ ان کو سردرد کی شکایت ہے اور وہ یہ کہہ رہی ہیں ہلے میرا سر!!

یہ سن کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: اے عائشہ اپنے سردرد کو تو چھوڑو میرے سر میں شدید درد ہے (مجھے یہ بات کہنا چاہیے)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس شکایت کو سن کر حضرت عائشہ نے دوبارہ اپنے سردرد کی شکایت کی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دل کی کے طور پر ان سے فرمایا: اے عائشہ بھلا بتاؤ تو یہی کہ اس صدمہ کی حالت میں کیا تمہارا نقصان ہوگا کہ اگر تم مجھ سے پہلے دنیا سے فوت ہو جاؤ میں تمہیں کفن دوں، تمہاری نماز جنازہ پڑھوں اور تمہیں دفن کروں۔

آپ کی یہ دل کی شکایت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر اثر کر گئی اور انہوں نے فرمایا کہ: آپ کی ازدواجی مجلس میں سے دوسری بیویاں مجھ سے زیادہ اس کی مستحق ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسکرائے اور درد کی شدت نے آپ کو حضرت عائشہ سے مزید دل کی سے روک دیا، پھر کچھ وقت کے لئے آپ کا

درد ختم ہو گیا اور آپ ازدواجی مجلس کے گھر میں خوشی سے گئے اور جب آپ حضرت میمونہ کے گھر پہنچے تو دوبارہ سردرد کا حملہ ہوا اور عرض نے شدت اختیار کر لی اور بخار پڑ گیا تو آپ نے اپنی ازدواجی مجلس کو طلب فرمایا۔ بیماری کے دوران حضرات عائشہ کے گھر میں قیام کی اجازت طلب کی چنانچہ ان سب نے آپ کو بخیر خواہی اس کی اجازت دے دی۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے گھر سے صبر پر پٹی باندھ کر اس حالت میں نکلے کہ آپ نے اپنے چچا حضرت عباس اور چچا زاد بھائی حضرت علی بن ابی طالب پر سہارا کیا ہوا تھا اور اس حالت میں آپ حضرت عائشہ کے گھر پہنچ گئے۔

لوگوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیماری کی خبر پھیل گئی جس سے وہ شدید پریشان ہو گئے اور ان پر اس سے سخت دکھ ہوا اور وہ نہایت بے چین رہے قرار ہو گئے، اس لئے کہ انہیں یہ بخوبی معلوم تھا کہ ساری عمر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی بھی اتنی شدید بیماری لاحق نہیں ہوئی جس سے آپ صاحب فراموش ہو گئے ہوں اور نہ انہیں یہ یاد تھا کہ کبھی آپ کو ایسا شدید بخار آیا ہو جس کی وجہ سے آپ کو اس جیسی تکلیفیں برداشت کرنا پڑی ہوں۔

اس کی وجہ یہ تھی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پوری زندگی میں سنہ

پھر بھری میں ایک مرتبہ ہلکی کھانسی ہوئی تھی جس کی وجہ سے ایک مختصر  
سے وقفہ کے لئے آپ کا کھانا پینا بند ہو گیا تھا اور پھر جلد ہی اس کا اثر ختم  
ہو گیا تھا اور اس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ساری زندگی کبھی کوئی  
اور تکلیف نہ پہنچی تھی سوائے اس موقع کے جب آپ نے دہریلا گوشت  
تناول فرمایا تھا جس کا اثر آسان سے معمولی علاج سے دور ہو گیا تھا۔

ان دو واقعات کے علاوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام  
زندگی قوت و طاقت اور جہت و نشاط کی زندگی تھی اور اس میں کوئی  
تعب کی بات بھی نہیں اس لئے کہ آپ کی تعلیمات آپ کو اور ہر اس شخص  
کو جو آپ کی ان تعلیمات کی پیروی کرے بیماری سے دور کرنے والی تھیں۔  
چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صرف اس وقت کھایا کرتے تھے جب خوب  
بھوک لگی ہو اور جب کھانے بیٹھتے تو پیٹ بھر کر بھر دیتے تھے اسی  
لئے آپ نے مصر کے مقوقس کے ہدایا میں سے پہلا کھانا اور ماریہ اور  
سیرین نامی باندیوں کو قبول فرمایا تھا اور طبیب کو یہ فرما کر واپس کر دیا  
تھا کہ ہم ایک ایسی قوم ہیں جو بلا حرکت کھاتے نہیں اور جب کھاتے ہیں  
تو پیٹ بھر کر نہیں کھاتے۔

اس صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ صاف ستھرے  
رہتے تھے خود میں پانچ مرتبہ وضو کرتے تھے اور اپنے کپڑوں کی صفائی

ستھرائی کا خیال رکھتے اور شکل و صورت کو درست رکھنے کی کوشش فرماتے  
تھے اور یہ فرما کر صفائی کی ترغیب دیا کرتے تھے۔

النفطاة من الاشیاء  
صفائی ایمان کا جز ہے

یزنی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ چست اور مستعد رہتے تھے،  
عبادت میں لگے رہتا اور مسلمانوں کی ضروریات کے لئے جاگنا آپ کی عادت  
مبارک تھی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم زندگی کے ساتھ نہایت عمدہ جوڑ قائم رکھتے  
تھے آپ مہلک اور نقصان دہ لذت اور اشیاء اور نقصان دہ کھیل کود  
سے دور رہتے تھے۔ یہ تمام باتیں ایسی تھیں جو اپنے کرنے والے کی صحت کی کامل  
ضمانت تھیں۔

جب صورت حال یہ تھی تو پھر مسلمان کیوں نہ بے چین اور مضطرب  
ہوتے جبکہ وہ اپنے محبوب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بیماری میں مبتلا  
تکالیف جھیلنا ہوا دیکھ رہے تھے؟؟

بات بھی ٹھیک تھی اس لئے کہ آپ کے وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم  
اور اہل وعیال کیوں نہ پریشان ہوتے جنہوں نے ساری زندگی آپ کو  
صحیح و تندرست قوت و توانائی کے ساتھ رسالت و نبوت کے بوجھ کو  
اٹھاتے ہوئے اس طرح دیکھا تھا کہ بیماری آپ تک پہنچنے کا کوئی راستہ  
ہی نہ پاتی تھی۔

یہ صورت حال دیکھ کر حضرت اسامہ کا وہ لشکر جو مدینہ سے جنگ  
کھینچنے کے لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے اپنی تیاریوں میں مصروف  
تھا اس نے اپنی تیاری موقوف کر دی تاکہ آپ کی صحت کی طرف سے لیلیان  
ہو جائے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیماری کی حالت پر چند روز اس طرح گذر  
گئے کہ آپ کا مرض بڑھتا گیا اور حالت کبھی زیادہ ہو جاتی اور کبھی کم، جب  
بیمار تیز ہوتا تو اس کی زیادتی اور شدت کی وجہ سے آپ کو کچھ پتہ نہ چلتا تھا،  
اور جب بیمار کم ہوتا تو آپ اپنے اوپر بوجھ ڈال کر رحمت کر کے مسجد تشریف  
لے جاتے اور اپنے محبین صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ نماز پڑھتے۔ اسے خود  
صلی اللہ علیہ وسلم اللہ ہی آپ کو اس جدوجہد اور محنت پر اجر عطا فرماتے  
جو آپ مسلمانوں کے فائدہ کے لئے کرتے رہے ہیں۔

بیماری کی اس شدت کے دوران میں آپ پر علم ہوتا تھا تھا آپ  
نے اپنے مگردانوں سے فرمایا: مختلف کمزوریوں سے سات مشیکھنے سے متلا کر لے  
اد پر پہاڑوں تاکہ میں لوگوں کے پاس جا کر انہیں نصیحت کروں اور ان سے  
عہد لے لوں، چنانچہ مطلوبہ پانی ہیا گیا اور آپ کی ازواج مطہرات نے آپ  
کو ایک نشہ سے تیار بنا دیا اور آپ کے اوپر وہ پانی بہانا شروع کر دیا،  
حتیٰ کہ آپ نے نہ فرمانا شروع کر دیا، پس کو کافی ہے، پس کرو۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد تشریف لائے آپ کے سر پر پٹی بندھی ہوئی  
تھی اور آپ نے وطن پہنچ کر جنگ امد کے شہداء کے لئے دعا کی اور پھر فرمایا:  
اللہ کے اپنے ایک بندہ کو دنیا میں رہنے اور جہاں کے لئے اپنے پاس  
تیار کر رکھا ہے اس کے درمیان اختیار دیا ہے اور اللہ کے اس بندہ نے  
اس کو اختیار کیا ہے جو اللہ کے پاس ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان مبارک کی حقیقت تک حضرت  
ابوبکر رضی اللہ عنہ فرما پہنچ گئے اور رونے لگے اور آپ سے عرض کیا: ہم آپ  
پر اپنی جانوں اور اولاد کو قربان کرتے ہیں، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم  
نے جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے اتنے زیادہ متاثر ہوئے تو یہ کچھ تو فرمایا:  
اے ابوبکر فرما زخمی برتو۔

اور پھر اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم دیا کہ سوائے حضرت ابوبکر کے  
دروازے کے مسجد کی جانب کھلنے والے دوسرے تمام دروازے بند کر دئے  
جائیں اور فرمایا: ان سے زیادہ کوئی افضل و اعلیٰ رفیق و ساتھی میرے  
علم میں نہیں ہے اور اگر بالفرض انسانوں میں سے کسی کو میں اپنا غلیل اور  
جگری دوست بنانا تو ابوبکر کو اپنا غلیل بنانا لیکن جہاں اور ان کا تعلق رفقا  
اور ایمانی اخوت کا ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ہم دونوں کو رحمت میں یکجا  
اکٹھا فرما دے۔

پھر آپ نے لوگوں سے فرمایا: اسامہ کے لشکر کو روانہ کر دو، یہ آپ نے اس لئے ارشاد فرمایا کہ آپ نے حضرت اسامہ کے سفر میں تافیر کرنے کو موس کر لیا تھا اور آپ یہ جان گئے تھے کہ لوگ لشکر کے روانہ ہونے کے سلسلہ میں متردد ہیں۔

پھر آپ نے انصار کے سلسلہ میں مہاجرین کو یہ فرما کر وصیت کی: اے جماعت مہاجرین! انصار کے ساتھ خیر و بھلائی کی وصیت قبول کر دو اس لئے کہ اور لوگ تو بڑھتے جائیں گے لیکن انصار اپنی اس حالت پر رہیں گے ان میں اضافہ ہوگا: یہ لوگ میرے وہ معاونین ہیں جن کے پاس میں نے ٹھکانہ حاصل کیا، اس لئے ان میں سے جو اچھا کام کرے اس کو قبول کر لو اور ان میں سے کسی سے اگر کوئی غلطی ہو جائے تو اس سے درگزر کر دیا کرو۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دہلی سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر تھکے ماندے واپس تشریف لائے اور آپ کا مرض اور شدید ہو گیا اور عیلائی نے اور شدت پکڑ لی، دوسرے دن آپ میں عقیقت زہری کہ حسب عادت نماز کے لئے دولت کہہ سے باہر تشریف نہ کر سب کے ساتھ نماز پڑھیں، چنانچہ آپ نے ارشاد فرمایا: ابو بکر سے کہہ دو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھا دیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر یہ بات نہایت شاق گذری کہ آپ حسب عادت لوگوں کو نماز پڑھانے تشریف نہ لے جائیں چنانچہ انہوں نے

عرض کیا: اے اللہ کے رسول! حضرت ابو بکر باپیت بہت آواز میں اور جب قرآن کریم تلاوت کرتے ہیں تو کثرت سے کہتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر فرمایا: ان کو حکم دے دو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھا دیں۔

حضرت عائشہ نے دوبارہ وہی بات دہرائی لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے باوجود شدت تکلیف کے پھر بھی جملہ دہرائیا کہ: ابو بکر کو حکم دے دو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھا دیں۔ چنانچہ آپ کے حکم کے مطابق حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو جماعت سے نماز پڑھائی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض میں شدت بڑھتی گئی اور سب گھر والے آپ کی بیماری کی اس شدت کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے لیکن ان کے دور کرنے پر قادر نہ تھے۔

دروناک صورت حال یہ تھی کہ ان کے محبوب اور اللہ کے نبی ان کے سامنے بیکار پڑے تھے، بیمار تیز ہوتا جا رہا تھا حتیٰ کہ اس کی شدت کی وجہ سے آپ پر غفلت طاری ہو جاتی تھی، پھر آپ ہر شے میں آتے اور کچھ افاقہ ہو جاتا پھر از سر نو آپ پر بے ہوشی کا دورہ پڑتا اور آپ سوائے اس کے اور کچھ نہیں کرتے کہ اپنے پاس رکھے ہوئے عنڈیلے پانی کے برتن میں اپنا ہاتھ مبارک ڈبوئے اور اس کو اپنے چہرہ مبارک پر پھیر دیتے تاکہ اس کے ذریعہ سے بیمار کی شدت سے آپ کو جو تکلیف پہنچ رہی تھی اس میں کچھ کمی آجائے، آپ کی پیاری بیٹی عمر

فاطرؑ جو آپؐ کو اولاد میں سے تنہا اکیلی زندہ رہ گئی تھیں وہ جب بیمار پری کے لئے آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا کہ قہقہے تو آپؐ کھڑے ہو کر ان کو چوم لیا کرتے تھے اور اپنی جگہ پر بٹھال لیا کرتے تھے، لیکن اب صورت حال یہ تھی کہ آپؐ ان کے لئے حسبِ عادت کھڑے ہو سکتے تھے اور نہ ان کو چوم سکتے تھے چنانچہ اب جب حضرت فاطرؑ آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئیں تو انہوں نے آپؐ کو دوسرا دیا اور آپؐ نے ان کو اپنے پاس بٹھال لیا اور چپکے سے ان سے کوئی بات کہی جسے سن کر حضرت فاطرؑ رونے لگیں، پھر آپؐ نے دوبارہ آہستہ سے کوئی اور بات کہی تو وہ ہنسنے لگیں۔ حضرت عائشہؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضرت فاطرؑ رضی اللہ عنہا سے جب اس کا سبب پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے راز کو ظاہر نہیں کر سکتی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہؓ سے جرات چپکے سے کہی تھی اور انہوں نے وہ بات اپنے والد کے دل پہلے جانے کے بعد بیان فرمادی تھی وہ یہ تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے چپکے سے یہ فرمایا تھا کہ میرا انتقال اسی بیماری میں ہو جائے گا جسے سن کر وہ پہلے انتہائی رونے لگیں، پھر آپؐ نے دوبارہ چپکے سے ان سے یہ فرمایا کہ وہ ان کے اہل و عیال میں سے سب سے پہلے ان سے ملیں گی۔ یہ سن کر حضرت فاطرؑ رضی اللہ عنہا ہنسنے لگیں۔

اور اس طرح سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ جان کر اپنی ایک اکیلی بیٹی سے اس صدر کے فم کو کچھ بٹھا کر دیکھ کر آپؐ کی وفات کی شکل میں ان کو پہنچنے والا تھا اور اس کے لئے آپؐ نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ پہلے ان کو اپنی دنتا کی اطلاع دی اور پھر ان کو یہ ایسا ن دلادیا کہ وہ سب سے پہلے آپؐ سے پا کر شیں گیں۔

رومیوں سے جنگ کے لئے مسلمانوں کا جو لشکر رخصت ہونے والا تھا وہ لشکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو الوداع کہنے کے لئے آیا اس لشکر میں حضرت عمر بن الخطابؓ اور ان جیسے دوسرے بڑے بڑے مہاجرین اور انصار بھی تھے لیکن سوال یہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی شدید بیماری کی حالت میں چھوڑ کر کس طرح چلے جائیں اور ان حضرات کی کچھ میں یہ بات نہیں آ رہی تھی کہ وہ مدینہ سے کس طرح رخصت ہوں جبکہ ان کے دل اور مقبض اور روح مدینہ منورہ میں تھیں۔

جس وقت حضرت اسامہؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے الوداعی ملاقات کرنے کے لئے آئے تو اس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بات کرنے کی طاقت بھی نہیں رکھتے تھے۔ چنانچہ آپؐ نے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف بلند کئے اور پھر ان کو حضرت اسامہؓ پر رکھ دیا جس سے حضرت اسامہؓ نے یہ اندازہ کر لیا کہ آپؐ ان کے لئے دعا کر رہے ہیں۔ چنانچہ وہ آپؐ سے اس حالت میں رخصت

ہوئے کان کے آنکھوں سے موٹے موٹے آنسوؤں کی طوی جاری تھی ۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے جب اپنے والد ماجد صلی اللہ علیہ وسلم کی بیماری کی شدت اور تکلیف کو دیکھا تو وہ اپنے اور پر قابو نہ پاسکیں اور بے ساختہ کہنے لگیں کہ ہائے میرے ابابکان کی بیماری اور تکلیف ؛ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی صاحبزادی سے فرمایا کہ آج کے بعد تمہارے والد پر کوئی تکلیف نہیں ہوگی ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل و عیال نے آپس میں یہ مشورہ کیا کہ آپ کا کوئی ایسا علاج کیا جائے جس سے آپ کی تکلیف میں کچھ کمی آسکے آپ پہلے ہوشی کی سی کیفیت طاری تھی ، چنانچہ حضرت اسامہ بنت زیدؓ نے ایک مشروب تیار کیا جس کے بنانے کا طریقہ انہوں نے اس زمانہ میں سیکھا تھا جس زمانہ میں وہ اپنے شوہر حضرت جعفر بن ابی طالبؓ کے ساتھ حبشہ میں مقیم تھیں ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ازواج مطہرات نے وہ دوا آپ کے منہ میں اس وقت ڈالی جب آپ کی شدت کی وجہ سے بے ہوشی کے عالم میں تھے پھر جب آپ ہوش میں آئے تو آپ نے دریافت فرمایا کہ یہ کس نے کیا ہے ؟ اور تم لوگوں نے ایسا کیوں کیا ؟ تو آپ کے چچا حضرت عباسؓ نے آپ سے فرمایا : اے اللہ کے رسول ہمیں دے دیا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ کو

ذات الجنب کی بیماری ہو تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ ایسی بیماری ہے کہ جس میں اللہ تعالیٰ مجھے بلا نہیں کرے گا۔ پھر آپ نے حکم دیا کہ جو دوا آپ کے لئے بنائی گئی تھی وہ اس میں موجود سب افراد کو کھائیں سوائے آپ کے چچا حضرت عباسؓ کے چنانچہ سب نے اس کو کھایا حتیٰ کہ حضرت یسویٰؓ نے بھی جو اس دن رمدہ سے تھیں ۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کچھ افادہ ہوا تو آپ نے ان صحابہ سے جو آپ کی عیادت کے لئے آئے ہوئے تھے — فرمایا : لاؤ میں تمہارے لئے کوئی ایسی کتاب لکھ دوں جس کے بعد تم ہرگز بھی گمراہ نہ ہو گے۔ مسافرین میں سے بعض حضرات نے یہ چاہا کہ قلم اور کاغذ لے آئیں تاکہ ان تعلیمات اور ارشادات کو لکھ لیا جائے جن کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سکھانا چاہتے ہیں لیکن بعض دوسرے حضرات نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیماری کی شدت اور تکلیف کو دیکھتے ہوئے یہ چاہا کہ آپ پر پوجہ و ڈالا جائے اور قرآن کریم (اور احادیث) میں جو تعلیمات اور ارشادات اور نصیحتیں موجود ہیں ان پر اکتفا کیا جائے۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج مطہرات سے ان سات دیناروں کے بارے میں دریافت فرمایا جو مسلمانوں کے مال میں سے آپ کے پاس تھے اور آپ نے اپنے گمراہوں کو بیماری کے وقت یہ حکم دیا تھا کہ ان کو صدقہ کر دیا جائے لیکن آپ کی تباہ دہائی کی مشورت نے ان کو آپ کے

اس حکم کے نافذ کرنے کو بھلا دیا تھا چنانچہ آپ نے ان سے پوچھا کہ تم لوگوں نے ان سات دیناروں کا کیا کیا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا اے اللہ کے رسول وہ تو اب تک موجود ہیں تو آپ نے انہیں حکم دیا کہ وہ دینار لائے جائیں چنانچہ جب وہ لے آئیں تو آپ نے انہیں اپنے ماتحت میاں لے لیا اور فرمایا کہ اگر یہ میرے پاس موجود ہوں اور میں دنیا سے چلا جاؤں تو اپنے رب سے کیا کہوں گا پھر آپ نے ان سب کو لے کر نذرانہ پر صدقہ کر دیا۔

ایک رات جو کہ بارہ ربیع الاول سنہ گیارہ ہجری کی پیر کی شب تھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حرارت میں کچھ کمی آئی اور بخار کی شدت میں اضافہ ہوا اور یہ رات آپ نے سکون اور آرام سے گزاری جس کو دیکھ کر آپ کے اہل و عیال خوش ہو گئے اور انہوں نے سکون و اطمینان کا سانس لیا۔

جب صبح ہوئی تو آپ میں اتنی قوت آگئی کہ آپ اپنے چادر اور بھائی علی بن ابی طالب اور فضل بن عباس کے سہارا سے مسجد جا سکیں۔ آپ جب مسجد پہنچے تو اس وقت حضرت ابو بکر صدیقؓ کو نماز پڑھا رہے تھے، لوگوں نے جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو شریف لاتے دیکھا تو خوشی و سرور کے مارے ان کی یہ کیفیت تھی کہ نماز کو ترک کر آپ کے استقبال کر دوڑ پڑیں، اس صورت حال کو دیکھ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک کے اشارے سے انہیں حکم دیا کہ وہ اپنی نماز میں مشغول رہیں۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے یہ حال دیکھ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اپنی جگہ سے ہٹ جائیں تاکہ آپ اہم ترین شخص یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکر کے بیٹھنے پر طعن نہ کر سکیں دیکھ کر لوگوں کو نماز پڑھاتے رہو۔ اور خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابو بکر کے پہلو میں بیٹھ گئے اور ان کے دائیں جانب بیٹھ کر آپ نے نماز پڑھی۔

جب نماز مکمل ہو گئی تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کی طرف متوجہ ہوئے اور اپنی بلند آواز سے جسے مسجد کے باہر کے لوگ بھی سن لیں آپ نے ان سے فرمایا اے مسلمانو! خدا کی قسم میں نے وہی حلال کیا ہے جو قرآن کریم نے حلال کیا اور میں نے اسے ہی حرام قرار دیا ہے جسے قرآن کریم نے حرام قرار دیا اور خدا کی لعنت ہو اس قوم پر جس نے اپنی قبروں کو مسجد بنالیا۔

اے مسلمانو! میں نے جن کی پشت پر ناحق مارا، ہو تو یہ میری بیٹھ جائز ہے اسے چاہئے کہ اس کا بدلہ لینے کے لئے مجھے مارے اور جس کو میں نے برا بھلا کہا ہو اسے چاہئے کہ وہ اس کے بدلہ میں مجھے برا بھلا کہے اور میں نے جن کا مال لیا ہو اس کو چاہئے کہ میرے اس مال میں سے لے لے جو اس کے لئے ماضی ہے۔

یہ سن کر مسلمانوں میں سے ایک صاحب کھڑے ہوئے اور انہوں نے



کہا: اے اللہ کے رسول میرے تین درجہ آپ پر آتے ہیں۔ چنانچہ آپ نے ان کو تین درجہ دے دیئے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دوبارہ حضرت عائشہ کے گھر اس حالت میں واپس تشریف لے گئے کہ آپ مسلمانوں کو مسرور دیکھ کر خوش تھے اگرچہ آپ یہ محسوس کر رہے تھے کہ آپ کا جسم نہایت کمزور ہو چکا ہے اور آپ اتنے نحیف و لاغر ہو چکے تھے کہ آپ کی ٹانگیں آپ کو اٹھانے کی طاقت نہیں رکھتیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحت کی اس ظاہری حالت و کیفیت کو دیکھ کر مسلمان بہت خوش ہوئے اور خوشی و مسرور کی حالت میں ایک دوسرے کو مبارک باد دیتے تھے اور سرور و خوشی ان کی نفوس و قلوب میں سراپا کر گئی تھی اور حضرت اسامہ بن زید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اوداٹا کہنے اور شکر کے لئے جانے کی اجازت مانگنے کے لئے تشریف لائے۔ حضرت ابو بکر کے بعض اہل خانہ صدمہ سے کچھ فاصلہ پر رہتے تھے ان کے پاس جانے کے لئے حضرت ابو بکر کی اجازت مانگنے آئے۔

اور مسلمان اپنے اپنے کاموں میں مشغول ہو گئے اور اپنی اپنی ضروریات کے لئے روانہ ہو گئے اس لئے کہ سب کے سب مطمئن ہو چکے تھے دنوں کو قرار اور نفوس کو آپ کی صحت کی طرف سے الیمان نصیب ہو گیا تھا۔

ان تمام میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ کے گھر میں رہا

کرتے تھے اور ایک ایک لمحہ آپ کا ضعف اور کمزوری بڑھی جا رہی تھی اور صحت کی وہ علامات اور عافیت و تندرستی کی وہ نشانیات ختم ہوتی جا رہی تھیں جو صبح کو مسلمانوں نے آپ پر دیکھی تھیں۔

آپ آرام فرما رہے تھے اور آپ کے پاس ہی ٹھنڈے پانی کا ایک برتن رکھا ہوا تھا جس میں وقتاً فوقتاً آپ اپنا دست مبارک جھگو کر اپنے چہرے پر پھیرتے رہتے اور اس طرح سے بخار کی شدت اور تیزی اور جن کے قبضہ و دب سے والے تھپیڑوں سے کچھ نجات حاصل کر لیتے تھے۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے ایک صاحب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان کے ہاتھ میں مسواک تھی تھی ان کے ہاتھ میں مسواک کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح سے دیکھا جس سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ محسوس کر لیا کہ آپ مسواک کرنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے آپ سے دریافت فرمایا: اے اللہ کے رسول کیا آپ یہ مسواک لینا چاہتے ہیں؟ تو آپ نے اثبات میں جواب دیا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنے بھائی سے وہ مسواک لے لی اور چبا کر نرم کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیش کر دی۔ آپ نے مسواک لی اور اسے استعمال فرمایا اور پھر ایک طرف رکھ دی۔

اس کے بعد ایک روز نہایت خونخوار مگر مٹی گذری حضرت عائشہ اس

وقت نہایت بگڑا ہوا اور دہشت اور پریشانی کے عالم میں تھیں اور کھلکا ہوا  
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تنگے جا رہی تھیں۔ آپ نے اپنا سر مبارک ان کی گود  
میں رکھا ہوا تھا اور حضرت عائشہ اس بات کی خواہشمند تھیں کہ سب کی طرح اس  
وقت بھی آپ کے چہرے پر مسحت کے کچھ آنار نظر آ جائیں اور دل کو اطمینان نصیب  
ہو یا آپ کے منہ سے کوئی ایسی بات نکلے جس سے کچھ امید قائم ہو اور سہارا مل  
جائے لیکن انہوں نے یہ محسوس کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کمزوری میں  
امٹاؤ ہوتا جا رہا ہے اور آپ کے منہ سے سوائے اس کے اور کچھ نہ سنا کہ  
اللہم اعنی علی سکرات الموت اے اللہ موت کی سختی پر میری مدد فرما  
حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ محسوس کیا کہ ان کی گود میں رکھا ہوا  
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سر مبارک بھاری ہوتا جا رہا ہے۔ چہرے پر  
جب عجز سے نگاہ ڈالی تو کیا دیکھا کہ آپ کی نگاہ ادھر کو اٹھی ہوئی ہے اور  
آپ یہ فرما رہے ہیں :

بل الرفیق الاعلیٰ من الجنۃ  
جنت میں رفیق اعلیٰ کو پسند کرتا ہوں  
خون اور ذہول کے عالم میں حضرت عائشہ نے فرمایا : قسم ہے اس ذات کی  
جس نے آپ کو نبی برحق بنا کر بھیجا آپ کو اختیار دیا گیا اور آپ جنت پسند فرمایا۔ صدمہ  
کی شدت نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان مبارک بھلا  
دیا کہ

وَأَنْتَ مَيِّتٌ وَأَنْتُمْ مَيِّتُونَ  
(الزمر - ۳۰)  
آپ کو بھی مرنا ہے اور انہیں بھی مرنا ہے۔

چنانچہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک کو نگاہ پر رکھا  
اور دوسری عورتوں کے ساتھ مل کر رونے لگیں۔  
کیا واقعی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وارثانی سے کوچ فرما گئے  
تھے ؟

یہ سوال ہر اس مسلمان کی زبان پر تھا جو اس فنکار و المناک تکلیف دہ  
خبر کو سنا تھا جو لوگوں میں آٹا ناٹا پھیل چکی تھی۔  
حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھلا اتنی جلد ہی کس طرح وفات پا سکتے  
تھے جبکہ کچھ گئے قبل وہ ان کے ساتھ مسجد میں تھے اور وہ آپ کا دیدار کر رہے  
اور آپ کی گفتگو سن رہے تھے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کس طرح دنیا سے رخصت ہو سکتے ہیں ؟  
وہ تو اللہ کے ایسے محبوب بندے تھے جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغام کے  
پہنچانے کے لئے منتخب فرمایا تھا اور آپ کے دست مبارک پر بہت سے  
لوگ مسلمان ہو چکے تھے۔

بھلا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کس طرح وفات پا سکتے ہیں ؟ جبکہ وہ  
اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ ایسی روحانی قوت کے مالک تھے جس نے تمام عالم کو

جھوٹ کر رکھ دیا تھا اور جن کے ذریعہ سے ایسا عظیم الشان انقلاب آیا تھا جس کی تاریخ میں نظیر نہیں ملتی۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے کس طرح رخصت ہو سکتے ہیں؟ اس مسئلے کو آپ تو وہ ذات ہیں جس نے لوگوں کو تاریکی سے روشنی کی طرف نکالا اور گمراہی سے ہدایت کی جانب رہنمائی کی۔

حضور اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کس طرح وفات پا سکتے ہیں؟ اس لئے کہ آپ کی وفات سے وحی کا وہ سلسلہ منقطع ہو جائے گا جو آپ سے قبل کسی بھی رسول کی وفات سے منقطع نہیں ہوا تھا۔

یہ دردناک خبر لوگوں میں پھیل گئی اور حضرت عمر بن الخطاب نے حبیبِ غیر یعنی قرآنہوں نے اس کی تصدیق نہ کی اور جلدی سے حضرت عائشہ کے گھر گئے اور گھر میں داخل ہو کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ مبارک کھول کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ آپ میں کوئی حس و حرکت نہیں ہے تو وہ یہ سمجھے کہ آپ بے ہوشی کی کیفیت طاری ہے جو کچھ دیر بعد ختم ہو جائے گی۔ چنانچہ وہ یہ کہہ کر اترے اور بے ہوشی اور غم زدہ لوگوں کے درمیان کھڑے ہو گئے اور انصار انصار ہر اس شخص کو قتل کی دھمکی دی جو یہ کہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا گئے ہیں۔

چنانچہ حضرت عمرؓ نے بلند آواز سے یہ کہنا شروع کیا: اے لوگو! بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول انتقال فرما گئے ہیں! اللہ کی قسم ان کا انتقال نہیں ہوا

ہے بلکہ وہ حضرت موسیٰ بن عمران کی طرح چالیس دن تک غائب رہیں گے اور پھر واپس لوٹ کر آئیں گے اور ان لوگوں کا برا بھلا کر دیں گے اور سزا دیں گے جو یہ کہتے ہیں کہ ان کا انتقال ہو گیا ہے۔

حضرت ابو بکرؓ جیسے عظیم ترین دین و خبر پہنچی اور وہ سید سے واپس آئے اور مسجد میں داخل ہوئے تو سنا کہ حضرت عمرؓ یہ کہہ رہے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال نہیں ہوا ہے اور دیکھا کہ لوگوں پر زہول کی کیفیت طاری ہے اور حکومت میں مبتلا ہیں مایوسی ان پر چھائی ہوئی ہے اور کبھی کبھی ان پر امید غائب آجاتی ہے، یہ صورت حال دیکھ کر حضرت ابو بکرؓ نے مسجد میں ٹھہرے اور حضرت عمرؓ کی گفتگو کی طرف توجہ دی بلکہ جلدی سے حضرت عائشہ کے گھر گئے اور داخل ہونے کی اجازت طلب کی تو ان سے کہا گیا کہ آج کسی کو اجازت طلب کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

چنانچہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ گھر میں داخل ہوئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کپڑا پڑا ہوا ہے، فرمایا کہ آپ کے چہرہ مبارک سے پکڑے کو ہٹایا اور آپ پر جبکہ آپ کو بوسہ دیتے گئے اور آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب اٹھ پڑا اور یہ فرمانے لگے!

اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم آپ پر میرے ماں باپ قربان ہو جائیں، آپ زندگی میں ہی جی سکتے پائیزہ اور اعلیٰ تختے اور وفات کے بعد بھی سکتے

عمدہ اور پاکیزہ ہیں سبب شک یہ موت اللہ نے آپ کے لئے رکھی ہی تھی چنانچہ آپ نے اس کو جھیل یا اب اس کے بعد آپ کو پھر کبھی بھی موت نہ آنے گی۔  
 دلوں سے حضرت ابوبکر مسجد نبوی تشریف لائے تو دیکھا کہ حضرت عمر لوگوں سے گشتگو میں مشغول ہیں اور مسلسل یہ بات دہرا رہے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال نہیں ہوا ہے، چنانچہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر کو آواز دی اور فرمایا: اسے غرور و غلبہ و غیہ بھی بات کرنے کا موقع دو اور حضور صریح دیکھنے کے لئے خاموش رہو۔

لیکن حضرت عمر پھر کچھ اس قسم کی کیفیت طاری تھی کہ وہ خاموش نہ ہونے اور لوگوں سے اس موقع پر گشتگو جاری رکھی تو حضرت ابوبکر لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے اور ان کو اشارہ سے بتلایا کہ وہ ان سے کچھ بات کرنا چاہتے ہیں چنانچہ تمام حضرات ان کے ارد گرد جمع ہو گئے تاکہ ان کی بات سن سکیں، انہوں نے فرمایا: اے لوگو جو شخص محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت و پرہیزگاری اور قواسمہ کچھ لین چاہئے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا گئے ہیں اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہو تو اسے معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ زندہ رہے گا اس پر کبھی بھی موت نہیں آئے گی۔

اور پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اللہ تعالیٰ کا مندرجہ ذیل کلام تلاوت فرمایا:

وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ  
 أَتُحِبُّونَ مَا أَتُحِبُّونَ  
 عَنْ أَهْلِ قَوْمٍ مِمَّنْ يَتَّبِعُونَ  
 عَقِبَيْهِ مَنْ يَتَّبِعُوا اللَّهَ  
 وَمُحَمَّدًا  
 اور محمد تو ایک رسول ہیں ان سے پہلے بہت سے رسول گذر چکے پھر کیا اگر وہ مر گئے یا مرنے کے تو تم اسے پاؤں پھر جاؤ گے اور کوئی اسے پاؤں پھر جائے گا تو وہ اللہ کا ہرگز کچھ نہ بگاڑے گا اور اللہ ثواب دے گا شکر گزاروں کو۔

قرآن کریم - ۱۱۱

اس دردناک و غمناک موقع پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے یہ پر حکمت خطبہ دیا، لوگوں نے سبب یہ تقریر سنی تو انہیں اس متعین حقیقت کا اندازہ ہو گیا اور وہ سمجھ گئے کہ واقعی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے رخصت ہو چکے ہیں۔ مسلمانوں کے وہ دل جو ایمان و اخلاص اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت و الفت اور وفاداری سے لبریز تھے انہوں نے شروع میں آپ کی وفات کا انکار اس دہشت اور غم اور پریشانی کی وجہ سے کیا تھا جو ان پر اس حادثہ جاناکاؤں کی وجہ سے چھا گئی تھی لیکن جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان مبارک کو تلاوت فرمایا تو وہ حق کی جانب لوٹ آئے اور دخول کی کیفیت ان سے دور ہو گئی اور اس بات کو جان لیا کہ آپ کی وفات کا صدر ایک حقیقت ہے اور یہ حادثہ جاناکاؤں ایک شدید غم و آزار ناک ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی یہ گفتگو سنی اور ساتھ ہی وہ آیت بھی جو انہوں نے صحابہ و فرما ہی تھی قرآنہوں نے نہایت وثوق سے یہ بات سمجھ لی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے رخصت ہو چکے ہیں چنانچہ وہ کہتے ہوئے زمین پر بیٹھ گئے: ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا میں نے یہ آیت آج سے قبل کبھی نہ سنی تھی۔

اس صدمہ کی وجہ سے حضرت عثمان بن عفان یا مکمل گنگ اور گم صم ہو گئے اور صدمہ کی شدت سے بات تک کرنے سے عاجز آ گئے۔ حضرت عبداللہ بن عمر اس موقع کے بارے میں فرماتے ہیں کہ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ہمارے چہروں پر پرہے ڈال دئے گئے تھے اور پھر وہ ہٹا دئے گئے۔

مسلمانوں پر اللہ تعالیٰ کا یہ عظیم فضل و احسان تھا کہ اس موقع پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نہایت ثابت قدم رہے اور اس دردناک تعلیق وہ واقعہ کا مقابلہ کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوبکر کو نہایت زبردست قوت و طاقت اور عظیم مہر و نقل عطا فرمایا، یہ ایسا دردناک درد تھا کہ وقت نماز کے میں قریب تھا کہ مسلمانوں کی عقین ماری جائیں اور انکا منتشر ہو جائیں۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور تمام مسلمانوں سے زیادہ اس سانحہ جاناکاہ کو برداشت کرنے کی قوت رکھتے تھے لیکن بات دراصل یہ تھی کہ انہوں نے اس واقعہ کے پہلے ہی یہ محسوس کر لیا تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم غریب

رخصت ہونے والے ہیں اور تمام مسلمانوں نے کافی پہلے اور آپ کی وفات سے قبل ہی وہ اس حادثہ کے تصور سے ہلکا اپنے انسو بہا چکے تھے۔

مسلمانوں نے ایک دوسرے سے سوال کرنا شروع کیا کہ اب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد زندگی کیسے گذرے گی؟ اور اب مسلمانوں کی کیا حالت ہوگی؟ اور مسلمانوں کے امور و معاملات کا ذمہ دار اور ان کا قائد درجہ کون ہوگا؟ حضرت اسامہ اپنے اس لشکر کو لے کر واپس لوٹ آئے جسے انہوں نے مدینہ منورہ کے باہر ٹھہرایا ہوا تھا اور مدینہ منورہ پہنچ کر انہوں نے اپنا چھینٹا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے دولت کدہ کے سامنے گاڑ دیا اور اس انتظار میں بیٹھ گئے کہ اب مسلمانوں کے معاملات کا ذمہ دار کون ہوگا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل و عیال نے اس مکان کا دروازہ بند کر لیا تھا جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم موجود تھے۔ دوسری طرف ایک دوسرے سے سوال کرنے والے انصاری مسلمان حضرت سعد بن عبادہ کے پاس جمع ہو گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رشتہ داروں کی ایک جماعت حضرت علی بن ابی طالب کے ارد گرد اکٹھا ہو گئی اور کسی کہنے والے نے حضرت ابوبکر و عمر سے کہا: اے ابوبکر و عمر انصار ایک جگہ اکٹھا ہونے میں تیار کہ اپنے میں سے کسی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ کے طور پر منتخب کر لیں۔ اگر آپ لوگوں کو مسلمانوں کے معاملات سے کچھ لگاؤ ہے تو آپ لوگ بات بڑھنے سے

قبل ہی لوگوں سے رابطہ قائم کر لیں۔

چنانچہ حضرت ابوبکر و عمر اور یعنی دوسرے مہاجرین اس جانب روانہ ہوئے جہاں انصار اکٹھا تھے وہاں دونوں فریقوں میں کچھ بحث مباحثہ ہوا، کچھ مناظرہ اور سوال جواب ہوا اور نتیجہ یہ نکلا کہ حضرت عمر نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اے ابوبکر اپنا ہاتھ پھیلائیے۔ حضرت ابوبکر نے اپنا ہاتھ پھیلا دیا تو حضرت عمر نے فوراً ان کے ہاتھ پر بیعت کر لی اور ان کے بعد دوسرے مہاجرین و انصار نے بھی بیعت کر لی۔

اور دوسرے دن تمام مسلمانوں نے مسجد نبوی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفے کے طور پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی اور اس سلسلہ میں انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت ابوبکر کی اس وفاداری، محبت، اخوت، طویل صحبت اور اسلام لانے میں اہمیت کو مد نظر رکھا جو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ان کو آگے فرما کر تمام مسلمانوں سے لے لیا تھا جس کا مطلب یہ تھا کہ جس شخص کو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز جیسے معاملہ میں اپنا نائب اور جانشین بنایا ہے وہی شخصیت خلافت و امارت میں بھی آپ کی جانشینی اور نیابت کا حق رکھتی ہے۔

اس کے بعد مسلمان حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر کی طرف روانہ ہوئے تاکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تجویز و تحفین و تدفین کو مکمل کر دیا جائے چنانچہ مسلمانوں نے آپس میں یہ مشورہ کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کس جگہ دفن کیا جائے، بعض حضرات نے کہا کہ آپ کو آپ کی مسجد میں ہی دفن کر دیا جائے اور بعض حضرات نے کہا کہ آپ کو آپ کے دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ ہی دفن کیا جائے، بعض حضرات نے کچھ اور مشورہ دیا۔ اخیر میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنا قطعی اور آخری فیصلہ سناتے ہوئے فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ بھی نبی کی روح قبض نہیں کی گئی مگر یہ کہ اس کو وہیں دفن کیا گیا جہاں اس کی روح قبض کی گئی تھی۔ یہ بات سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ بستر اٹھایا گیا جس پر آپ کی روح قبض کی گئی تھی اور اس جگہ آپ کے لئے قبر کھود دی گئی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عزیزوں نے آپ کو قیصر پہنچے منسل دیا۔ حضرت اسامہ بن زید اور آپ کے آزاد کردہ غلام شقران نے آپ کے اوپر پانی ڈالا اور حضرت علی نے منسل دیا اور وہ آپ کی خوشبو و مہک سونگھتے دھوئے پیر فرماتے جا رہے تھے، میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں آپ زندگی اور وفات دونوں حالتوں میں نہایت خوشبودار و معطر ہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب غسل دیا جا چکا تو تین کپڑوں میں

آپ کو گفتن دیا گیا اور پھر مسلمانوں کے لئے دروازے کھول دئے گئے اور وہ  
فوج در فوج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام والوداع کہنے اور نذر پڑھنے  
کے لئے داخل ہونے لگے۔

وگ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جہز میں جئے ہو گئے تو حضرت  
ابو بکر رضی اللہ عنہ کھڑے ہو گئے اور فرمانے لگے۔

اے اللہ کے رسول آپ پر اللہ کی طرف سے سلامتی اور اس کی رحمتیں  
اور اس کی برکتیں نازل ہوں اہم سب اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ آپ  
نے اپنے رب کے پیغام کو پہنچا دیا اور آپ نے مسلسل جہاد کیا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ  
نے اپنے دین کے لئے حضرت دفع مکمل کر دی اور آپ نے سب سے وعدہ کو پورا کر  
دیا اور ہمیں یہ حکم دیا کہ ہم اللہ تعالیٰ سے وعدہ لا کر کہیں کہ وہ کسی کی عبادت  
نہ کریں تمام مسلمان حضرت ابو بکر کی بات سن کر اس پر آمین کہہ رہے تھے۔

مردوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جہز میں اس حالت میں آپ  
کی نماز جنازہ پڑھی کہ کوئی بھی شخص ان کا نام نہ پڑھا۔ جب مرد نماز سے فارغ ہو  
گئے اور اپنے محبوب بن کر صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری الوداع کہہ چکے تو  
حوروں کو داخل اجابت دی گئی پھر بچوں کو آنے دیا گیا جو رسول اللہ صلی اللہ  
علیہ وسلم کے پاس سے گزرتے جاتے اور آپ کو الوداع اور سلام کہتے جاتے تھے  
اور پھر وہاں سے سب اس حالت میں باہر آ رہے تھے کہ ان کی آنکھوں سے

آں سو جاری تھے اور ان کے دل غم و اندوہ کی وجہ سے پستے جا رہے تھے۔  
بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دفن کر دیا گیا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا  
اپنے گھر میں اس کمرے کے برابر ہی بنی رتوں میں کمرہ میں رسول اللہ صلی اللہ  
علیہ وسلم کی قبر مبارک بنا لی تھی اللہ تعالیٰ نے ان کو بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم  
کے اس قرب کی سعادت بخشی تھی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے  
سب سے پہلے جہاد کیا وہ یہ تھا کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا  
وہ حکم نافذ فرمایا جو وہیں سے جنگ کے لئے حضرت اسامہ کی سربراہی میں  
لشکر بھیجنے سے متعلق تھا۔

بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا کی زندگی میں تشریف لائے اور  
اس سے بالکل بے رغبت رہے اور اسی حالت میں اس دنیا کی زندگی کو خیر باد  
کہہ گئے اور اپنے عمل سے اپنے اس فرمان مبارک کو عملی جامہ پہنائے:

مالی واللدنیا، والذی نفس میرا اور دنیا کا کب تعلق اور جوڑ ہے،  
محمد پیدہ ما مثل ومثل قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت  
الدنیا الا کراکب سار فی یوم میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جان ہے  
صائف، فاستغل تحت شجرة بری اور دنیا کی مثال اس سواری کی طرح ہے  
ساعة من فہارثم جو گرم دن میں چلے اور پھر ٹھنڈی دیر







طوبیٰ ریسرچ لائبریری

اسلامی اردو، انگلش کتب،

تاریخی، سفرنامے، لغات،

اردو ادب، آپ بیتی، نقد و تجزیہ

[toobaa-elibrary.blogspot.com](http://toobaa-elibrary.blogspot.com)